

جملہ حقوق محفوظ

۷۸۶

مَطَالِبُ الْعَالَمِ

یعنی
دیوانِ غالب اردو کی بہترین و جدید شرح

مؤلفہ

مولانا سہاس

حسب فائش

شیخ مبارک علی تاجر کتبِ اردو و لوہا رومی ازہ ہو

۱۹۲۸ء

جلتہ امیرِ قدرت اللہ کریمی پریس گلگت مہرچہا

قیمت فی جلد ۵۰ مجلد ۱۰۰

بار دوم

(مطابق غازی پور قلم خانہ)

عرض حال

مدھیہ پرنس اردو اکادمی، اردو کے عظیم شاعر مرزا غالب کی دوسری صدی تقریبات کے موقع پر سہو پال کے مایہ ناز شاعر اور شارح مولانا سہا مجددی کی شرح "مطالب الغالب" کا عکسی ایڈیشن شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہی ہے۔ اس سے پہلے ۱۹۸۲ء میں اکادمی دیوان غالب جدید المعروف بہ نسخہ حمیدیہ کا عکسی ایڈیشن ڈاکٹر عبدالرحمن، بمبوری کے مقدمے سمیت شائع کر چکی ہے۔

نسخہ حمیدیہ کا عکسی ایڈیشن شائع کرنے کی ضرورت یوں محسوس ہوئی تھی کہ وہ بے حد کمیاب تھا اور خطرہ تھا کہ اگر اس کی اشاعت عمل میں نہیں آئی تو بالکل نایاب ہو جائے گا۔ کم و بیش یہی خطرہ "مطالب الغالب" کے سلسلے میں بھی درپیش تھا۔ چنانچہ اکادمی کی اشاعتی کمیٹی کے فاضل اراکین نے یہ فیصلہ کیا کہ غالب کی دوسری صدی تقریبات کو جہاں اردو اکادمی ظاہری شان و شوکت کے ساتھ منائے وہاں وہ مستقل نوعیت کا ایک کام یہ بھی کرے کہ "مطالب الغالب" کے عکسی ایڈیشن کی اشاعت اپنے ہاتھ میں لے۔

اکادمی نے جب اس کام کی تکمیل کا بیڑا اٹھایا تو محسوس ہوا یہ اتنا آسان نہیں ہے جتنا سمجھ لیا گیا تھا۔ "مطالب الغالب" کی تلاش کی مہم شروع کی گئی تو سب سے پہلے دستِ تعاون میرے دوست ڈاکٹر عبدالباقی (جبل پور) نے دہرا کیا اور ان کی کوششوں سے "مطالب الغالب" کا پہلا ایڈیشن دستیاب ہو گیا۔ یہ ۱۹۲۳ء میں شائع ہوا تھا۔ لیکن یہ دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی کہ جگہ جگہ سے اس کے اندرونی صفحات نادر دستے، غالباً "لائق طلباء" نے "امتحانی ضروریات"

کے لیے انہیں کتاب سے جدا کر دیا تھا اور یہ بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ کتنا بڑا ادبی جرم کر رہے ہیں۔ یہ بات میرے علم میں تھی کہ شمس الرحمن فاروقی صاحب کے پاس "مطالب الغالب" ہے میں نے اس سلسلے میں انہیں الہ آباد فون کیا۔ انہوں نے فوراً شروع کے ۶ صفحات دیباچے کے آخری دو صفحات اور آخر کے چار صفحات کی فوٹو اسٹیٹ کاپی فراہم کرائی اور یہ توقع ظاہر کر کے حوصلہ بڑھایا کہ: آپ کی نگرانی میں مطالب الغالب کی اشاعت بحسن خوبی انجام پائے گی۔

فاروقی صاحب کے پاس "مطالب الغالب" کا تیسرا ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۳۱ء کا نسخہ تھا۔ اسی دوران مجھے خیال آیا کہ علی گڑھ میں میرے کرم فرما حکیم ظل الرحمن کے پاس "غالبیات" کا جو خزانہ ہے اُس میں مطالب الغالب کا بھی نسخہ ہے۔ ظل الرحمن بھائی کسی کو کتاب دینے کے معاملے میں بے حد محتاط ہیں لیکن آپ نے کمال مہربانی فرمائی اور نسخہ عنایت کیا۔ لیکن اس میں ٹائٹل اور انتساب والے صفحات کم تھے، دیباچہ سے شروع ہوتا تھا۔ میں نے تلاش کی ہم جاری رکھی اور اپنی مشکلات استاد محترم ڈاکٹر ابو محمد سحر کے سامنے پیش کیں۔ آپ کا کرم ہمیشہ میرے شامل حال رہا ہے۔ آپ نے اپنے ذاتی ذخیرہ کتب میں سے مطالب الغالب کا ایک جلد نسخہ عنایت فرمایا لیکن یہ ناقص الاول اور ناقص الآخر تھا۔ یعنی صفحہ ۵ سے شروع ہوتا تھا اور صفحہ ۴۹۶ پر ختم ہو جاتا تھا۔ اس کے علاوہ صفحہ ۲۵۲ سے لیکر آخر تک دیمک حاشیے کو چاٹتی ہوئی اصل عبارت تک آگئی تھی۔ جبکہ باقی صفحات بہت اچھی حالت میں تھے۔

پتہ چلا کہ یہ بھی "مطالب الغالب" کا تیسرا ایڈیشن تھا۔ اسی دوران میرے شاگرد دوست عزیز اندری نے اپنے محترم والد کی قائم کردہ لائبریری سے "مطالب الغالب" کا ایک نسخہ عنایت فرمایا۔ یہ پہلا ایڈیشن تھا لیکن ناقص الاول تھا۔ حکیم ظل الرحمن والا نسخہ دوسرا ایڈیشن تھا۔ ان چار نسخوں کے حصول کے بعد مجھے اطمینان ہوا کہ ان سب کی مدد سے ایک اچھا عکسی ایڈیشن شائع کیا جاسکتا ہے۔ زیر نظر ایڈیشن میں مقدمہ نسخہ اول سے شامل کیا گیا ہے۔ صفحہ ایک سے ۲۵۲ تک سحر صاحب کے عنایت کردہ نسخے سے، صفحہ ۲۵۲ سے ۳۹۶ تک حکیم ظل الرحمن کے نسخے سے اور آخر والے صفحات پھر باقی صاحب کے دیے ہوئے نسخے سے شامل کیے گئے ہیں۔ یہاں یہ تحریر کرنا ضروری ہے کہ مولانا مہمان نے جو مقدمہ تحریر کیا ہے اُسے صفحات کی مولانا مہمان کی دی ہوئی

ترتیب کے مطابق یہ ہے۔ اور بعد میں شرح ہے جو از سر نو صفحہ نمبر ایک سے شروع ہوتی ہے۔

جب "مطالب الغالب" کو طباعت کے لیے تقاریر عمل صاحب کے حوالے کیا تو انہوں نے کہا کہ کاغذ بہت بوسیدہ ہو کر پیلا پڑ گیا ہے۔ اگر اس کا سائز بڑھا کر فوٹو اسٹیٹ کرایا گیا تو داغ دھبے اور سطح اور نمایاں ہو کر عیب بن جائیں گے۔ اس مسئلہ کا حل میرے بھائی شاہد علی خاں نے جو کہ مکتبہ جامعہ کے روح رواں ہیں اور کتابوں کی طباعت کا کافی عملی تجربہ رکھتے ہیں، یہ نکالاکہ بڑے سائز میں الیکٹرو اسٹیٹ کاپی نکالی جائے اور پھر داغ دھبوں کو کیمیائی عمل سے دور کیا جائے۔ ان کے مشورے پر لقاء صاحب نے عمل کیا اور شب روز کی مقدور بھر محنت کے بعد کتاب کو اس حالت میں لائے کہ چھپنے کے قابل ہو گئی۔

"مطالب الغالب" کے اصل نسخوں کی اشاعت ۲۰ x ۲۰ سائز کے کاغذ پر ہوئی تھی جبکہ اکادمی کا موجودہ ایڈیشن انلازج کر کے ۲۳ x ۲۶ پر شائع کیا جا رہا ہے۔

"مطالب الغالب" کا پہلا، دوسرا اور تیسرا ایڈیشن بہ فرمائش شیخ مبارک علی تاج سر کتب اندرون لوہاری دروازہ لاہور چھاپا گیا جبکہ اس کے مہتمم اور پریس بدلتے رہے پہلا ایڈیشن (۱۹۷۳) بہ اہتمام ملک دین محمد منیر محمد بن محمدی اسٹیم پریس لاہور کے ذریعہ 'دوسرا ایڈیشن (۱۹۷۸) بہ اہتمام میر قدرت اللہ کرمی پریس لاہور کے ذریعہ اور تیسرا ایڈیشن (۱۹۸۱) بہ اہتمام حافظ محمد عالم پرنٹر عالم گیر الیکٹرک پریس لاہور کے ذریعے شائع کیے گئے۔

بعد والے دو نسخوں کے کاتبوں نے کوشش کی تھی کہ کتابت میں بہت زیادہ منق و نہ آئے لیکن کافی محنت کے باوجود کاتب صاحبان اپنی کاوش میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں مثلاً پہلے ایڈیشن کے پانچویں صفحے کی پہلی لائن "بعض علوم" پر ختم ہوتی ہے۔ دوسرے ایڈیشن میں کوشش کامیاب رہی ہے جبکہ تیسرے ایڈیشن میں لفظ "کو" کا اضافہ ہو گیا ہے۔ اسی طرح اسی صفحے کی آخری لائن کے آخری الفاظ "آج تک شاعری کے حدود ہیں لیکن دوسرے اور تیسرے میں "آج تک شاعری" پر یہ صفحہ ختم ہوتا ہے۔

اسی طرح صفحہ ۲۰ تک آتے آتے تینوں ایڈیشنوں کی پہلی لائن اس مصرعے سے شروع

ہوتی ہے: "یاشب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہ بساط"

لیکن آخری لائن کا خاتمہ پہلے اور دوسرے ایڈیشن میں تو "زمین و آسمان" پر ہوتا ہے لیکن تیسرے میں لفظ "کا" کا اضافہ ہو جاتا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں چند باتیں مولانا سہا مجددی کے بارے میں بھی کر لی جائیں۔

جب "مطالب الغالب" شائع ہوئی تو اُس وقت تک مولانا سہا کے نام میں مجددی کا اضافہ نہیں ہوا تھا۔ دراصل بعد میں جب مولانا سہا نے حضرت شاہ محمد یعقوبؒ کے ہاتھ پر بیعت کی تو خود کو مجددی بھی لکھنے لگے۔

مولانا سہا نے ۵۵ سال کی عمر پائی اور ۲۷ دسمبر ۱۹۴۷ء کو بھوپال میں انتقال کیا۔ اُن کے دوستوں اور قدر والوں میں ہندوستان کے چوٹی کے اردو ادیب اور شاعر شامل تھے۔ مولانا سہا کا قد بہت چھوٹا تھا لیکن بونوں جیسے قد کا حامل یہ شخص ایک اعلیٰ دماغ انسان تھا۔ جوش ملیح آبادی نے "یادوں کی برات" میں اپنے جن "قابل ذکر احباب" پر قلم اٹھایا ہے اُن میں مولانا سہا بھوپالی بھی شامل ہیں۔ جوش اُن کی لیاقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وہ جب کسی علمی مسئلے پر باتیں کرتے تھے تو پتہ چلتا تھا کہ وہ کس قدر وسیع المطالعہ ہیں۔ وہ پرانے رنگ کے شاعر اور نئے مزاج کے نقاد تھے"

مولانا سہا کی ادبی سر بلندی کا اعتراف مالا سری رام دہلوی نے "خمن خانہ جاوید" کے حصہ چہارم مطبوعہ ۱۹۲۶ء میں ان الفاظ میں کیا ہے:

"قد و قامت نہایت مختصر مگر طبیعت ذکی اور مشتاقِ ہنر۔ علم مجلس میں یگانہ ہیں۔ دیوان غالب اردو کی شرح میں حکمت و فلسفہ کے مسائل ان کی جدت طرائف کا ثبوت ہیں"

مولانا سہا کے دوست متین سروش نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ یہ شرح نظم طرابلسی کے جواب میں لکھی گئی ہے شمس الرحمن فاروقی نے "تفہیم غالب" میں بخود دہلوی کے ساتھ سہا مجددی کو "انتہائی قابل قدر شارح" قرار دیا ہے جبکہ منظر امام اپنے ایک مقالے "یکے از

شاعرین غالب۔ مولانا سہا " (مطبوعہ مجموعہ مضامین ایک لہرائی ہوئی) میں مطالب الغالب کے لیے لکھتے ہیں،

"مولانا سہا مجددی کی مطالب الغالب غالب کی محدود و بے چند ابتدائی شرحوں میں سے ہے۔ یہ امر بذات خود اس شرح کے لیے وجہ امتیاز ہے۔ لیکن اس سے قطع نظر بھی سہا نے اکثر اشعار کی افہام و تفہیم میں نہ صرف وقت نظر سے کام لیا ہے بلکہ اپنی نکتہ بینی کا ثبوت بھی دیا ہے۔"

مولانا سہا کے ہم وطن اختر سعید خاں کو اس شرح میں سہا کے "ذہن کی دراکی" غالب کے اشعار کے کچھ ایسے مطالب بیان کرتی اور کچھ ایسے معانی تلاش کرتی نظر آتی ہے جن معانی اور مطالب تک غالب کے شاعرین کی نگاہ نہیں پہنچی تھی۔

مدھیہ پردیش اردو اکادمی کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ اُس نے سہا کی شاعری کی متاعِ گم شدہ کو حاصل کر کے "ملعات سہا" (۱۹۸۵ء) کے نام سے شائع کیا اور جس کا دیباچہ جوش ملیح آبادی سے لکھوایا۔ جوش صاحب نے اپنے اس دیباچہ میں سہا کو قصرا دب کا مینارہ بلند قرار دیا ہے۔

"مطالب الغالب" بھوپال میں غالب شناسی کے سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔ یہ اتنی ہی اہم ہے جتنی کہ ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری کی وہ تحریر تھی جو نسخہ حمیدریہ میں شامل ہے اور "محاسن کلام غالب" کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہوئی تو یہ جملہ غالبیات کی شاہ سُرخ بن گیا۔

"ہندوستان کی الہامی کتابیں دو ہیں۔ مقدس دید اور دیوان غالب۔" بھوپال اپنی اس خوبی قسمت پر ناز کر سکتا ہے کہ اُس نے غالبیات کے سلسلے کے بعض ایسے تحفے نذر کیے ہیں جو صرف وہی دے سکتا تھا۔ ۱۹۱۸ء میں یہاں تقریباً ایک صدی پہلے کا لکھا ہوا غالب کے دیوان کا قلمی نسخہ ملا۔ ابھی غالب کے اس دیوان کو طے ہوئے مشکل سے ۷۰ سال ہوئے ہوں گے کہ غالب صدی کے زمانے میں اسی بھوپال میں غالب کا ایک اور دیوان بخط غالب دریافت ہوا۔ پھر غالب کے دو غیر مطبوعہ اردو خطوط بنام

مولانا عباس رفعت اور ایک فارسی خط دریافت ہوا۔ آج مدھیہ پردیش اردو اکادمی غالب کی دوسری صدی کے موقع پر "مطالب الغالب" کا عکسی ایڈیشن شائع کر کے اپنی قدیم ادبی وراثت پر نازاں بھوپال کی طرف سے اس صدی کے حضور میں ایک اور بے نظیر تحفہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہی ہے۔ ایک ایسے شاعر کی ابتدائی شرحوں میں سے ایک شرح جس نے بقول سہا مجددی :

"تمام دنیا میں کم از کم اپنی صدی کی آئنازوں کو افسردہ کر دیا تھا"

آفاق احمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

دلائل کی ضرورت نہیں۔ مشاہیر کے اقوال نقل کر کے پڑھنے والوں کو مرعوب کرنا عیث ہے۔ کلام فی نفسہ ایک قوی الاثر حقیقت ہے۔ جو طبائع کو متاثر کرتی ہے۔

ایک ادیب کی ساری عمر اسی غور و فکر میں گزر جاتی ہے۔ کہ اثر کلام کیا چیز ہے؟ وہ اس اثر کی ماہیت معلوم نہیں کر سکتا۔ البتہ کلام ہی کو مختلف ناموں، سحر، اعجاز وغیرہ سے پکارا ٹھتا ہے۔ لیکن یہ سب محض الفاظ ہوتے ہیں۔ اُن نقوش تاثر کو کوئی کس طرح دکھا سکتا ہے؟ جو دل اور صرف دل پر ثبت ہوتے ہیں۔

ایک شاعر ایک خاص تڑپ اور مخصوص ہیجان میں ایک شعر کہتا ہے۔ جو سننے والے کو بھی بے چین کر دیتا ہے۔ لیکن شاعر اور سامع اس کیفیت اثر کو تشبیہاً یا تشبیہاً الفاظ میں ادا نہیں کر سکتے۔

ایک شوخ و شاداب پھول دیکھ کر جس طرح نگاہوں کے ذریعہ سے ایک مسرت آمیز احساس پیدا ہوتا ہے۔ ٹھیک اُسی طرح اچھے کلام کے اثرات قوت سامعہ دل میں اتار دیتی ہے!

لذت، کانشاط محسوس ہوتا ہے۔ مگر متعین نہیں! الم کی کلفت تکلیف

دیتی ہے۔ مگر غیر مفہوم رہتی ہے۔ یہ حالت عام ہے۔ پھر بھلا کلام و شعر کے اثر کی ماہیت کون سمجھ سکتا اور کون سمجھا سکتا ہے؟ روح کا معمہ ہی کب حل ہوا ہے۔ کہ امیال روحانی کی گرہ کشائی کی جائے!

کسی شعر کی ساری لفظی و معنوی خوبیاں بیان کر دوں اور غور کرو کہ اس بیان میں اُن خوبیوں کا پورا احساس بھی ادا ہوا یا نہیں؟ وہ احساس جو اندرونی طور پر محسوس کیا گیا تھا۔

صوتی و نقاشی دیکھی اور نقل کی جاسکتی ہے۔ مگر شاعری باوجود سمجھنے کے سمجھائی نہیں جاسکتی۔ الفاظ اور معنی کے تعینات نے چونکہ اس کو شجرہ ادب میں شامل کر دیا ہے۔ اس لئے فصاحت و بلاغت کا سوال پیش نظر رہتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ فصاحت و بلاغت خود شاعری کی پیدا کردہ خصوصیتیں ہیں۔ وہ ان سب سے اعلیٰ اور بے نیاز ہے۔

شاعر کو محض ادیب سمجھنا بڑا ہی ظلم ہے۔ ادیب تو ہر نثر نگار ہو سکتا ہے۔ اس کی اہلی حیثیت کو صرف وہ لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ جو نفس شاعری کی منزلت۔ فہم کو سمجھ چکے ہیں۔ یا ایک حد تک وہ لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ ہر علوم و معارف کو باعتبار فایات تقسیم کر کے اُن میں مدارج شرف کی کوئی حد قائم کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

ہر ذی شعور کے نزدیک اجمالاً تمام علوم و فنون پر شرف و فضیلت

کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ لیکن اُسی طرح یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ بعض علوم کو بعض علوم اور بعض فنون کو بعض فنون پر تفوق شرف حاصل ہے اس کلیہ کو پیش نظر رکھ کر جو صاحب بصیرت 'مراتبِ علوم کی تقسیم کرے گا اُس کو شاعر کے منصبِ فضل کا رتبہ بھی معلوم ہو جائے گا۔ یہ تو ظاہر ہے، کہ یہ مدارج شرفِ علوم کے غایات و مقاصد کے اعتبار سے تسلیم کئے جائیں گے۔ جو علم انسان کے مطالبِ حیات سے زیادہ معمور ہوگا۔ وہ اُن علوم سے زیادہ اشرف ہوگا۔ جن میں ایسی صلاحیتیں کم ہوں گی۔

قطع نظر اُن رجحانات و امیال اُن معتقدات اور تصورات کے جن کا علاقہ انسان کی محض حیاتِ روحانی سے ہے۔ اگر تعصب سے کام نہ لیا جائے۔ تو شاعری ہماری ساری حیاتِ مدنی پر بھی چھائی ہوئی نظر آ جائے گی۔ اُس حیاتِ مدنی پر جس کے مظاہر و شہود کو مادی نقطہ نظر سے یکش تسلیم کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اس مدنی حیات میں عالمِ روحانی نا معلوم طور پر اپنا قدرتی کام اُسی طرح انجام دے رہا ہے۔ جس طرح اس کو حقیقت میں انجام دینا چاہیئے۔

کیا دنیا کا تمدن محض کیمیا اور برقیات کی قدر پر اکتفا کر گیا کیونکہ زندگی کی ضروریات کا علاقہ ان علوم سے زیادہ وابستہ ہو گیا ہے؟ اور کیا وہ کمال کی کمال محض ادِ علم کی علم محض ہونے کی حیثیت سے کوئی کفالت نہیں کر سکتا؟ نہیں بلکہ یوں کہو کہ مدنیات ایک ہمہ گیر حقیقت اور جامع کمالات کا احاطہ کرنا چاہتی ہے۔ اُن مضامین کے علاوہ جو آج تک شاعری

کے حدود میں داخل ہو سکے ہیں۔ اور جن میں وجہ انیات اور روحانی ذہنیات کا عنصر غالب ہے۔ اگر صرف اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ معمولی سہی معمولی بات دائرہ شعر میں پہنچ کر محض شاعری کے اسلوب خاص اور طرزِ اظہار کی وجہ سے کس قدر قوی الاثر ہو جاتی ہے۔ اور یہی ایک خصوصیت ارتقاء زبان کے لئے جو مدنیت کے اصول بنیادی میں سے ہے۔ کس قدر مفید ہے۔ تو ماننا پڑے گا۔ کہ شاعری مدنیت کا نہایت اہم عنصر ہے!

یہ اور اسی قسم کی مختلف اہمیتیں گنائی جاسکتی ہیں۔ جن کا تعلق شاعری کے محض بیرونی سطحی اور ظواہر امور سے ہے۔ لیکن اگر نگاہوں کو وسعت دی جائے۔ اور مادی کثافتوں پر ٹھیرا نہ دی جائیں۔ بلکہ حجابات کو شفاف کرتی ہوئی عالم روحانی تک پہنچائی جائیں۔ پھر تو شاعری کا فضل و شرف آفتاب کی طرح ہر دیکھنے والے کو نظر آ سکتا ہے!

شعراء نے مذہب و اخلاق اور فلسفہ کے بڑے بڑے مسائل کو فروغ دیا ہے۔ لیکن اُن کا سب سے بڑا کمال اُس وقت ظاہر ہوتا ہے، جب جذبات کی تصویریں کھینچنے اور کیفیات و محسوسات کی ترجمانی کرنے میں کافی قدرت ظاہر کرتے ہیں۔ اُس وقت محض اُن کی لفظی ترکیبیں منطقی مسلمات اور استدلال پر حکومت کرتی ہیں۔ اور اُنکی تخیل فلسفہ کے منتہائے نظر پر ایک ٹھوکر لگا کر غیر معلوم الرفیعت فضا کی طرف پرواز کر فی شروع کر دیتی ہے۔

منطق ایک خاص قسم کی عقلیت ہے۔ جو عقل ہی پر غلبہ حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اور وجدان ایک قدرتی واقعیت ہے۔ جو وہم و صنعت کے فریبوں کو مٹاتا ہے۔ منطق عقل کے لئے ذلت ہے۔ اور وجدان عقل کے لئے مجلی۔

فلسفہ اشیاء کی حقیقت کا متجسس ہے۔ اور وجدان حقائق پر محیط ہے۔ پھر فلسفہ جس کی تلاش میں گم ہے وہ وجدانی دنیا ہے۔ اور وجدانی دنیا کا ہی دوسرا نام شاعری ہے۔ اس لئے شاعر جو اپنے فکر کی قوت احساس کی ذکاوت اور خیال کی رفعت کے باعث وجدانیات ہی کی ترجمانی کرتا رہتا ہے۔ ہر منطقی اور ہر فلسفی سے افضل و اشرف ہے!

ایک فلسفی کی نگاہ کے سامنے جب کوئی چیز آتی ہے۔ تو وہ بالکل صنی اور جاہل ہوتا ہے۔ اور ایک شاعر کے سامنے جب کوئی چیز آتی ہے۔ تو وہ معلوم شدہ اور بے نقاب آتی ہے۔ فلسفی ڈھونڈتا رہتا ہے۔ اور شاعر پہچانتا رہتا ہے! وہ منتشر حقیقتوں میں ربط و دے دے کر ایک حقیقت الحقائق مان لیتا ہے۔ اور یہ حقیقت الحقائق کے اُس آفتاب کو اپنے پہلو میں دیکھتا ہے۔ جس کی شعاعوں کو حقائق عالم سے تعبیر کیا جانا چاہئے! اس کا منہ مٹے نظر ایک نقطہ تاریک و مجہول ہے۔ اور اس کا مطلع نگاہ یکسر نور!!

ہر علم کا موضوع ہوتا ہے۔ شاعری کا موضوع استقصاء حسن عشق ہے۔ حسن موجودات کے ایک ایک ذرہ سے جھانک کر صاف نگہ انگنی کر رہا ہے۔ اور عشق کی خانماں سوزی کے شعلے فضا میں بھڑک رہے ہیں۔ یہ شاعری کے مسلمات ہیں۔ جیسے ہر علم کے بعض مسلمات ہوا کرتے ہیں۔ شاعری فضا میں پھیلی ہوئی ہے۔ ہوا کے جھونکے اُس کے تعطر سے لبریز ہیں۔ بادلوں سے برستی اور سبزہ کے ساتھ روئیدہ ہوتی ہے۔ وہ حسن سے اٹھکھیلیاں کرتی اور محبت بھرے دلوں سے کھیلتی ہے۔ ساری دُنیا اُس کا نشیمن ہے۔ اور شعراء کی قوت فکر اُس کا مرکب ! "موسیقی" اور "ادب" اُس کے ملبوس ہیں۔ اور وہ اکثر انہیں نقابوں میں جلوہ نما ہو جایا کرتی ہے ! وہ جس کو چاہے ہو مر بنا دے۔ اور جس کو چاہے شیکسپیر امراء القیس ہو یا ابونواس، کالی داس ہو یا حافظ شیراز، جس پر اُس کا پر تو نور پڑ گیا۔ سحر بیانی کا خداوند ہو گیا۔ وہ تقسیم اقوام والسنہ اور جغرافیہ سے بے پروا ہے۔ ہندوستان میں بھی عرفی و نظیری کے بعد اُس نے میر تقی میر سے گزر کر مرزا اسد اللہ خاں غالب کو اپنے ظہور کے لئے چنا۔ اور اردو کو نوازا۔ پھر غالب نے بھی اس کی ایسی صحیح اور پُر جوش ترجمانی کی، کہ تمام دُنیا میں کم از کم اپنی صدی کی دوسری آوازوں کو افسردہ کر دیا۔ گو ساری دُنیا کو موقع نہ ملا ہو۔ کہ غالب کی آواز سنے، یہ دُنیا کا قصور ہے۔ غالب کا نہیں، اُس کے خیالات تو کرۂ ارض کے تمام دفاتر

ادب کے لئے سرمایہ نازش ہو سکتے ہیں۔

مرزا اسد اللہ خاں غالب، وہی غالب جس نے اب سے تقریباً ایک صدی پیشتر اردو شاعری میں اپنی ندرتِ تخیل و مضامین اپنی جدتِ اسلوب و ادا، اپنی نزہتِ تشبیہات و استعارات، اور شوکتِ تراکیب و الفاظ سے، ایک ایسا باب کھول دیا جس میں گویا ایک نئی دُنیا نظر آنے لگی۔ یہ ارتقاء شعر کی ایسی کڑی تھی جو اس وقت تک آخری سمجھی جا رہی ہے۔

ایسے کلام کی اشاعت کا قدرتی نتیجہ اس طرح ظاہر ہوا کہ اہل نقد نے تنقیدی نگاہیں ڈالیں۔ سطحِ آشنائیکہیں مطالب کی گہرائیوں تک کام نہ کر سکیں۔ انہوں نے جدت کو 'مجہول' مضمون آفرینی کو 'کوہِ کندن' و 'کاہِ برآوردن' تراکیبِ بلیغ کو 'گورکھ و حندا' شوکتِ الفاظ کو 'غلاق' کہہ کر پکارا، لیکن امتدادِ مجلئی اذہان ہے۔ چنانچہ ایک مدت کے بعد ایک بڑا طبقہ ایسا پیدا ہو گیا۔ جس نے تعمقِ فکر سے کام لیا۔ اور دُنیا عے اُردو اس کلام کی تحسین و داد کے آوازوں سے معمور ہو گئی۔ اور آج اس تحسین میں کافی بلند آہنگی پیدا ہو چکی ہے۔ اور خیال ہے کہ اُردو کا ذوقِ شعر جس قدر بلند ہوتا جائے گا۔ غالب کی شاعری کے محاسن زیادہ نمایاں اور محسوس ہوتے جائیں گے۔ اس وقت بھی عام طور پر اس کو غیر معمولی

شاعر سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اس خصوصیت کا عام سبب محض اعترافِ کمال ہی نہیں ہے، بلکہ اس میں بیشتر حصہ صرف اس اعتراف کا ہے۔ کہ وہ بہت مشکل نگار تھا۔ اور چونکہ خصوصیت کا یہ اعتراف اعترافِ کمال کے ساتھ خلط سا ہو گیا ہے۔ اس لئے یہ کہنا پڑتا ہے کہ اُس کی فوقیت محض کو عام طور پر تسلیم کئے جانے کے لئے ابھی کچھ اور وقت درکار ہے۔

اسی مشکل نگاری کے یقین کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ لوگوں نے اُس کے کلام کی شرحیں تالیف کیں، اور اکثر یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ اس کے ہر شعر پر خواہ وہ اشکالِ لفظی اور عقود معنوی سے پاک ہی کیوں نہ ہو، تاویلی نظریں ڈالی جاتی ہیں۔ اور طرح طرح کی معنی آفرینیاں کی جاتی ہیں۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو غالب کے سارے مرذہ دیوان میں مشکل سے پندرہ بیس ہی شعر ایسے ملیں گے۔ جن کو مشکل کہا جاسکتا ہے۔ اور اُس کے دیوان کے پیشتر حصہ کو طلسم اشکال قرار دے دینا بڑا ہی ظلم ہے۔

غالب کے کلام کو مشکل قرار دینے جانے کا ذمہ دار غالب کا کلام نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اُس میں مشکل کو دخل ہی نہیں ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ غالب کے دور کی عام اردو اُس عتلائے خیال اس رفعت فکر اُس وسعت مطالب اس کمالِ مبالغہ تشبیہات اُس بلاغتِ استعارات اور اُس خاص اسلوبِ ادا و شیوا بیانی

سے نابلد تھی۔ جن کو پہلے پہل غالب نے بکمال قدرت شاعرانہ اُردو میں روشناس کرایا۔ اور اس اجنبیت سے اگر ”مشکل نگاری“ کی غلط فہمی ابتدا ہی میں پیدا نہ ہوئی ہوتی تو اب سے بہت پہلے وہ اعتراف صحیح پیدا ہو چکا تھا۔ جس کا ابھی اور چند سال انتظار کرنا چاہئے، اور یہ وہی اعتراف عام ہوگا۔ جو غالب کو بلا استثناء تمام شعراء اُردو سے فائق تسلیم کرادے گا!

بعض لوگ کہتے ہیں کہ غالب کو اُردو زبان پر قدرت نہ تھی، حالانکہ اُردوئے معلّٰی اُس کا مجموعہ مکاتیب اور خود دیوان کا سہل ممتنع غزلوں کا ذخیرہ قدرت زبان کا ایک ایسا ثبوت ہے۔ جسکے دیکھنے کے بعد اس قسم کا کوئی شبہ بھی رکھنا محض ضد و جہالت ہوگا۔ وہ زبان جو غالب نہایت فصیحانہ قوت سے اپنے خطوط اور بعض غزلوں میں استعمال کر گیا ہے۔ نہ تو مولوی محمد حسین آزاد کو نصیب ہوئی، نہ مولوی حالی کو اور نہ سرسید مرحوم کو۔ جن کو آج کل کے لوگ ائمہ زبان کی طرح مانتے ہیں۔

کوئی شاعر شاعرانہ مضامین کو اُس وقت تک ادا کرنے کا اہل نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ وہ محیط اعظم عشق میں ڈوب کر شعر نہ کہے۔ جس طرح ایک ممثل کسی تمثیل کو اچھی طرح ادا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ تاوقتیکہ وہ اُن احوال تمثیل کو اپنے اد پر طاری نہ کرے اس

کے یہ معنی نہیں کہ ہر شاعر کو قیس عامری بھی ہونا چاہئے۔ بلکہ اُس کے حواس و درکات میں ایسی فطری جودت ہونی ضروری ہے کہ وہ مقاماتِ عشق سے اگر خود نہ بھی نہ گزر رہا ہو۔ تاہم وہ اپنی غیر معمولی انفعالیّت سے انہیں مقامات کے تاثرات سے متکلیف و لذت اندوز ہو سکتا ہو۔ جس طرح پر تو حسن سے کائنات کا ایک ایک ذرہ معمور ہے۔ اُسی طرح تاثراتِ عشق سے ایک ایک جزء لایتنجز لبریز ہے۔ اختلافِ طبائع و تعددِ اشیاء کی وجہ سے اگرچہ عشق کے عام احوال و آثار متعین نہیں ہیں۔ مگر انسانی امیال کی چند جزئیات کا خارجی احساس ضرور معلوم و متعین سا ہے اس لئے کم از کم اُن محسوسات تک شاعر کی رسائی اس کے شاعری کے فروغ کے لئے نہایت لازمی امر ہے۔ اور یہی وہ خصوصیت ہے۔ جس کی موجودگی ہمیں مجبور کرتی ہے۔ کہ ایسے شاعر کو فطری شاعر کا لقب دیں۔

بعض لوگ شعر کی خوبی کا تعین ارسطو اور ابنِ رشیق کے اقوال سے کرتے ہیں اور بعض ملٹن اور کارلائل کے جملے دہراتے ہیں۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے۔ کہ شعر کی خوبی نہ کسی مجہول الکلیف محاکات میں مضمر ہے نہ غیر مفہوم سادگی میں ہے۔ اور نہ نامعلوم جوش میں پنہاں ہے۔ بلکہ وہ ہر اور لب لباب ہے۔ اُن تمام لطائف کا جن کو ابتداء سے لے کر آج تک کی نسلِ انسانی کے

ارتقاء مادی و روحانی نے معلوم و حاصل کیا ہے۔
 اسی لئے ایک کامل شاعر جن جن مطالب کو ادا کرتا ہے۔ وہ
 یکسر لطافت ہوتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے سامع کے لئے مؤثر
 ثابت ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ شاعر بھی ہمہ گیر حسن و عشق سے متکیف
 ہو کر ہمہ دان اور ہمہ بیان ہو جاتا ہے۔ اور وہ محاکاتِ لغتی، ادب،
 فلسفہ، مصوری وغیرہ تمام خزائنِ لطافت کا مالک ہو جاتا ہے۔
 پھر اہل نظر انہیں لطائف میں شاعر کا کمال دیکھتے اور انہیں مطالب
 کی قوتِ اظہار میں اس کا معیارِ فضل ڈھونڈتے ہیں۔

غرض کہ دنیا میں اس وقت تک جغرافیائی نسبتوں سے جس قدر
 ذخائرِ شعر موجود ہیں۔ اُن اشعار میں انسانی ذہنیاتِ مرتقیہ کا نمایاں
 یا غیر نمایاں جو ہر ضرور پایا جاتا ہے۔ اور ہر زبان و ملک کی شاعری
 میں مختلف علومِ عالیہ اور فنونِ لطیفہ کے عنصرِ خود و طریقہ پر ترکیب
 پائے ہوئے ملتے ہیں۔ و جدا نیات و جذبات کی شاعری سارے
 جہان میں اپنا ایک ہی جزو مشترک رکھتی ہے۔ یعنی ”عشق اور تحسین“
 لیکن اُن کے مراتب و مدارج میں فرق و اختلاف سا معلوم ہوتا ہے
 تاہم یہ فرق و اختلاف اس قدر اہم نہیں ہے۔ کہ اُس کی بنا پر ہم
 خاص خاص حدود قائم کر کے کوئی معیار بنائیں۔ جس سے اندازہ ہو
 سکے۔ کہ کس ملک کے کس شاعر کو امتیاز و تفوق حاصل ہے۔ لیکن

شاعری میں وہ خیالات و محسوسات جو علوم و فنون کی وساطت سے
خارجی طور پر شریک ہو گئے ہیں۔ صرف وہی ایسے اجزاء ہیں، جن کے
ذریعہ سے ہم کسی ملک یا کسی شاعر کی شاعری میں حدود امتیاز بن
لیتے ہیں۔ کیونکہ وجدانیات ترتیب و تنظیم سے ارفع و اعلیٰ حقائق
ہیں۔ درآں حالیکہ علوم و فنون کی بنیاد ہی ترتیب و تنظیم پر ہے۔ یہی
وجہ ہے کہ جب ہم کسی اُردو کے شاعر کی شاعرانہ کاوشوں کو سمجھنا
چاہتے ہیں۔ تو ضروری ہو جاتا ہے۔ کہ اُس کے تمام ماحول اور ماحول کے
تمام ماحول کو پیش نظر کر لیں۔

چنانچہ ہندوستان اور ہندوستان کے اُردو زبان کے شاعر
کو سمجھنے کے لئے ناگزیر ہے۔ کہ سارے ایشیا کے اذواق و محسوسات
پر نظر رہے۔

اس اعتبار سے کہ اُردو زبان کا مولد و مسکن ہندوستان ہے۔
اس میں ہندوستان کے تمام لطائف علوم و فنون کا ہونا مسلم ہے۔
اور چونکہ اُردو زبان نے عربی اور فارسی کے حاملوں کی آغوش میں
پرورش و تربیت حاصل کی ہے۔ اس لئے اُس میں عربی و فارسی
کمالات کا عنصر ہونا یقینی امر ہے۔

عربی شاعری سے جو جذبات اُردو شاعری میں زیادہ تر منتقل
ہو سکتے تھے، اُن کا علاقہ علمائے اخلاق کی تقسیم احوال نفس کے اعتباراً
سے انسان کی قوت غضبیہ سے ہے۔ یعنی بہادری و شجاعت انتقام

و آزادی، حرب و ایشارہ وغیرہ مخصوص جذبات ہیں۔ جن کو عربی شاعر
 کا نمایاں عنصرِ ناز سمجھا جاسکتا ہے۔ لیکن عربی سے زیادہ اُردو شاعری
 فارسی شاعری کی زیرِ ہارِ منت ہے۔ جس نے مضامینِ بوقلموں کا ماخذ
 پیش کر دیا۔ اور اس طرح شعرائے اُردو کو طبعی و جغرافیائی مناظرِ فطرت
 عشق و محبت، فلسفہ و تصوف اور اخلاقی مضامین کی ایک گلستانِ زار
 شاہِ راہ میسر آ گئی اور اسی سے انہوں نے گزرنا شروع کیا۔

عرب کی شاعری کے معترفین شاید اس ترجیح کو گوارا نہ فرمائیں۔
 لیکن اس میں شک ہی کیسا ہے کہ عربی کی ساری علمی و فنی ترقیاں ظہورِ
 اسلام کے بعد کی ہیں۔ اور ان ترقیوں کے حاملین بیشتر بلکہ کلیتاً کسا
 جائے تو بیجا نہ ہو گا۔ کہ عجمی تھے۔ جن کے اذہان انہیں کے متہمہ ملک
 کے تربیت یافتہ تھے۔

فطرت کے خالص جذبات و امیال سارے جہان میں یکساں
 ہیں لیکن اذہانِ مرتقیہ میں جو لطائف و دقائق بطور اضافاتِ جذبات
 کے پیدا ہوتے ہیں۔ اُن کا جولان گاہ کوئی نیم مہذب یا کم ترقی کردہ
 ذہن نہیں بن سکتا۔ اور یہ تفوق ایران کو نہ صرف عرب ہی پر
 حاصل ہے۔ بلکہ سارے ایشیاء پر بلا کسی استثناء کے حاصل ہے۔

سنسکرت جس کی قدامت کو اپنی تہذیب و ترقی پر آج بھی بڑا
 ناز ہے۔ فارسی کے مقابل نہیں آ سکتی۔ کیونکہ اُس کا بعد زمانی ہی اس
 بات کی دلیل ہے۔ کہ فارسی کو قرونِ ترقی سے قرب و اتصال میں تفوق

ہے۔ رہا اسالیب بیان قوت و شوکت الفاظ تشبیہات و استعارات وغیرہ کا مسئلہ تو اس کا تعلق تنقید ادبیات کے ضمن میں، علم الاسانہ سے پایا جاتا ہے۔ نفس شاعری اور مضامین شعر سے اس کو کوئی تعلق نہیں۔ غرضیکہ اردو شاعری میں عربی فارسی اور اپنے وطنی مآخذ سے منتقل ہو کر جو مضامین شامل ہوئے۔ وہ عشق و محبت تحسین، فلسفہ و تصوف اخلاق و مناظر نگاری وغیرہ کہے جاسکتے ہیں۔ اور ان مضامین کے ذیل میں اور بہت سے جزئیات ہیں۔ جن کا استقصاء طوالت سے خالی نہیں۔

انہیں مضامین کے اعتبار سے ہم اردو کے ہر شاعر کی شاعری پر نظر ڈال سکتے ہیں۔ اور اس کا معیار شاعری معلوم و متعین کر سکتے ہیں۔

غالب کے یہاں یہ تمام مضامین اپنی تمام جزئیات کے ساتھ موجود ہیں۔ جن کی چند مثالیں پیش کی جائیں گی۔

غالب سے پہلے میر سواد اور خواجہ میر درد اردو شاعری کے تین نامور اساتذہ گذرے ہیں۔ لیکن غالب کا مرتبہ باعتبار جامعیت مضامین کے ان تینوں سے بلند تر ہے۔

میر کے یہاں مضامین اور مضامین کی رفعت محدود ہے۔ ان کی شاعری کی خصوصیت امتیازی سادگی الفاظ اور عام درد آمیز انداز بیان

میں جلوہ گر ہوتی ہے اور بس۔

سودا کے یہاں بجز قہر و سخت طرازی کے کوئی خاص بات نہیں۔ رہے خواجہ میر درد تو ان کے اسلوب ادا میں خفیف سی شوخی رجو میر کے یہاں مفقود ہے، کے ساتھ متصوفانہ خیالات کا اظہار بھی پایا جاتا ہے۔

اب معاصرین غالب پر نظر ڈالو، تو ان میں صرف مومن اور ذوق قابل ذکر ہیں۔ جن میں سے زمین کی خصوصیت شعر محض نگین نوائی ہے۔ اور ذوق کی خصوصیت محض محاورہ نگاری۔ یہ تمام خصوصیتیں جب غالب کے مضامین عالیہ کے سامنے آتی ہیں تو خصوصیتیں نہیں رہتیں!

غالب کے بعد اردو شاعری کے حقیقی رنگ کا عہد عروج و افاع اور آئینہ پر ختم ہو جاتا ہے۔ اور ان دونوں کے امتیازات شعر صرف یہ ہیں کہ امیر کا کلام کوئی عیب نہیں رکھتا، اور داغ صاف گو اور بے محابا نگار ہیں۔ گویا غالب کو اس آخری عہد تک، بمدا رج بلندی حاصل ہے کہ اور وہ میر سے لے کر داغ و امیر تک کی تاریخ شعر میں ایک نمایاں ترین حیثیت پر متمکن ہے۔

دماغ و امیر کا دورا بھی ختم نہ ہوا تھا۔ کہ مغربی خیالات کی رونے
متاثرین تھے۔ یہ کہ مجبور کر دیا۔ کہ تمام قدیم موضوعات کی طرح، شاعری
کے نظریات کی بھی از سر نو ترتیب و تنظیم کی جائے اور اس تحریک
نے نیروستودا، انقلاب و مومن۔ دماغ و امیر کا جھگڑا ہی مٹا دیا۔ اور
مشرقی و مغربی تنازع کا شگوفہ چھوڑ کر مغربیت سے بخودانہ گردیدگی
پیدا کر لی۔ اور اردو شاعری کے تباہی عنوان سے لطف اندوز ہونے
پر مصمم ہو گئے۔

یہاں تک تو ہم کو بھی اعتراف ہے۔ کہ اس عہد انقلاب ذوق
نے ادبیات اردو میں ایک ضروری اور قابل قدر صنف کا نام کا اضافہ
کر دیا۔ لیکن جو لوگ محض اسی ایک صنف سخن کو پورا جہاں شاعری
مانتے ہیں۔ ہم کو ان کے خیال سے مطلق اتفاق نہیں منظومات ملی،
وطنی یا سیاسی وغیرہ میں ہی شاعری کو محدود سمجھ لینا کوتاہ نظری اور
تنگ خیالی ہے۔ انقلاب ذوق کی نصف صدی نے آج تک صرف
دو سنجیدہ قومی شاعر پیدا کئے ہیں۔ حالی اور اقبال اگر شاعری کا مرتبہ
نثر سے بلند تر اور زیادہ موثر ہوتا ہے۔ تو حالی اور اقبال کی شاعری
کے اصلاحی اثرات نہایت نمایاں ہونے چاہئیں۔ لیکن کیا ایک
صاحب نظر بھی ان کے اشعار کے اثرات کو ابوالکلام آزاد کے
افسوں تحریر و تقریر پر ترجیح دے سکتا ہے۔

حالی کے مسدس نے کبھی رُلا یا ضرور ہے۔ اقبال کے اشعار نے

ہنگام سماع لذت کش جو ش ضرور کیا ہے۔ لیکن ابوالکلام کی انشاء نے تو جماعتوں کے متعقدات سیاسی و مذہبی میں، تزلزل پیدا کر کے ایک قلم بدل دیا۔ اور رنگ دیا۔ پھر کہاں ہے وہ خصوصیت جو شعر کو ہر شے سے برتر رکھتی ہے؟ نتیجہ یہی نکلتا ہے۔ کہ ”دریا نہیں کا رہنبر ساقی“۔ یعنی شعر کی اصناف میں ”قومی“ و ”ملنی“ اور سیاسی منظومات کو دخل کرنا تو ناگزیر ہے۔ مگر شاعری کو اسی حد تک برقرار جانا غلط ہے۔

راہنہ رناتھ ٹیگور آج مشرق و مغرب کا مسلمہ شاعر مانا جاتا ہے کیا اُس کی شاعری قومیت اور سیاست کی تبلیغ سے متعلق ہے؟ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر اُس کی شاعری میں سے ایک جذبہ شوق تعبذ حذف کر دیا جائے۔ تو مجذب کی بڑے سوا کوئی دوسری تعریف اُس پر صادق نہیں آ سکتی۔ لیکن وہی ایک جذبہ شوق ہے۔ جس نے باوجود انتشار و بے ربطی کے سامعین کی توجہات کو مسحور کر دیا ہے۔ اور یہ شاعری کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔

غرض کہ شاعری میں معیار قائم کرنے کے لئے معمولی معمولی جزئیات اور ہنگامی ضروریات پر اصرار کرنا بے محل ہے۔ شاعری تو دو جہانیاں اور لطائف علوم و فنون سے تعبیر ہے۔ اور شاعر اپنے اذواق و لطائف

علوم کو، علوم متعارف کی طرح دنیا کے سامنے پیش کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ لطائف علوم و فنون کی صورت میں ہم سطور بالا میں اُن مضامین کا مختصراً حوالہ دے چکے ہیں۔ جو اردو شاعری میں فارسی وغیرہ سے منتقل ہو کر آئے ہیں۔ اور معرض بیان میں آتے رہتے ہیں۔ لہذا اب دیکھنا چاہئے کہ غالب ان مطالب کو کس طرح ادا کرتا ہے۔

مخلوق اپنے خالق کے اور مصنوع اپنے صانع کے وجود و صنعت کی دلیل ہوتی ہے۔ غالب اپنے دیوان کی ابتدا اسی مضمون سے کرتا ہے اور کہتا ہے۔

نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا

کا غز ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

اسی خیال میں مشاہدہ مظاہر سے ایک استعجابی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اور جستجو میں اضطراب پیدا ہو جاتا ہے۔

جب کہ تجھ بن کوئی نہیں موجود پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے
یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے
شکین زلفِ عنبریں کیوں ہے بگو چشم سرمہ سا کیا ہے
سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے

اگرچہ احوال و منازل سلوک قید کلام سے آزاد ہیں۔ تاہم علم تصوف

کے مسائل چونکہ خاص خاص احوال ہی پر قیاس کر کے ترتیب دیئے گئے ہیں۔ اس لئے اُن میں مطابقت احوال کا کافی عنصر موجود ہے متصوفین کا معرکتہ الآراء مسئلہ ”توحید وجودی“ ہے۔ نقاش ذرہ ذرہ میں تناسب ڈھونڈتا ہے۔ شاعر ہر چیز میں حسن دیکھنا چاہتا ہے۔ وحدت الوجود کا اعتقاد اُس کی تشنگی بھجھا دیتا ہے۔ اور مجاز و حقیقت کے دو جدا گانہ حدیں اُس کی راہ میں رکاوٹ پیدا نہیں کر سکتیں۔ اب اُس کی نگاہیں زیادہ کامیاب زیادہ شاداب اور بے حجاب ہو جاتی ہیں۔ اس لئے وہ اس مسئلہ کا معتقد ہو کر خود کو شاعرانہ سکون کی فردوس میں پاتا ہے۔ اور اپنی آرزو کے مطابق ہر اُنق سے ایک ہی شوخی ہر گوشہ سے ایک ہی رعنائی ہر حجاب سے ایک ہی دلکشی کو مسکراتے اور آنکھیں لڑاتے ہوئے دیکھتا ہے۔ اور پکارتا ہے

ہے تجلی تری سامانِ وجود ذرہ بے پر تو خورشید نہیں

نشوونما ہے اصل سے غالبِ فروع کو خاموشی ہی سے نکلے ہے جوبات چاہئے

ہے رنگِ لالہ بگل و نسریں مجدا ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہئے
یعنی بحسبِ گردشِ پیمانہ صفات عارف ہمیشہ مستِ مئے ذات چاہئے

دل سے اٹھا لطف جلوہ ٹائے معافی غیر گل آئینہ ہمار نہیں ہے

مظاہر کائنات کو ماسوا یقین کرنا نگاہوں کی کوتاہی ہے۔

در نہ

ہے مشکل نمود صور پر وجودِ بحر یاں کیا دھرا ہے قطرہ موجِ حجاب میں

کثرت آرائی وحدت پر ستاری ہم کر دیا کافران اصنام خیالی نے مجھے

توحید کا کمال یہ ہے کہ سوائے وحدت کے ہر وجود معدوم ہو جائے۔ کسی موحد کو اگر توحید کے ساتھ ساتھ اپنے وجود کا بھی احساس باقی ہے۔ تو اس کے اعتقاد میں ہنوز خامی ہے :-

ہر چند سبکدست ہوئے بُت شکنی میں ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہیں سنگِ ادا

موجودات کائنات اشکال وہی ہیں۔ ان میں گم ہو جانا حقیقت شناسی سے بعید کر دیتا ہے :-

جز نام نہیں صورت عالم مجھے منظور جز وہم نہیں ہستی اشیاء مرے آگے

حجاباتِ مظاہر خود جلوسے کا پتہ دیتے ہیں :-

محرم نہیں ہے تو ہی نوا ہاے راز کا یاں در نہ جو حجاب ہے پڑ ہے ساز کا

ایک وہ "انانیت" ہوتی ہے جو راہ میں "سنگِ گراں" ہوتی ہے۔
 کیونکہ اُس کی بنیاد احساسِ ماسواء پر ہے۔ دوسری وہ "انانیت" ہے
 جو عینیت پر منحصر ہوتی ہے۔ اس انانیت سے غفلت، گم گشتگی
 ہے۔ اور مَن عرفِ نفسِ فقد عرف مرہ میں معرفتِ نفس
 سے اسی انانیت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ اور اسی انانیت کا
 غلبہ منصور سے انا الحق کہلا دیتا ہے۔ تاہم اتنا ضرور سمجھ لینا چاہئے
 کہ:-

اتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بعد ہے
 جتنا کہ وہمِ غیر سے ہوں پیچ و تاب میں

لیکن توحید میں کمال کمالِ اخلاص سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے
 یہی سمجھنا چاہئے کہ:-

ہر چند ہر ایک شے میں تو ہے پر تجھ سی تو کوئی شے نہیں ہے

معرفتِ نفس سے معرفتِ رب حاصل ہونا تو مسلم تھا ہی غالب
 نے اسی کے ساتھ ایک صحیح جدتِ فکر سے ایک دوسرا پہلو معرفتِ
 رب کا بیان کیا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ فنائے نفس سے
 بھی وہی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اور غفلت بھی مبادی فنا میں
 سے ہے:-

اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو آگئی گر نہیں، غفلت ہی سی

برکے جو عالم خارجی کا وجود داخل نفس میں دیکھتا ہے۔ وہ شاید
اپنے فلسفہ کو اتنا ملخص اور مستدل بیان کرنے پر قابو نہ رکھتا ہوگا
غالب اپنی حقیقت آگاہی کو اتنی قوت سے بیان کر سکتا ہے :-
باوجودیکہ جہاں ہنگامہ پیدائی نہیں
ہیں چراغانِ شبستانِ دل پر دانہ ہم

ایک شعر میں اپنی انانیت کے فنا کو کن الفاظ میں ادا کرتا
ہے :-

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی کچھ ہماری خبر نہیں آتی

جس طرح توحید میں کامل اخلاص کی ضرورت ہے۔ اسی طرح
عبادات میں اخلاص کا زبردست معیار ہے۔ حافظ شیرازی نے
ایک شعر میں اس خیال کو اس طرح ادا کیا ہے :-
حافظ و خلیفہ تو دعا گفتن است و بس
در بند این مباحث کہ نشنید یا شنید
غالب اسی خیال کو اس طرح ادا کرتا ہے :-
کیا زبد کو مانوں کہ نہ ہو گر چہ رہائی پاداشِ عمل کی طمع خام بہت ہے

اور
طاعت میں تار ہے نہ سے دانگیں کی لاگ
دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو

آفتاب کی طرف کون دیکھ سکتا ہے۔ جمال کی شدت آنکھوں
کے لئے حجاب ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جلوۂ حبیب کے دیدار میں
برق نظارہ سوز ہی ناکامی دید کا سبب بن جاتی ہے۔ یہی مضمون
ہے جو اس طرح ادا ہوا:-

ناکامی نگاہ ہے برق نظارہ سوز
تو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی

اور
نظارہ کیا حریف ہو اس برق حسن کا
جوش بہار جلوہ کو جس کے نقاب ہے

حیات انسانی کی ساری مسرتوں کی بنیاد آرزو پر اور آرزوؤں
کا انحصار امید پر ہے۔ اور یا یوسی کا ایک سانس بھی ہلاکت نامرادی
سے کم نہیں:-

نفس نہ انجمن آرزو سے باہر کھینچ
اگر شراب نہیں تظا ساغر کھینچ

اور آدمی کا مصروف کوشش ہی رہنا، اُس کی مصیبتوں کو کم
کرتا ہے۔ خواہ وہ سرگرمی مساعی بے صرفہ ہی کیوں نہ ہو:-
بس ہجومِ ناامیدی خاک میں بل جائے گی
یہ جواک لذت ہماری سعی بے حاصل میں ہے

ہمت اور سعی تحصیل ہی میں دُنیاوی چہل پہل کا راز
مضمحل ہے:-

ہنگامہ زبونی ہمت ہے، انفعال
حاصل نہ کیجے دہر سے عبرت ہی کیوں ہو

اب ذرا ذیل کی غزلوں پر غور کیجئے۔ جن کا ایک ایک مطلع حوالہ
کے طور پر لکھا جاتا ہے:-
ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا نہ ہو مرنا تو جینے کا مذا کیا

عرض نیازِ عشق کے قابل نہیں رہا
جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

ذکر اُس پر یوش کا اور پھر بیاں اپنا
ہو گیا رقیب آخر تھا جو راز داں اپنا

ہے بسکہ ہر ایک اُن کے اشارہ میں نشان اور
کرتے ہیں محبت تو گزرتا ہے گساں اور

دل ہی تو ہے نہ سنگِ خوشت درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

کسی کو دے کے دل کوئی نوا سنچ فغاں کیوں ہو
نہ ہو جب دل ہی سینہ میں تو پھر منہ میں نہ باں کیوں ہو

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آ جائے ہے
میں اُسے دیکھوں بھلا، کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

سادگی پر اُس کی مرجانے کی حسرت دل میں ہے
بس نہیں چلتا کہ پھر خنجر کف قاتل میں ہے

حسنِ مہ گرچہ بہ ہنگامِ کمال اچھا ہے
اس سے میرا مہِ خورشیدِ جمال اچھا ہے

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے

تمہیں کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے

نکتہ چیں ہے غمِ دل اُس کو سنائے نہ بنے
کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

باز بچہ اطفال ہے دُنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

کہوں جو حال تو کہتے ہو مدعا کہتے
تمہیں کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیا کہتے

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

مُدّت ہوئی ہے یار کو مہماں کئے ہوئے
جوشِ قدح سے بزمِ چراغاں کئے ہوئے

زہرِ غم کر چکا تھا میرا کام تجھ سے کس نے کہا کہ ہو بدنام

تھیں حسن کے مضامین تشبیہوں اور تخیلات سے غالب کا کلام
اپنی نظیر آپ ہی ہو سکتا ہے۔ وہ جذبات عشق کو ایسی بلند آہنگی
سے ادا کرتا ہے کہ جس کو شاعری کے لئے سرمایہ نازش سمجھنا
چاہئے۔ اور کہیں کہیں ایسا پختہ کارانہ ذوق نمایاں ہوتا ہے جو
مشکل سے کسی شاعر کے یہاں مل سکتا ہے۔ یعنی :-

عجز و نیاز سے تو نہ آیا وہ راہ پر!
دامن کو اُس کے آج حریفانہ کھینچے

اور

اس لب سے مل ہی جائیگا بوسہ کبھی تو ہاں
شوقِ فضول و جرأتِ رندانہ چاہئے

بے شباتی عیش کے مضامین شعرا نے اکثر لکھے ہیں۔ مگر دنیا
کی شاعری میں اس قطعہ کا بھی کوئی جواب ہے :-

اسے تازہ واردانِ بساطِ ہوا سے دل
زہرا اگر تمہیں ہو سِ ناؤ نوش ہے
دیکھو مجھے جو دیدہ عبرت نگاہ ہو
میری سُنو جو گوشتِ حقیقتِ نوش ہے
ساقی بجلوہ دشمنِ ایمان و آگہی
مطرب بہ نغمہ زہراں تکیں و ہوش ہے

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہ بساط
 دامنِ باغبان و کف گل فروش ہے
 لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صدائے چنگ
 یہ جنتِ نگاہ وہ فردوسِ گوش ہے
 یا صبح دم جو دیکھتے آ کر تو بزم میں
 نے وہ سرور و شور نہ جوش و خروش ہے
 داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
 اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خاموش ہے

میں نے سطور بالا میں استقصائے اشعار میں بجد اختصار سے
 کام لیا ہے۔ کیونکہ غالب کی شاعری کے جس تفوق کو میں بیان کرنا
 چاہتا ہوں۔ وہ شرح کے ہر صفحہ میں موجود ہے۔ حاصل کلام یہ ہے
 کہ غالب کا کلام سامنے ہے۔ دُنیا کے مشہور شعراء کے کلام کو مقابلہ
 میں لائیے۔ اور دیکھئے، کہ غالب کہاں ہے؟

ہندوستان کی نیچرل یا جدید، یا قومی یا سیاسی شاعری کے
 طوفان سے تعرض نہیں۔ آج کل ہمارے بیشتر افراد اپنے اذواق
 امیال کی بھیک بھی مغرب سے مانگتے ہیں۔ اسی تقلید سے کام لیجئے
 اور عمرِ خیام اور فردوسی جن کی شاعری کا سکہ تمام مغرب میں رونا
 ہے اُن کی شاعری کا غالب کی شاعری سے مقابلہ کیجئے، تو زمینِ آسمان

کا فرق نظر آئے گا۔ فردوسی محض رزم نگار یا زیادہ سے زیادہ واقعات
نگار تھا۔ اور اُس کے کمال کار از صرف اُس کی زبان کی شوکت میں
پنہاں ہے۔ عمر خیام کی شاعری دو خیالات پر منحصر ہے یعنی تحصیل
عیش اور بے ثباتی عالم انہیں دو مضمونوں کو اُس نے طرح طرح سے
بتنوع تشبیہات و استعارات دہرا دہرا کر ذخیرہ شعر جمع کر دیا
ہے۔ لیکن غالب کے یہاں خیالات جذبات مضامین عالیہ وغیرہ کا
ایک بحر پیکر ان ہے جس کی موجیں دنیا و مافیہا کو حلقہ کئے ہوئے
ہیں۔ اور:-

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور

فقیر
سہا



بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱	نقش فریادی ہے کس کی شوخی و تحریر کا	۱	کاغذی ہے پیروں ہر پیکر تصویر کا
۲	کاؤ کا و سخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ	۲	صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا
۳	جذبات ہے اختیار شوق دیکھا چاہئے	۳	سیلئے شمشیر سے یا ہر ہے وہم شمشیر کا
۴	آگنی دام شنیدن جہد رہا ہے بچھا ہے	۴	بدعا عنقا ہے اپنے عالم فقر پر کا

۵
بکہ ہوں غالب سیری میں آتش زہریلا
موسے آتش دید ہے حلقہ مری زہر کا

(۱) "نقش" تحریر، تصویر "فریادی" پیکار سے والا، گلہ کرنے والا، زبان حال، دلیل، ثبوت، منظر، شوخی، تحریر، رنگینی، تحریر، عنوت، تحریر، کمال مصوری، "کاغذی پیروں" بمناسبت فریادی، فریادیوں کا لباس لباس عجز، پابلوس فنا، مودے بود، ہستی بے ثبات، ظہور فانی "پیکر تصویر" تصویر کی ہیئت کذا، نقش و تحریر کی وہ خاص کشمکشیں اور رسمیں جن سے صورت تصویر متشکل ہوتی، قالب، خاکہ، قیود، ابغاد نقش، تحریر اور تصویر یا عموم کاغذ پر بنائے جاتے ہیں، نقش و نگار سے کاغذ کی سادگی میں شوخی و رنگینی پیدا ہو جاتی ہے۔ رنگینی و شوخی، مصور و محرر کی ذہنی رنگینی و شوخی کی خارجی پر تو ہوتی ہیں

گویا تصویر ہر زبان حال تحریر اور بگویائی ظہور کمال، مصور کا ذکر کرتی ہے یعنی نقش بلباس کاغذی کس کی بیداد تحریر کا فریادی ہے؟ یا تصویر اپنی سادگی (کاغذی پیرہن) میں کس کی رنگینی ظاہر کرتی ہے؟ یا تصویر اپنی سادگی، بے ثباتی، اور کاغذی ہستی پر کس سے داد طلب ہے؟ یا آدمی (نقش)، باوجود حیات مستعار (کاغذی پیرہن) کس کی صحت و اعجازِ خلائی (شوخی تحریر) کا ثبوت (فریادی) ہے؟ یا آدمی، اپنے مصائب گرد و پیش (کاغذی پیرہن) پر کس کا تب تقدیر (شوخی تحریر) سے شاکی (فریادی) ہے؟ یا آدمی باوجود اپنی نمودیہ بود (کاغذی پیرہن) کے کس کرشمہ ایجاد (شوخی تحریر) پر دلالت کرتا اور ثبوت لاتا (فریادی) ہے؟ یا یہ جسم فنا پوستانہ، یہ پیولائے ضعیف البیان یہ قالبِ خاکی یہ کالیدِ عنصری (تصویر بہ پیرہن کاغذی) کس کے دستِ رنگین کی صنعت طرازی (شوخی تحریر کا) مناسق و مصنوع ہے۔ یا یہ مظهرِ نقش، بایں ظہورِ فانیہ انسانیہ (کاغذی پیرہن) کس کے جمالِ حیات (شوخی تحریر) سے دست و گریباں (فریادی) ہے؟ اس قصص (پیرہن کاغذی) میں جو عندلیبِ نالائ (نقش) ہے وہ کس گل (شوخی تحریر) کے شکوہ و شکایات (فریاد) کرتی ہے؟ شعر میں جو استقامت ہے وہ اشارہ ہے، جو اب صریح کی جانب، اور اس قسم کے تمام سوالات جن کا جواب ایک ہی بدیہی اور بلذومی ہوتا ہے، حسنِ کلام میں داخل ہیں۔ اور اگر غور کیا جائے تو استاد کا یہ شعر

مولانا رومیؒ کی "بشنواز نے" والی، پوری حکایت کا مرادف ہے اور قطع نظر اس حکیمانہ و متصوفانہ مفاہمت کے اپنے شاعرانہ انداز میں تمام حکایت "نے" کی جامعیت رکھتا ہے جن لوگوں نے قصہ کی وحشت یا کم غوری سے کام لیا ہے وہ اس شعر کو بھل قرار دیتے ہیں۔

(۱۲) "کاڈ کاڈ" کاوش و تلاش، تکرار لفظی سے تلاش و کوشش کا مفہوم پیدا کیا ہے۔ "جوسے شیر" دودھ کی تہر، تلچ قہقہہ فرماؤ۔ فرماؤ، گوہ کنی سے معروف اور گوہ کن سے ملقب ہے اور تلچ سے "کاڈ کاڈ" "سخت جانی" شب تار یکب تنہائی پہاڑ کے کاٹنے "جوسے شیر" (جس میں) سپیدہ سحر یا خط ایض سحر سے تشبیہ ہے) وغیرہ میں شاعرانہ رعایتیں پیدا کر دی ہیں۔ یعنی ہم اپنی کیا کاوشیں بیان کریں کہ شب بھر و تنہائی کی صبح، اس مشکل سے ہوتی ہے گویا صبح کرنا شام کالانا ہے جوسے شیر کا!

(۱۳) شوق شہادت کی یہ کشش اور تسخیر بھی قابل دید ہے کہ تلو خود بڑھ بڑھ کر ہمارے بھانپ آتی ہے۔

(۱۴) "آگنی" عقل، "جسجیو" "دام" جہاں، غنقا کی رعایت سے استعمال ہوا ہے "شنیدن" "سننا" "دام شنیدن" پھسانا، غور کر کے سننا، سمجھنے کی بے حد کوشش کرنا۔ "غنقا" پرند ہے جس کا وجود اذان میں فرض کر لیا گیا ہے۔ اور خارج میں کوئی وجود نہیں، معدوم "عالم" دنیا، حالت غنقا

کی رعایت سے، زیادہ استعمال ہوا ہے۔ "تقریر" گفتگو کا "دعا" مطلب۔ یعنی ہماری گفتگو میں مطلب ہی نہیں، کوئی کتنی ہی سمجھنے کی کوشش کرے، سمجھ نہیں سکتا، یا ہم جس عالم حال کی باتیں کرتے ہیں ان کو اہل ظاہر و قال، اپنی ان عقلوں سے سمجھ ہی نہیں سکتے!

(۵) "اسیری" گرفتاری، پابہ زنجیر ہونا۔ "آتش زیر پا" بیقرار یا بے چینی سے قدم نہ تھمنا۔ "موسے آتش دیدہ" آگ پر تپا ہوا بال ایک مبالغہ ہے۔ یعنی کمزور بھی۔ "حلقہ زنجیر" زنجیر کی کڑی کڑی اور موسے آتش دیدہ میں تشبیہ ہے۔ "آتش زیر پا" اور آتش دیدہ رعایات لفظی ہیں۔ مطلب یہ ہے باوجود اسیر و پابہ زنجیر ہونے کے، میری بتیابی یا وحشت خرا می کا یہ زور ہے کہ زنجیر کی کڑیاں ایسی کمزور ہو کر ٹوٹ جاتی ہیں، جس طرح موسے آتش دیدہ!

۱	عمر اکبر یہ تنگی چشم سود تھا	۱	جز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار
۲	ظاہر ہوا، کہ داغ کا سرمایہ دور تھا	۲	آتش تنگی نے نقش سویدا کیا درست
۳	جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سود تھا	۳	تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ
۴	لیکن یہی، کہ رفت گیا، اور پردہ تھا	۴	ایسا ہوں کتبہ غم دل میں سبق ہوتو
۵	میں، ورنہ ہر لباس میں تنگ وجود تھا	۵	تھا نیا کفن نے داغ عیوب بر سنگی
تیشہ بغیر، سر نہ سکھا کو بچ، اسد		۶	
سرگشتہ خمار رسوم و قیود تھا			
(۱) "بروئے کار نہ آیا" مقابل نہ ہوا۔ یا عشق نہ کیا۔ "چشم سود"			

حاسدوں کی نظر، جو کسی کو دیکھ ہی نہ سکے۔ بادی النظر میں شعر کے
معنی صاف ہیں کہ سوائے قیس کے کوئی مرد میدانِ عشق نہ ہو سکا،
شاید صحرا (صحرائے عشق) نگاہِ حود کی طرح تنگ تھا، لیکن
یہ معنی واقعیت کے اعتبار سے صحیح نہیں ہیں، بلکہ مصرعہ اول میں
استفہام انکاری ہے، اور صحرا سے مراد وادیِ نجد ہے
مطلب یہ ہے کہ کیا سوائے قیس کے کسی کو عشق ہی نہیں ہوا؟
(غلط ہے) (ہاں) وادیِ نجد چشمِ حود کی طرح تنگ سی
(کہ وہاں کوئی دوسرا عاشق نہ ہوا)

(۱۲) "آتشِ شعلہ پریشانی، اُلجھن۔ نقشِ سویرا" نقطۂ قلب کے نقوش۔
یہ تو ظاہر ہے، کہ نالہ و آہ، پریشانی کے آثار ہیں سے ہیں۔
شعراء آہ کے ساتھ دود آہ لکھا کرتے ہیں مطلب یہ ہے کہ
پریشانی کی آہوں سے نقطۂ قلب (سویرا) کا نشان گہرا ہو گیا
اور یہ ظاہر ہو گیا کہ داغ کی ہستی دود پر قائم ہے!

(۱۳) (بظاہر تو شعر صاف ہے۔ لیکن "خواب" سے مراد خوابِ ہستی
ہے، اور خیالِ معنی وہم۔ "جب آنکھ کھل گئی" یعنی جب یہ خوابِ
زندگی ختم ہوا، یا جب "فنائی الذات" ہوئے۔ "سود و زیاں"
معاملہ کے تلامذات میں سے ہیں۔ "نہ زیاں تھا نہ سود تھا" یعنی
جیسے تھے ویسے ہی رہے۔ شاعر نے معاملہ کے تلامذات میں
"من و تو" کا مفہوم ادا کیا ہے، معنی یہ ہیں، کہ "من و تو" کا انحصار
خوابِ ہستی کے احوال پر تھا، جب فنائی الذات ہوئے، تو جیسے
تھے ویسے ہی رہے (الآن کہا کان)!

(۴) مکتب "سبق" ٹفت و بود" (گویا ابتدائی درس) سب سے عیایات
نقطی ہیں، مطلب ہے کہ میں ابھی تک دل ہی کا ماتم کر رہا ہوں
کہ کبھی میرے پاس بھی دل تھا، اور (ہائے) کہیں جا تا رہا
(گویا بدارج عشق کی ابتدا ہے)

(۵) کفن نے، انسانیت کے دامن پر جو غیب میرے وجود سے
تھے آن پر پردہ ڈال دیا، ورنہ میں اپنی ہستی کے تمام پیکروں میں
"ہستی مطلق" کے لئے باعثِ تنگ و عار تھا۔ یا ظہور ذات کی جو
عریانی تنزلات با اختیار میرے تھی، میری موت نے اس تنگ
نمود کو مٹا دیا کہوتک میں بجائے خود ہر عالم و حیثیت میں "وجود مطلق"
کے لئے عار و ناموزوں تھا!

۱۴) "تیشہ" نیتہ کوہن، فرماؤ "سرگشتہ خمار" سرشار ہستی نشا
سکرے فاتر العقل۔ رسوم و قیود خیر فطری پابندیاں اور فرائض
آدمیوں کے اختراع و اختیار کئے ہوئے وہ دستور جن کو
اگر ترک کر دیا جائے تو کوئی نقصان نہ ہوا اور جن کی بجا آوری
بے سود و بے نتیجہ ہو مطلب ہے کہ فرماؤ کی عقل میں سکر و رسوم
و قیود کا فتور تھا، کہ اپنی ہلاکت کے لئے، تیشہ کا التزام کیا،
حالانکہ عشاق کی ہلاکت کے لئے کسی آلہ جارحہ کی ضرورت
نہیں، بلکہ ایک آہ حسرت و یاس، ایک نالہ جگر گداز اور ایک
غمزہ چشم کافی ہے!

کہتے ہونہ دیں گے ہم دل اگر پڑا پایا	۱	دل کہاں کہ کم کیجے، ہم نے مدعا پایا
عشق سے طبیعت نے زیست کا مزایا پایا	۲	درد کی دوا پائی، درد سے دوا پایا

دوستدار دشمن ہے، اعتمادِ دل معلوم	۳	آہ بے اثر دیکھی، نالہ نارسا پایا
سادگی و سیرکاری، بخود ہی و ہمشیری	۴	حسن کو تغافل میں، جرات آزمایا
عُتجہ پھر نگا کھلنے، آج ہم نے اپنا دل	۵	خوں کیا ہوا دیکھا، گم کیا ہوا پایا
حال دل نہیں معلوم، لیکن اس قدر یعنی	۶	ہم نے بار بار ڈھونڈا، تم نے بار بار پایا

شور ہند ناصح نے زخم پر شک چھڑکا
آپ سے کوئی پوچھے، تم نے کیا مزیایا

(۱) یعنی تم جو خود بخود کہہ رہے ہو کہ ”دل اگر پڑا پایا تو ہم نہ دیں گے“ اس تمہارے کہنے سے، ہم سمجھ گئے کہ یا تو دل تمہارے پاس موجود ہے اور یا دل لے لینے کی خواہش ہے، جس کو اس طرح ظاہر کیا جا رہا ہے۔

(۲) صوفیاء اور شعراء بعض اوقات زندگی کو سلسلہ درد سمجھتے ہیں اور یہ ہی مسلم ہے کہ عشق سے زندگی خوشگوار ہو جاتی ہے۔ حالانکہ عشق بھی ایک قسم کا درد اور المیہ لا علاج ہے۔ شعر میں اس مفہوم کو اس طرح ادا کیا ہے، کہ عشق سے طبیعت کو زندگی میں لطف حاصل ہونے لگا، گویا، یہ ”درد ہے دوا“ (عشق) دردِ زندگی کے لئے دوا ہو گیا ہے۔

(۳) مطلب ہے کہ دل پر بھروسہ فضول ہے۔ آہ بے اثر ہے اور نالہ نارسا، اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ (دل) بکھتِ رقیب کا دوست ہو گیا ہے۔

(۴) مطلب یہ ہے کہ وہ تغافل کر کے ہمارے صبر و ضبط کو آزمانا چاہتے ہیں، اور اس طرح اُن کی چالاکی کس قدر بھولے پر ہوتی ہے

کیونکہ ہم باوجود بخودی آتنا تو سمجھ ہی رہے ہیں کہ اس تغافل سے ہماری آزمائش منظور ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہ تغافل اس لئے کر رہے ہیں کہ ہماری جرأت عشق کو آزمائیں، اور ہم بخودی میں بھی اتنی عقل رکھتے ہیں کہ اس پر کاری کو جسے وہ نہایت سادگی کے ساتھ پیش کر رہے ہیں سمجھ لیں دچنانچہ اب جرأت عشق دکھائے ہی دیتے ہیں اور بڑھ کر ان کا دامن تمام لیں گے اور پوچھیں گے کہ آخر عشاق سے یہ سب پر وانی کیوں فرمائی جا رہی ہے)

(۵) ”خنچہ کھلنا“ گویا شکوفہ کھلنا یا شکوفہ چھوڑنا، نرالی بات کرنا، یا فتنہ پیدا کرنا، محاورہ ہے۔ بقول شاعر کبھی بن سنور کے جوائے تو بہار حسن دکھا گئے + وہ نیا شکوفہ کھلا گئے مرے دل پہ داغ لگا گئے۔ ”تو کیا ہوا“ مبتلائے عشق اور کشتہ حسن ہونا مراد ہے مطلب ہے کہ آج پھر وہی فتنہ بیدار ہوا اور ہمارا دل جاتا رہا۔

(۶) یعنی دل کا اور کچھ حال (تو) معلوم نہیں، مگر راتنا جانتا ہوں کہ میں نے جب ڈھونڈا تو تمہارے پاس نکلا۔

۱	دل مرا سوز نہاں سے بے محابا جل گیا	۱	آتش خاموش کے مانند گویا، جل گیا
۲	دل میں ذوقِ وصل و یادِ یاز تک باقی نہیں	۲	آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جوتھا، جل گیا
۳	میں عدم سے بھی پیسے ہوں ورنہ غافل بار	۳	میری آہ آتشیں سے بالِ عنقا، جل گیا
۴	عرض کیجے جو ہر اندیشہ کی گرمی کہاں	۴	کچھ خیال آیا تھا وحشت کا، کہ مہر، جل گیا
۵	دل نہیں، تنجھو دکھانا ورنہ داغوں کی بہا	۵	اس چراغان کا کروں کیا، کار فرما، جل گیا

میں ہوں اور افسرگی کی آرزو غالب کہ دل
دیکھ کر طرزِ تپاک اہلِ دُنیسا جل گیا

۶

۱) ”سوزِ نہاں“ کی رعایت سے ”آتشِ خاموش“ لائے ہیں۔ اور
”سوزِ نہاں“ کو ”آتشِ خاموش“ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ”بے محایا“
کھلم کھلا۔ بلا پس و پیش۔ ”نہاں“ ”بے محایا“ ”خاموش“ اور ”گویا“ تمام
الفاظ میں رعایتیں ہیں۔ مطلب صاف ہے۔

۲) ”آگ“ سے ”آتشِ عشق“ مراد ہے، اور اس گھر کا اشارہ دل
کی طرف ہے۔ اس شعر میں عشق کے اُس مقام کی طرف اشارہ
ہے جب اُمید و یاس وصل و ہجر، یادِ محبوب، غرض کہ کسی جذبہ کا
احساس باقی نہیں رہتا، اور یہ وہ مقام حیرت و عالمِ فراموشی ہے
کہ اسی کے بعد انا العجوب یا انا الحق کی کیفیت طاری
ہوتی ہے۔ شعر کا مطلب صرف یہ ہے کہ اب نہ تو ذوق وصل
باقی ہے نہ یادِ دورت۔ اس گھر میں عشق کی آگ ایسی لگی، کہ
سب کچھ جل گیا۔

۳) ”عقلاً“ ایک معدوم پرند کا مفروضہ نام ہے۔ یہاں ”عدم“
سے متصوفانہ عقیدے کے موافق، ”مقام فنا“ مراد ہے جہاں
سائلک کی ذاتیت اور نفسیت باقی نہیں رہتی اور خودی و انا ناپید
مثلاً ”بقا باللہ“ کے حدود میں داخل ہوتا ہے چنانچہ شاعر
اس شعر میں اس خیال کو ادا کرتا ہے کہ میں عدم یعنی فنا سے
گذر چکا ہوں اور بقا کے مراتب پر پہنچ گیا ہوں دوسرا مصرعہ
ایک شاعرانہ دلیل اور ثبوت ہے کہ جب میں مقام فنا میں

تھا تو میری آہ آتشیں سے ہمیشہ بال غنقا جلتا رہا ہے اور آب
 اس سے گزر گیا۔ کیونکہ آب آہ آتشیں بال غنقا کو نہیں جلاتی۔
 شعور اگر نظر غائر ڈالی جائے تو مفہوم زیادہ بلیغ ہو جاتا
 ہے، یعنی صوفیائے کرام اور شعرا کے متصوف ہستی اور
 موجودہ حیات کو مہوم و کالعدم یقین کرتے ہیں، اس لئے
 معدوم کی ہریات معدوم ہونی چاہئے، گویا ان کی آہ کی
 تاثیر بھی معدوم اور شے معدوم پر ہونی چاہئے، آب مطلب
 یہ ہوگا کہ میں آب عدم سے گزر چکا ہوں، یعنی جب میں عدم میں
 تھا تو میری آہ آتشیں سے بال غنقا جلتا تھا اور بال غنقا
 جلتا بالفاظ دیگر یہ کہ آہ آتشیں میں کوئی تاثیر ہی نہ تھی،
 جس کے یہ معنی ہوتے کہ جب میری آہ آتشیں سے بال
 غنقا جلتا تھا تو میں خود ہی معدوم تھا اور آب تو میں اس سے
 پرے ہوں، اور وجود ہستی و بقا اور اثر و ثبوت رکھتا ہوں
 یا شر کا مطلب یہ ہے کہ پہلے میری آہ کا اثر یہ تھا کہ اس سے
 بال غنقا جلتا تھا اور آب تو وہ بال غنقا بھی نہیں جلتا، گویا
 پہلے اگر تاثیر اتنی تھی تو آب وہ بھی نہ رہی اور میری پہلے اثری
 بے ثباتی اور نیستی اس حد تک پہنچ گئی کہ عدم سے بھی
 گئی گزری ہو گئی۔

۴۴) ”عرض کیجئے“ پیش کیجئے۔ ”جو ہر اندیشہ“ جو ہر زائد استعمال
 ہوا ہے ”اندیشہ“ خیال و فکر۔ شعریں مبالغہ عادی سے
 کام لیا گیا ہے۔۔۔ یعنی میں اپنی گرمی اندیشہ کو کہاں لجاؤں

جس کے سوز کا یہ عالم ہے کہ وحشت کا خیال آتے ہی
صحر ا جل گیا۔

(۵) دل کے داغوں کی تشبیہ چراغاں سے دیکر "کار فرماٹے
چراغاں" دل سے استعارہ کیا ہے۔ شعر کا انداز ادا خوب
ہے، کہ دل کے جل جانے کا ذکر داغوں کی بہار دکھانے کے
ضمن میں کر دیا ہے۔

(۶) یعنی میں جو ہمیشہ زندہ دل رہتا تھا، اب اہل زمانہ کی سرد
مہربانوں سے تنگ آ کر افسردہ دلی کا آرزو مند ہوں تاکہ کسی سے
ملنے کے قابل ہی نہ رہوں۔

۱	شوق ہر رنگ رقیب سرو سامان نکلا	قیس تصویر کے پردہ میں بھی عریاں نکلا
۲	زخم سے داؤد دی تنگی دل کی یارب	تیر بھی سیٹھ لعل سے پراخشاں نکلا
۳	بوئے گل، نالہ دل، دود چراغ محفل	جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا
۴	دل حسرت زدہ تھا مائدۂ لذت درد	کام یاروں کا بقدر لب و دندان نکلا
۵	تھی نو آموز فنا، ہمتیت و بشوار پسند	نحت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آساں نکلا

دل میں پھر کر یہ نے اک شورا ٹھایا غالب

آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا، سو طوقاں نکلا

(۱) "شوق" عشق۔ "ہر رنگ" ہر طرح اور رنگ کے معنی شوق بھی
ہوتے ہیں۔ یہاں لفظ رنگ، تصویر کی رعایت سے بھی
استعمال ہوا ہے۔ "رقیب" حریف، دشمن مطلب یہ ہے
کہ عشق، ہر حال میں آرائش، تکلفات، اور ساز و سامان کا
دشمن ہے، تصویر اگرچہ نقش و رنگ سے بنتی ہے لیکن قیس

تصویر میں بھی جامہ دریدہ اور عریاں رہتا ہے اور تصویر
کی صنعت اس کے لئے باعث زینت نہیں ہوئی۔ سچ ہے
عشاق پر سوائے عشق کی بیرنگی کے کوئی اور رنگ نہیں
چڑھتا۔

(۲) ”دادندی“ تلافی و بہردی نہ کی۔ ”پرافشاں“ سرسیمہ
پھر پھڑپھڑاتا ہوا۔ یعنی پہلے دل تنگ تھا، خیال یہ ہوتا تھا کہ تیرے
زخم سے کشادگی پیدا ہوگی، لیکن تیر خود دل سے سرسیمہ ہو کر
نکلا، اور زخم سے بھی دل کی تنگی نہ گئی۔

(۳) بندش، اہتمام اور خیال کے اعتبار سے شعر عجیب و غریب
اور مشہور ہے۔ بوسے گل، نالہ دل اور دود چراغ، تسم
شاعرانہ اشیاء جمع کی گئی ہیں، پھر، بو، نالہ، اور دود
پریشان خاصیت چیزیں ہیں اور ان کا علاقہ محفل و بزم سے
ظاہر ہے۔ شعر کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ محبوب سے
خطاب کر کے شاعر کہتا ہے، کہ تیرے ستم کا یہ حال ہے کہ
جو تیری بزم سے نکلتا ہے وہ پریشان ہو کر نکلتا ہے دوسرا
مطلب یہ ہے کہ تیری بزم سے نکلنے کی وجہ سے مبتلا ہے
پریشانی ہوتا ہے۔

(۴) ”مائدہ“ خوان نعمت ”بقدر لب و دندان“ معمولی، سرسری
عارفی۔ لوگ عشاق کی منسی اڑایا کرتے ہیں، ان کی حسرتوں کی
تلافی نہیں کرتے بلکہ مضحکہ وغیرہ سے خود لطف اٹھاتے ہیں
اسی خیال کو اس طرح ادا کیا گیا ہے، کہ میرا دلی حسرت زدہ

یاروں کے لئے درد کی محض لذتوں کا خوان نعمت بن گیا،
کاش وہ خود، حسرت، درد اور محبت پیدا کرتے تو ان کو
حقیقی میری میسر ہوتی، اس طرح تو معمولی، سہ سہری اور فارغی
لطف اٹھا لیا۔

(۵) "نو آموز" بتدی۔ ابتدا اور شروع میں، طالب کو عام طور پر
دقتیں معلوم ہوتی ہیں۔ شاعر کہتا ہے، کہ میری حالت عام
نو آموزوں کی سی نہ تھی کہ میں پہلے پہل، کوئی دشواری محسوس
کرتا، کیونکہ میری ہمت ہی دشواری پسند تھی اور جب میں نے
مقام فنا کو طے کرنا شروع کیا، تو مجھے دشواری یہ پیش آئی کہ
فنا سے گزرنا مجھے آسان معلوم ہوا، اور طبیعت کی مشکل پسندی
اور زیادہ مشکلوں کی جستجو کرنے لگی۔

(۶) یعنی، دل میں رونے کا ایک طوفان سا ہے، اور یہ طوفان
اشک کے ان قطروں نے اٹھا رکھا ہے جن کو ہم نے ضبط
کریں روکا تھا۔

۱	عشق نبرد پیشہ، طلبگار مرد تھا	۱	دنگی میں مر گیا جو نہ باب نبرد تھا
۲	مرنے سے پیشتر بھی مرانگ زرد تھا	۲	تھا زندگی میں مرگ کا کھکا لگا ہوا
۳	جموعہ خیال ابھی فرد فرد تھا	۳	تالیف نسخہ مائے وفا کر رہا تھا میں
۴	اس ریگزیں میں جلوہ گل آئیے گرد تھا	۴	دل تاجگر کہ ساحل دریائے خوبی ہے اب
۵	دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا درد تھا	۵	جاتی ہے کوئی کشمکش اندر و پیش کی
۶	زندانی میں بھی خیال بیاباں نور تھا	۶	احباب چارہ سازی و حشر نہ کر سکے
یہ لاش بے کفن اسد خستہ جاں کی ہے		۷	

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

(۱) یعنی عشق کے لئے بڑی بھڑات چاہئے۔ اگر عشق میں آدمی مردانہ وار نہ ہو تو ہر مشکل و مصیبت کا خوف، عشق کو باطل کر دے۔

(۲) رنگ، آثارِ حیات میں سے ہے۔ زردی بھی رنگ کی ایک قسم ہے۔ جو مردنی سے مشابہ ہوتی ہے۔ اور مردنی کی زردی رنگ نہیں بلکہ بد رنگی ہے۔ خوف بھی رنگ زرد ہو جاتا ہے مطلب ہے کہ مجھ پر زندگی میں بھی موت کے خوف سے مردنی چھاتی رہتی ہے!

(۳) "فرد فرد" ایک ایک۔ علاحدہ علیحدہ۔ مراد ابتدا سے ہے "مجموعہ خیال" سے عشق مقصود ہے مطلب ہے کہ میں ابتدا سے عشق ہی سے وفا پر رست تھا! یا۔ وفا سے عشق مراد ہے، اور مجموعہ خیال سے عام خیالات یعنی ابتدا ہی سے میرے خیالات میں عشق کا میلان تھا! یا۔ "مجموعہ خیال" سے عاشق کا نقطہ خیال بطور نظر یعنی معشوق مراد ہے، اور فرد فرد سے بیگانگی و نا اشنائی، تو شہر کے ستے یہ ہونگے، کہ میں اس وقت بھی وفا شیوہ تھا جب کہ اس کو میرے عشق کی خبر تک نہ تھی!

(۴) یعنی دل سے جگرتیک ایک ساحل دریائے خون ہے کبھی یہ مقام ایسی بہار کا تھا، کہ پھولوں کی آبی و تاب گویا یہاں کی گرد قہقہہ شگفتہ خاطری اور افسردہ دلی کا تذکرہ ہے۔

(۱۵) اندوہ "غم یعنی غم عشق کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا، دل اگر نہ رہے، تو دل کے جانے کا غم ضرور ہوگا، اور یہ یاد غم عشق کو تازہ کرتی رہے گی۔

شمار سبجہ مرغوب بہت مشکل پسند آیا	۱	تماشا شے بیک کف بردن صدر دل پسند آیا
فیض بے دلی تو میدی جاوید آساں ہے	۲	کشائش کو ہم سارا عقدہ مشکل پسند آیا
ہوائے سیر گل، آئینہ بے مہر قاتل	۳	کہ اندازِ بخوں غلطیدن بسمل پسند آیا

۴ جرات تحفہ الماس از معانی غم جگر بدید
مبارکباد اسد غمخوار جان در دمنده آیا

۱۱ "شمار سبجہ" تسبیح پر صفار تسبیح یہاں ہم نے عام محاورہ کے موافق استعمال کر دیا ہے ورنہ تسبیح تو خود شمار سبجہ کو کہتے ہیں) "مرغوب آیا" اچھا معامہ ہوا۔ بیک کف بردن صدر دل ایک ہی ماقصص میں سودل اڑا لینے۔ سبجہ چونکہ عموماً سوداں کی ہوتی ہے، اس لئے صدر دل ہستہ جمال کیا ہے۔ بہت معشوق۔ مشکل پسند سے معشوق کا وصف اس لئے تھا ہر کیا ہے کہ ایک دم سودل اڑا لینے کوئی آسان بات نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بہت مشکل پسند کو سبجہ خوانی اس لئے پسند آتی، کہ اس سے اس کو "صدر دل بیک کف بردن" کا تماشا نظر آیا!

۱۲ "میدنی"۔ افسردگی۔ نا امیدی جاوید۔ ہمیشہ کے لئے مایوس ہو جانا "عقدہ مشکل" دل افسردہ سے استعارہ ہے "کشائش" سے خود فعل کشائش مقصود ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بے دلی کے فیض سے، مایوسی و داس، یکسر رہے۔ کیونکہ خود

کشائش کو میرے عقدہ کا مشکل ہونا، یعنی ناقابل حل ہونا
پسند ہے!

(۱۳) ”ہو اسے سیر گل“ سیر یاغ کی خواہش ”آئینہ بے مہری“
نمودہ ستم گاری یعنی جس فعل میں، جفا کی جھلک ہو ”بہل“
زخمی عشق سے استعارہ ہے۔ ”بخون غلطیدن“ خون میں لوٹنا۔
خون۔ اور رنگ گل میں مشابہت ہے گویا پھول بھی باعتبار
رنگ کے بخون غلطیدہ ہیں۔ مطلب ہے کہ آن کی خواہش
سیر گل، آن کی بے مہری کی دلیل ہے، کہ ان پھولوں کا رنگ
پسند ہے جو خون بہل کی طرح ہوتا ہے۔

(۱۴) ”جراحت“ زخم ”الماس“ شمشیر آب دار تحفہ، ارمغان
ہدیہ، مراد فاعل غاظ ہیں۔ ”غخوار جان درد مند“ محبوب ستم پیشہ کی
آمد پر خود کو طنز آمیز کہا دہی ہے۔

۱	ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندہ معنی نہ ہوا	۱	دہریں نقش و فضا و چہ تسلی نہ ہوا
۲	یہ نہ مرد بھی حریف دم افخی نہ ہوا	۲	سب سے ترا کا کل سرکش نہ دیا
۳	وہ ستمگر مرے مرنے بھی راضی نہ ہوا	۳	میں نے چاہا تھا کہ اندوہ جفا سے چھوٹ
۴	گر نفس جادہ سر منزل تقویٰ نہ ہوا	۴	دل گذر گاہ خیال سے وساغری ہی
۵	گوش منت کش گلیا نگ تسلی نہ ہوا	۵	ہوں تیرے عذر نہ کرنے میں بھی راضی کہ بھی

۶
مر گیا صدمہ یک جنبش لب غالب
نا توانی سے حریف دم عیسیٰ نہ ہوا

(۱) ”لغش“ ”لفظ“ ”معنی“ سب رعایات ہیں۔ مطلب ہے کہ
زمانہ میں وفاداری کی کوئی پرسش نہیں، اور یہ لفظ بے مصرف

ہونے کے سبب بے معنی اور بھل سا ہے۔ یا۔ وفاداری
کبھی منت کش اثر نہ ہوتی!

(۱۲) ”سبزہ خط“ کا کل زلف۔ سرکش و صفا ہے زمرہ واقعی
تشبیہات ہیں۔ دوسرے مصرعہ میں زمرہ، سبزہ خط سے
اور واقعی کا کل سرکش سے استعارہ ہے۔ خاصہ یہ ہے، کہ زمرہ
کے پر تو سے، افعی اندھا ہو جاتا ہے۔ مراد ہے کہ سبزہ خط سے
زلف کا رنگ مانند نہ ہوا۔ یعنی سبزہ آغازی پر بھی اُن کی
معشوقیت کا وہی عالم رہا!

(۱۳) ”اندوہ جفا“ غم ستم مطلب ہے کہ تیں نے تو چاہا تھا کہ وہ
جان ہی لے لیں تو آئے دن کی ستم کشی سے نجات مل جاتے
لیکن وہ اس پر بھی راضی نہ ہوئے، کیونکہ وہاں روز کا شغل ہے
ایک ہی دن میں کیوں قصہ پاک کریں!

(۱۴) ”گزرگاہ“ رہتہ۔ جادہ۔ ”نفس“ سانس۔ مطلب ہے کہ
زندگی ہمہیزگاری کے مشاغل میں مصروف تہ سہی، دل میں
سے وساغر کا خیال ہی سہی، کچھ سہی، ”آگئی گر نہیں غفلت
ہی سہی!“

(۱۵) ”گوش“ کان۔ ”منت کش“ احسان مند۔ ”گلبا تاگ“۔ مُردہ
خوش خبری۔ ”یک جنبش لب“ ہونٹوں کی ایک حرکت۔ ”تا توانی“
کمزوری۔ ”حریف“ مقابل۔ ”دم عیسیٰ“ حضرت عیسیٰ کا یہ مجرہ
مشہور ہے، کہ آپ مُردوں کو جلا دیتے تھے، فقراء ہمیشہ اس
بیج کو اپنے مضامین کا ماتر بنا دیتے ہیں، مطلب ہے کہ مریض

عشق کے ضعف کا یہ عالم تھا کہ جنبشِ لب سے صد منہٴ روح فرما
پتچا، اور کام تمام ہو گیا، دم کرنے کی نوبت بھی نہ آئی
(یعنی کچھ پیٹھ نہ کر پھونکنے کی نوبت بھی نہ آئی)

- ستائش گر ہے زاہد اس قدر جس باغِ رضواں کا
(۱) وہ اک گلِ مستہ بہت، ہم بخودوں کے طاقِ نسیاں کا
بیاں کیا کیجئے بیداؤ کا و شبہاںے مرگاں کا
(۲) کہ ہر اک قطرہٴ خونِ دا نہ ہے تسبیحِ مرجاں کا
نہ آئی سطوتِ قاتل بھی مانعِ میرے نالوں کو
(۳) کیا دانتوں میں جو تینکا ہوا ریشہ نیستاں کا
دکھاؤں گا تماشا، دی اگر فرصتِ زمانہ نے
(۴) مرا ہر داغِ دل اک تخم ہے سروِ چراغاں کا
کیا آئینہٴ حسانہ کا وہ نقشہ تیرے جلوہ سنے
(۵) کرے جو پر تو خورشیدِ عالمِ شہنتاں کا
مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورتِ خرابی کی
(۶) ہیولی برقِ خرمن کا ہے خونِ گرم دہتقاں کا
اگاہے گھر میں ہر سو سبزہ ویرانی تماشا کر
(۷) مدارِ آبِ کھودنے پر گھاس کے ہے میرے درباں کا
غوشی میں نہاں خونِ گشتہ لاکھوں آرزوئیں ہیں
(۸) چراغِ مردہ ہوں میں بے زیاں گورِ غریباں کا
ہنوز اک پرتوِ نقشِ خیالِ بارِ باقی ہے
(۹) دلِ افسردہ گویا حجرہ ہے یوسف کے زنداں کا

(۱۰) بغل میں غنیز کی آج آپا سوتے ہیں کہیں در نہ
 سبب کیا خواب میں آکر تبسم ہاسکتے پتھار کا
 نہیں معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا
 قیامت ہے سرشک آلودہ ہوتا تیزی مرگیاں کا (۱۱)
 نظر میں ہے ہمارے جادہ راہ قفا غالب
 کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجزائے پریشان کا (۱۲)

(۱) "ستائش گر" مدارج - "باغ رضوان" جنت "طاق نسیان"
 اردو میں "طاق پر رکھنا" یا "لاستے طاق" محاورہ ترک
 کر دینے یا بھلا دینے کے معنی میں مستعمل ہیں۔ یہاں "طاق نسیان"
 تاکید اور مبالغہ کے لئے لائے ہیں۔ پھر باغ کا تحقیراً گلہ مست
 بنا دیا ہے۔ "بیخود" دیوانہ عشق۔ مطلب ہے کہ زاہد جنت کی
 اس قدر تعریف کرتا ہے، وہ ہم بیخودوں کے طاق قرہ ہوشی کا
 ایک گلہ رستہ ہے۔ یا ہم جن بہارستانِ حسن و عشق میں ہیں وہاں
 جنت کو کون پوچھتا ہے!

(۲) "کاوشہا" کاوش کی جمع ہے۔ "کاوش" چھیدنا قطرہ خون
 کی دانہ مر جاں سے تشبیہ ہے۔ گویا قطراتِ خون دانہ ہیں
 اور "مرگیاں" رشتہ، جن سے ایک تسبیح تیار ہو گئی ہے۔

(۳) "سلطوت" رُعب "نیستان" وہ زمین جہاں نے پیدا ہوتی ہے
 "وانتوں میں تنکا لینا" اظہارِ عجز و خوشامد۔ "ریشہ نیستان"
 سے مراد اسے ہے۔ مطلب ہے کہ "عشوق کے رُعب کا اثر میرے
 نالوں پر کچھ نہ ہوا، بلکہ میں نے مرعوبیت میں اظہارِ عجز کے لئے

جو تینکا دانتوں میں لیا، وہ میرے نالوں کے لئے گویا نئے کا
کام دینے لگا۔

۴۴) ”سرو چراغاں“ چراغوں کے ایسے طریق نصب و آویزش
کہ کتے ہیں جو روشن کر دینے پر درخت کی شکل میں نظر آئیں
لفظ ”تخم“ سرو کے تلامذہ سے استعمال کیا ہے اور ”تخم و داغ“
میں مشابہت ہوتی ہے۔ ”نالہ“ کو شعراء ”شراباز“ کہا کرتے
ہیں۔ اس لئے ہر شراب ایک چراغ ہے ”داغ“ غم و الم سے
پیدا ہوتا ہے، اور پھر داغ خود نالوں کا سبب ہوا کرتا ہے
قالب انسانی کی شکل بھی سر کی سی ہوتی ہے، مطلب یہ ہے کہ
آئینہ نے اگر حسیکت دی تو اسی دل میں سرو چراغاں کا تماشا
دکھائے گا۔ میرے داغ دل کو داغ نہ سمجھو بلکہ وہ سرو چراغاں کا
ایک تخم ہے۔

۴۵) ”شبنمستان“ جہاں بہت سے قطرات شبنم ٹھہر گئے ہوں۔
مطلب ہے کہ تیرے پر تو جمال نے آئینہ خانہ میں وہ عالم
پیدا کر دیا، جو آفتاب کے عکس سے شبنمستان میں ہوتا ہے
یعنی اس طرح پر تو خورشید سے شبنم کا ایک ایک قطرہ چمک اٹھتا
ہے۔ تاج بندہ شعاعوں سے معمور ہو جاتا ہے، اسی طرح تیرے
پہلو سے آئینہ خانہ جگمگا اٹھتا یا سارے آئینوں کی صفا اور
پیدا اندر پڑ گئی۔

۴۶) ”تیسرے تخت زیب“ فلسفہ کی اصطلاحیں ہیں، جن کے معنی، کون
شمار بنانا، بگڑنا، بگاڑنا، یا فنا و بقاء ہیں۔ ”مغمر“ پوشیدہ

یہاں "ہیولی" بھی فلسفہ کا مصطلح لفظ ہے، معنی، مادہ یا جسمانیات کے ہیں "خرمن" (کھیتی) اور "دہقان" (مزارع) رعایات ہیں اصل میں یہاں "دہقان" حرارت غریزی سے اور "خرمن" حیات جسمانی سے استعارہ ہے۔ حرارت غریزی ایک حرارت ہے، جو اطمینان کی دانست میں باعث بقائے حیات ہے۔ خون کا مزاج بھی گرم بیان کیا جاتا ہے، یا خون کا ایک حصہ صلیح تحلیل ہو کر حرارت بنتا ہے۔ یہی حرارت معاون حرارت غریزی یا خود حرارت غریزی ہے گو یا خون کا فنا (تحلیل) ہونا ایک ایسی حرارت کا باعث ہوتا ہے جس پر بقائے حیات کا انحصار ہے۔ پھر حرارت غریزی جو جسم میں قوت القوی کی حیثیت رکھتی ہے۔ دوسری تمام قوتوں کے تغذیہ وغیرہ کے لئے خون کو تحلیل کرتی اور بدل مایتحلل بناتی ہے، یعنی خود اس کی ہستی کا مدار بھی تحلیل خون پر ہے، پھر وہ خود بھی خون کو تحلیل کرتی رہتی ہے، غرض کہ وہ خود نتیجہ تحلیل اور سبب تحلیل ہے، اس طرح دو تحلیلوں، یا دو گونہ فناؤں کے درمیان ایک عمل یا ایک ہستی ہے، جو مگر حیات جسمانی ہے اور اسے تعمیر میں تخریب، یا تعمیر جسم میں تخریب کی صورت ہے! یہ ایک طبی استدلال ہے جس کو فلسفہ کی اصطلاحوں، اور شاعری کے استعاروں میں، انسان کی ہستی بے ثبات کی تشبیہ کے لئے بیان کیا گیا ہے!!

(کے) دربان کا کام یہ ہوتا ہے کہ غیر لوگوں کو گھر میں آنے سے

روسیں پھر عشاق جو کہیں ہوتے ہیں اُن کے یہاں غیر تو غیر
 اپنے ہی نہیں آتے۔ جو سبزہ خود رہتا اور جگہ جگہ آتا
 ہے اُن کو شعرا و سبزو بیگانہ کہتے ہیں۔ شعر میں دو قسم ہیں
 وہ ایک ہے کہ میرے گھر کوئی غیر و بیگانہ تو آتا نہیں البتہ
 وہ بیگانہ بیگانہ آگیا ہوا ہے۔ اسی کے کہود نے میں دربان مصطفیٰ
 کو گھبراہٹ سے دو سرے یہ کہ میرے گھر کی ویرانی کا یہ عالم ہے
 کہ ہر جگہ گھاس اُگی ہوئی ہے، اور بیکسی کی یہ حالت ہے کہ
 نہ کوئی آتا ہے نہ جاتا ہے۔ پس دربان سوائے اس کے
 کہ گھاس کہود ہے اور کوئی کام ہی نہیں!

(۴) زبان کی تشبیہ چراغ یا شمع کی تو سے دی جاتی ہے، سمجھ
 ہوئے چراغ کو چراغ مَرودہ یا شمع کُشتہ، یا چراغ خاموش
 یا شمع خاموش، کہا جاتا ہے۔ اسی طرح خاموش و بے زبانی کی
 تشبیہ چراغ مَرودہ یا شمع کُشتہ یا شمع خاموش سے دیتے
 ہیں "خون گشتہ آرزو" اُس آرزو یا تمنا کو کہتے ہیں جو پوری
 نہ ہوئی ہو اور دل کی دل ہی میں رہ گئی ہو اسی رعایت سے
 دل کو، یا پیکر عاشق کو گور غریباں سے تعبیر کرتے ہیں مطلب
 ہے کہ میری خاموشی میں لاکھوں آرزوؤں کا خون پوشیدہ
 ہے اور خود مجھ بے زبان کا وجود ایسا ہے جیسے گورستان کا
 بجھا ہوا چراغ۔

(۵) "دل افسردہ" کی تشبیہ حجرہ زنداں سے نہایت اچھی تشبیہ ہے
 قید خانہ کا حجرہ بھی تاریک اور بند رہتا ہے اور افسردگی کا

خاصہ بھی یہی ہے کہ طبیعت متعین نہ ہو، الجہنم ہو شگفتگی نہ ہو،
اور امید کی کوئی جھلک نہ پائی جاسکے، بلکہ مایوسی کی تاریکی ہو،
لیکن اس شعر میں اتنا اضافہ ہے کہ دل افسردہ میں معشوق کا
کچھ تصور رہتا ہے اور معشوق کا سرسری تصور بھی مایوسی کی
ظلمت کے لئے کافی روشنی کا سبب ہے کیونکہ معشوق خورشید
جہاں اور ماہ طلعت ہے اس لئے اس کا تصور اور خیال بھی
تاریکی کو باطل کرنے والا ہے، پس دل افسردہ تو ہے، لیکن کچھ
نقش خیال یا رہتی ہے اس لئے حجرہ زنداں تو ہے لیکن
یوسف علیہ السلام کا، حجرہ زنداں ہے۔

(۱۰) "بیتیم ہائے پنہاں" حجاب آمیز مسکراہٹ۔ یا شرمناک
چپکے چپکے ہنسنے۔

(۱۱) "مشرکان سرشک آلود پلکیں، جو آنسوؤں سے ترہوں مطلب
ہے کہ خدا جانے تیری پلکوں کو آنسوؤں میں ڈوبا ہوا دیکھ کر
کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا، یا کس کس کی جان جاتی رہی
ہوگی، کیونکہ تیرا رونا بھلا کس سے اور کس جگہ سے دیکھا
جاسکتا ہے؟ — یا — نہ معلوم کیسے کیسے
بے گناہوں اور حرام نصیبوں کی ظالمانہ اور بے دریغ قربانی
اور خون نشانی ہوئی ہوگی کہ بالآخر ظالم تیری آنکھوں میں بھی
آنسو آ ہی گئے!!

(۱۲) "نظر میں ہے ہماری" ہماری دانست یا ہمارے خیالی میں
ہے، یا ہم خوب سمجھتے ہیں۔ "اجزائے پریشاں" کتاب کے بے بدلے

ورق یا صفحے۔ عالم کے اجزائے پریشان "کائنات و موجودات
یا کثیر التعداد فوہیتوں سے استعارہ ہے۔" شیرازہ "سلائی یا
جزو بندی۔" جادہ "خط راہ۔ جادہ، سلائی، یا تانگے میں مشابہت
سب سے مطلب ہے کہ ہم جانتے ہیں، کہ دنیا کے اجزائے ممکنات
(یا اشیاء اور موجودات منتشر و متعددہ) کے لئے، جادہ
راہ فنا، مثل شیرازہ کے ہے، یعنی سب اسی راستے سے
گزرتے اور اسی خط پر جمع ہو جاتے ہیں ! —

فی الحقیقت، فنا کسی نامعلوم عالم کا دروازہ ہے، کہ ہر موجود
دستی، محسوس و غیر دستی شے کو بالآخر اُس میں داخل ہونا
پڑتا ہے، اور سب کا داخلہ ناگزیر و یکساں اور اسی دروازہ
اور ایک ہی عالم میں ہوتا ہے، پھر وہ عالم بھی کچھ ایسا کان
نمک ہے، کہ سب، ایک سے، اور ایک، اور وہیں کے

ہو رہتے ہیں !!

نہ ہو گا یک بیاباں ماندگی سے ذوق کم میرا (۱)
حبیب، موجہ رفتار ہے نقش قدم میرا
محبت تھی چین سے لیکن اب یہ بے دماغی ہے (۲)
کہ موج بوئے گل سے ناک میں آتا ہے دم میرا
سراپا رہن عشق و ناگزیر آفت ہستی (۳)
عبادت برقی کی کرتا ہوں اور افسوس حاصل کا (۴)
بقدر ظرف ہے ساقی تھما ر تشنہ کامی بھی
ہو تو دریائے سے ہے تو ہیں خمیازہ ہوں ساحل کا (۵)

(۱) "ماندگی" تھکن۔ ماندگی، دشت پیمائی، کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اس لئے "یک بیابان ماندگی" سے ایک پیمانہ صحرا نوردی بنالیا ہے۔ گویا اتنی ماندگی، جو ایک بیابان کی صحرا نوردی سے پیدا ہو "موج" "موج" "جہاب" "موج آب سے بے ساختہ پیدا ہوتے ہیں اور روانی آپ کے لئے مانع و حارج نہیں ہوتے، گویا روانی کے لئے وہ کسی شمار و قطار ہی میں نہیں۔ اس شعر میں اپنی رفتار کو روانی آب سے، اور نقش قدم کو جہاب سے مشابہہ کہا ہے۔ مطلب ہے کہ میرے ذوق و شوق کے مقابلہ میں ایک صحرا کی دشت پیمائی سے جو ماندگی ہو وہ ناقابل لحاظ ہے۔ اتنی تھکن سے میرا ذوق صحرا نوردی کم نہیں ہوتا۔ گویا میرے نقش پا جہاب رفتار ہیں، جو کسی شمار میں نہیں اور میرے چلنے میں حارج و مانع نہیں!

(۲) یعنی مایوسی و افسردگی خاطر اس درجہ ہیں، کہ وہ چیزیں جو کبھی مرغوب اور باعث راحت تھیں اب باعث نفرت و کلفت ہیں!

(۳) "سراپا رہن عشق" ہمہ تن پابند و گرفتار عشق "ناگزیر" مجبور۔ "ہستی" زندگی۔ "حاصل" خرمی، پیداوار۔ مصرعہ ثانی میں عشق کو برق سے اور دنیاوی زندگی کو حاصل سے تعبیر کیا ہے۔ عشق کا اقتضاء، ترک مشاغل دنیوی ہے، اور ترک مشاغل زندگی کے لئے، گویا ہلاکت ہے، کیونکہ زندگی "سلسلہ تحریکات و مصروفیت کا نام ہے۔ مطلب ہے، کہ میں ہمہ تن گرفتار عشق بھی ہوں۔

اور زندگی کی خرابی کا بھی غم ہے، گویا اطاعتِ برقی، اور غم حاصل کی کشاکش میں مبتلا ہوں!

دہم، بقدرِ ظرفیت ہے۔ باندازہ جو صلہ ہے، اور اس کا تعلق فیضِ بخشش ساتی سے ہے۔ ”خمار“ نشہ کا آثار، اور طلبِ خمیازہ“ انگڑائی، نشہ کے آثار، یا طلب کے وقت انگڑائیاں آیا کرتی ہیں ”ساحل“ (دریا کا کنارہ) ”ساحل و خمیازہ“ میں مشابہت ہے، مطلب ہے کہ میری خواہش میں نوشی، یا تشنگی، شراب اسی نسبت سے ہے جتنا کہ ساتی کے فیض و بخشش کا ظرف و جو صلہ، یعنی اگر ساتی، باعتبار عطا و لطف کے دریائے مے ہے تو میں باعتبار عطا و لطف اور تشنگی کے ساحل ہوں یعنی اس دریا کو گھیرے ہوئے ہوں اکم نہیں۔

۱	یاں ورنہ جو حجاب پرودہ ہے ساز کا	محرم نہیں ہے تو ہی نوا مٹے راز کا
۲	یہ وقت ہے شگفتن گل ہائے ناز کا	رنگ شکستہ بیج بہارِ نظارہ ہے
۳	میں اور دکھ تری مژدہ ہائے دراز کا	تو اور سوئے غیر نظر ہائے تیز تیز
۴	طعم ہوں ایک ہی نفس جاں گداز کا	صرف ہے ضبط آہ میں میرا و گرنہ میں
۵	ہر گوشہ بساط ہے سرشیشہ باز کا	میں بسکہ چو ش بادہ سے شیشہ اچھل ہے
۶	ناخن پہ قرض اس گرو نیم باز کا	کاوش کا دل کرے ہے تقاضا کہ ہے ہنوز

”تار این کاوش غم بچراں ہوا آئندہ
سینہ کہ تقاضا فیہ نہ گہراست راز کا“

(۱) ”محرم“ واقف۔ ”آئندہ“ نوا مٹے راز“ حجاب ہائے غیب۔
”حجاب“ پرودہ ”ساز“ یا جہ۔ ”لگاؤٹ“ ”نوا“ کی رعایت سے

سنائے استعمال ہوتا ہے، اور محرم و حجاب وغیرہ سب تلذذات ہیں
 ”نوائے راز“ بجمال غیب، یا جاوہ معنی، یا حسن شاہد حقیقی سے
 کنایہ ہے۔ مطلب ہے کہ اسے انسان تحفہ شاعرانہ ہی
 نظارۂ حقیقت سے محروم و نا آشنا ہے، ورنہ یہ موجودات
 و شواہد، جو جمال حقیقت کے لئے حجاب بن گئے ہیں جو
 دعوت نظارۂ غیب دے رہے ہیں۔ یا۔ کائنات کا ایک
 ایک ذرہ تاب آفتاب معنی سے معمور اور انوار حقیقت
 کے لئے وجہ عریانی ہے لیکن تیری ہی آنکھوں پر پردہ
 پڑے ہوئے ہیں!

(۲) لطف دیدار، ایک کیفیت ہے۔ بہار کے موسم میں بھی
 لطف حاصل ہوتا ہے اور محبوب کے پھول سے چہرے کو
 دیکھنے سے بھی لطف پیدا ہوتا ہے، اس لئے لطف آفرینی میں
 چہرہ گلانی اور موسم بہار دونوں ہم اثر ہیں۔ اس لئے شاعر
 نے اس کیفیت کو جو دیدار سے پیدا ہوتی ہے یہاں موسم
 بہار سے تعبیر کیا ہے۔ اور لفظ موسم ہی کی رعایت سے ”وقت“
 اور ”صبح“ وغیرہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔ پھر عاشق جو ”بہار
 نظارہ“ کی کیفیت بھی اٹھاتا ہے اس کے ”رنگ شکستہ“
 (اڑا ہوا رنگ) کا استعارہ بہار کی مناسبت سے ”پلیدہ سحر“
 سے کیا ہے۔ اس طرح عاشق کے لطف دیدار اور رنگ
 شکستہ دونوں سے مل کر ”صبح بہار نظارہ“ بن گئی ہے۔ یہ وقت
 ہے کا اشارہ محض صبح (رنگ شکستہ) کی جانب ہے۔ اور

”شگفتن گھماٹے ناز“ رناز و انداز کی گنگاریاں یا معشوق کے انداز و ناز کی گل فشائیاں) ”بہار نظارہ“ سے متعلق ہے، اس شعر میں دیدار محبوب کی راحت اور ناز و کرشموں کے وہ متضاد اثرات بیان کئے گئے ہیں، جن سے عاشق ایک ہی وقت میں، راحت یا ب و مسرور بھی ہوتا ہے اور بے چین و مضطرب بھی، ان ہی دو متضاد حالاتوں کو صبح و رنگ اڑ جانا) اور ”بہار نظارہ“ (لطف دیدار) کی ترکیب میں ظاہر کیا ہے یعنی شکستن رنگ عاشق اور لطف دیدار، وقت شگفتن گھماٹے ناز معشوق ہے !!

(۳۴) ”نظر ہائے تیز تیز“ جلد جلد پڑنے والی نگاہیں۔ یا تجسس آفت نظریں۔ ”مرہ ہائے دراز“ مرگاہ کی خوبی درازی بھی ہے۔ جس دل میں محبت کی اہلیت نہ ہو، وہ پتھر ہے، اور شعرا دل رقیب کو ایسا ہی تسلیم کرتے ہیں۔ مطلب ہے کہ تو بار بار غیر کی طرف دیکھتا ہے اور مجھے یہ تکلیف ہوتی ہے کہ تیری مرگاہ کو پتھر میں چھدفے سے دکھ پہنچتا ہو گا۔ کیوں کہ ان مرگاہ نازک کے لئے تو نرم سادل چاہئے، کہ آسانی سے گھر کر لیں۔ اور وہ ہمارا دل ہے جو نرم تر رہتا ہے۔

(۳۵) ”صرفہ“ فائدہ۔ ”طعمہ“ لقمہ۔ یا خوراک۔ مطلب ہے کہ ضبط آہ ہی میرے لئے زیادہ و افزائش اضطراب) مفید ہے ورنہ میرا کام تو ایک ہی آہ روح فرسا، میں تمام ہو جاتے !

(۳۶) شیشہ بازی، ایک قسم کی بازی گری ہے، کہ شیشے سر پر

رکھ کر بازی گر کرتب کرتا ہے۔ گوشہ محفل پر جوش بادہ سے
 شیشے اچھلنے کی تشبیہ سر شیشہ بازی سے دی ہے !
 (۶) تنگی دل، یا افسردگی خاطر، کاوش و کوشش بھڑکانا فائدہ
 کرتی ہے، گویا ناخن تدبیر پر اس گڑباز دل سے استعارہ
 ہے) کا قرض ہے !

(۷) یعنی وہ سینہ جو اسرارِ عشق، یا حقایقِ محفی کے موتیوں سے
 لبریز اور خزانہ بنا ہوا تھا، غمِ جدائی سے برباد ہو گیا۔

۱	برقم شہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا	۱	رکھو پیارب یہ درِ گنجینہ گوہر کھلا
۲	شب ہوئی پھر انجمِ زخندہ کا منظر کھلا	۲	اس تکلف سے کہ گویا بنگلہ کے کا در کھلا
۳	گرچہ ہوں دیوانہ پر کیوں دوست کا کھاؤں کھلا	۳	استیں میں دشتہ نہاں ہاتھ میں نشتر کھلا
۴	گو نہ سمجھوں اسکی باتیں گو نہ پاؤں اسکا بھید	۴	پر یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ پری پیکر کھلا
۵	ہے خیالِ حسن میں حسنِ عمل کا سا خیال	۵	خلد کا اک درس ہے میری گور کے اندر کھلا
۶	کیوں اندھیری ہے شبِ غم ہے بلاؤں کا نزول	۶	آج ادھر ہی گور ہے گادیدہ اختر کھلا
۷	کیا یہ غمِ بت میں غمِ شجرت جو حادث کا خیال	۷	نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ برا کٹر کھلا

۸
 اسکی اہمیت میں یہ نہیں سمجھیں کہ یہ کیوں کام بند
 واسطے جس شہ کے غالب گنبد پر ہے رکھلا

(۱) "گنجینہ گوہر" منج کمالات سے استعارہ ہے۔
 (۲) "انجم زخندہ" جملہ ارسارے "منظر" سماں۔ "انجم زخندہ" کا
 منظر کھلنا "تارے نکل آنا۔ بت خانہ میں چراغاں کا منظر ہوتا ہے
 اور یہاں چراغانِ بت خانہ سے منظرِ انجم کی تشبیہ مقصود ہے
 "تکلف" سے زیب و زینت اور شانِ ہرا دی ہے !

(۳) دیوانگی کا ایک علاج عام قصہ کھولنا ہے۔ لاشتر سے قصہ کھولتے ہیں، اور دوشنبہ (خجر) سے قتل کرتے ہیں۔ صدق و خلوص کے تو یہ معنی ہیں کہ جان کر جان دے دی یا لے لی جائے اور منافقت کا فریب اہل صدق کو گوارا نہیں یہی مطلب ہے کہ اُس کے ہاتھ میں بظاہر تو لاشتر ہے کہ میری دیوانگی کا علاج ہو، لیکن آستین میں خجر چھپا ہوا ہے کہ اس بہانہ سے اس کو قتل ہی کر دیں، تو میں فریب خوردگی سے کیوں جان دوں!

(۴) "پری پیکر" حسن مجتہم۔

(۵) حسن، یا معشوق کا تصور، کیسا دلفریب، اور فردوس منظر ہے کہ قبر میں اُس کے تصور سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ گویا باغ بہشت کا دروازہ کھل گیا ہے (مذہبی عقیدہ ہے کہ نیک عمل لوگوں کی قبر میں جنت کی کھڑکی کھول دی جاتی ہے)۔

(۶) مصیبتوں کا نزول ہے، شبِ غم و ہجر کیوں اتنی تاریک ہے کیا آج ستارے بھی نہ نکلیں گے؟ اور راستاروں کی روشنی بالائی جانب ہی رہے گی، زمین کی طرف رخ نہ ہو گا؟ دیا اُدھر کا اشارہ معشوق کی طرف ہے۔

(۷) "حوادث" عرف عام میں آفات ارضی و سماوی کو کہتے ہیں۔

کھلا ہوا خط پُری خبروں کا نشان خیال کیا جاتا ہے۔

(۸) "گنبدیہ در" آسمان۔ "گنبدیہ در" کا در کھلنا "واقفہ مہراج" سے

استعارہ ہے۔

شب کہ برق سوز دل سے زہرہ ابر آب تھا
 شعلہ جوالہ ہر اک حلقہ گرد آب تھا
 شب کہ ذوق گفتگو سے تیرے دل بیتاب تھا
 شوخی و محبت سے افسانہ فنون خواب تھا
 داں کرم کو عذر بارش تھا غناں گیر حرام
 گریہ سے یا پنبہ بالش کف سیلاب تھا
 واں خود آرائی کو تھا موتی پروئے کا خیال
 یاں ہجوم اشک میں تار نگہ نایاب تھا
 جلوہ گل نے کیا تھا واں چراغاں آب ہو
 یاں رواں مژگان چشم تر سے خون تاب تھا
 یاں سر پر شور بخوابی سے تھا دیوار جو
 واں وہ فرق ناز جو بالش کھواب تھا
 یاں نفس کرتا تھا روشن شمع بزم بے خودی
 جلوہ گل واں بساط صحبت احباب تھا
 فرش سے تا عرش واں لٹوٹاں تھا موج رنگ کا
 یاں زمیں سے آسماں تک سوختن کا باب تھا
 ناگہاں اس رنگ سے خوبا بہ ٹپکائے لگا
 دل کہ ذوق کاوش ناخن سے لذت یاب تھا
 غزل نمبر ۲
 نالہ دل میں شب انداز اثر نایاب تھا
 تھا سپندر بزم وصل غیر گوئیے تاب تھا

مقدم سیلاب سے دل کیا نشاط آہنگ ہے
 خاۓ عاشق مگر سائر صدائے آب تھا
 نازش ایام خاکستر نشینی کیا کہوں
 پہلوئے اندیشہ وقف بسترِ تنجیب تھا
 کچھ نہ کی اپنے جنونِ نارسانے ورنہ یاں
 ذرہ ذرہ روکشِ خورشیدِ عالم تاب تھا
 آج کیوں پروا نہیں اپنے اسیروں کی تجھے
 کل تلک تیرا بھی دل مہر و وفا کا باب تھا
 یاد کردہ دن کہ ہر اک حلقہ تیرے دام کا
 انتظارِ صید میں اک دیدہ بے خواب تھا
 یں نے روکا رات غالب کو دگر نہ دیکھتے
 آس کے سیلِ گریہ میں گردوں کفِ سیلاب تھا
 واں، ہجومِ نغمہ ہائے سازِ عشرت تھا اسد
 ناخنِ غم یاں سرتارِ نفسِ مضرب تھا

”برق“ بجلی۔ ”سوزِ دل“ تپشِ قلب۔ ”زہرہ“ پتا۔ ”زہرہ آب ہونا“
 پست ہمت ہو جانا۔ خوف زدہ ہونا۔ ”شعلہ جوالہ“ شعلہ لرزاں
 ”گرداب“ ہنور واں کرم کو یعنی کرم فریانی، یا تشریف لانے
 میں ”عنان گیرِ خرام“ مانعِ خرام، ”پنڈہ بالش“ ہکیہ کی روٹی
 ”کفِ سیلاب“ جھاگ۔ واں خود آرائی کو یعنی آن کے دلولہ
 زینت اور سنگار کی آہنگ کو۔ ”ہجومِ اشک“ آنسوؤں کا تار
 ”نایاب“ ناپید۔ ”جلوہ گل“ پھولوں کی آب و تاب۔ ”آب جو“

نہر کا پانی۔ "خوتیاب" ٹوہین آنسو "سر پر شور" دوراں زدہ،
 یا بے چین سر۔ "دیوار جو" دیوار ڈھونڈنے والا "فرق ناز"
 "سر پر غرور" معشوق کا سر۔ "موبائش کم خواب" کھواب کے
 تکبیر پر استراحت فرما۔ "نفس" سانس۔ یہاں آہ آتشیں مراد ہے۔
 "بساط جلوہ گل" فرش گل۔ "فرشش" سے تاعرش۔ "زمین سے
 عرش معلے تک" طوفان "جوش و شدة" موج رنگ "ولولہ
 عیش و نشاط" سوختن "جلنا" اس رنگ "اس طرح" اشارہ
 دوسری غزل کی جانب ہے۔ "کاوش ناخن" خراش ناخن
 "لذت یاب" لذت کش (دوسری غزل کے لفظی معنی)
 "سپندر" کالا دانہ جو نظر بد کے لئے جلاستے ہیں۔ "مقدم" آنا
 "سیلاب" طوفان آب۔ "لشاط آہنگ" نغمہ بچ مسرت۔
 "نازش" فخر "خاکستر نشینی" ترک اسباب کر کے خاک کشیں
 ہو جانا۔ "اندیشہ" سوچ۔ "سکر" وقف موج۔ مصروف۔
 "بستر بنجاب" قیمتی کپڑے کا یعنی معشوق کا بستر۔ "جنون نارسا"
 عشق محروم، یا عشق پنہاں۔ "روکش" مقابل۔ "دیدہ بخواب"
 وہ آنکھ جسے نیند میسر نہ ہو اور کھلی رہے، مراد چشم عاشق
 سے ہے۔ "حلقہ دام" جال کے حلقے۔ آنکھ اور حلقوں میں
 مشابہت ہے۔ حلقہ دام کی عاشق کی آنکھ سے تشبیہ دیکر
 وجہ و بخوابی انتظار صید قائم کی ہے۔

پہلی غزل یا قطعہ کے مطالب

راہ کی بارش کیا تھی، گویا برق سوز دل سے، خود ابر پہل

پگھل کر، پانی ہو کر برس رہا تھا، بہنور کی گردش، لرزش، شعلہ
 معلوم ہوتی تھی، اُن کو تشریف لاسنے میں یاںش کا ہڈر تھا
 اور یہاں روسے کا ایسا طوفان تھا کہ تکیہ کی روشنی کف سیلاب
 تھی۔ اُن کے بناؤ سنگار کی آئینک، بال بال موتی پر وسے
 کے خیال میں تھی، یہاں آنسوؤں کا ایسا تار بندھا تھا کہ
 نگاہ پر پانی پھر گیا تھا اور کچھ نظر ہی نہ آتا تھا۔ وہاں
 پھولوں کے رنگین اور تاباں عکس سے، آب جو میں چراغاں کا
 سماں نظر آتا تھا، یہاں دیدہ گریاں سے اشک خون
 رنگ، جاری تھے۔ ہمارا سر بے خوابی سے دیوار ہو تھا کہ
 پھوڑ ہی ڈالیں تو چین ملے۔ اُن کے سر ناز میں کھواب کے
 تکیہ پر مصروف استراحت تھا۔ یہاں آہ شہر بار
 گویا اس بزم بے خودی و بے تابی کی شمع تھی، وہاں جلسہ
 احباب کے لئے پھولوں کا فرش، مسند تھا، وہاں زمین آسمان
 عیش و نشاط و لونوں سے لبریز تھے، یہاں، ہر صورت
 جلتا تھا، آخر کار دل جو خراسن ناعن سے لہجہ زخم تازہ
 رکھنے سے لذت کش تھا، اس طرح اشک ہائے خوشی
 گرا سنے لگا!

دوسری غزل کے مطالب

باوجود بیتابی، رات، نالہ دل میں اثر ہی نہ تھا، اور گودل
 جل رہا تھا اور غالباً اس کا جلتا بزم وصل غیر کسلے سپند کا سا
 جلتا تھا۔ یعنی میرا دل، آمد طوفان سے بھی نغمہ رنج مسرت

ہے، گویا عشاق کے گھر صدائے آب سے ساز ہو جاتے
ہیں کیونکہ طبیعت عشق، اسباب ویرانی اور سرو سامان
بربادی سے مانوس ہے)

”نازش“ فخر۔ ”ایام“ دن۔ ”خاکستر نشینی“ سر راہ بیٹھ جانا۔
”پہلو“ بستر کی رعایت ہے۔ ”اندیشہ“ خیالی۔ ”شباب“ ریشم
ان دونوں کی خاک نشینی اور بے سرو سامانی کے فخر و
لطف کو کیا بیان کروں۔ جب کہ اس خاک نشینی میں تصور
بستر محبوب رہتا تھا۔

ہمارے ہی عشق محروم سے کچھ نہ ہو سکا۔ یا ہماری ہی رسانی
اُن تک نہ ہوئی ورنہ میدان عشق کا توڑہ ذرہ آفتاب کی
مثال تھا۔

کل تک تو آپ کا دل بھی مندر مر و فاق تھا۔ آج یہ کیا ہے کہ
اپنے گرفتار ان اُلفت کی خبر نہیں۔

”ویدہ“ بیخواب؟ اور ”حلقہ دام“ میں تشبیہ ہے۔ (انتظار و امید)
ویدہ بے خواب کی رعایت ہے۔ یعنی وہ دن یاد کیجئے کہ
آپ اپنی خود نمائی کی پرستش کے لئے تلاش عشاق سے
بیقرار رہا کرتے تھے۔

”سیل گریہ“ میں گردوں کف سیلاب تھا، اظہار و فور گریہ
کے لئے مبالغہ گردوں (آسمان) کو اپنے سیل گریہ کا کف
سیلاب لکھا ہے۔

ایک ایک قطرے کا مجھے مینا پر اُچھا۔ | ۱ | خونِ جسگر و لعلِ مہرِ مجاہدِ ابرار

آب میں ہوں اور ماتم یک شہر آرزو	۲	توڑا جو توستے آئینہ تمثال وار تھا
گلیوں میں میری نعش کہ گھنچو پھر وہ میں	۳	جاندا دہ ہوا شے سر رہ گزار تھا
میں سراب دشت وفا کا نہ پوچھو حال	۴	ہر ذرہ مشکل جو ہر تیغ آبدار تھا
۵	کم جانتے تھے ہم بھی غم عشق کو پر آب دیکھا تو کم ہوئے یہ غم روزگار تھا	

۱) "دولت" امانت سمجھے آنسوؤں کی راہ خون جگر کا ایک ایک قطرہ اس طرح نکالنا پڑا گویا وہ خون جگر مرگن یار کی امانت تھی اور میں حساب دے رہا تھا۔

۲) "آئینہ تمثال وار" دل سے استعارہ ہے، جس میں ہزاروں اربابوں کی کششیں اپنے تعداد تمناؤں کے نقوش اور زمانہ بھر کی حسرتوں کی رنگ آمیزیاں ہوتی ہیں۔ اور جس کو بالفاظ دیگر "یک شہر آرزو" کہنا چاہئے۔ یعنی میں شہر آرزو کی بربادی کا ماتم کر رہا ہوں، کیونکہ جس دل کو توستے مایوس و شکستہ کر دیا۔ اُس کی آبادی آرزو ہائے گونا گوں، ایک بارونق شہر سے کم نہ تھی۔

۳) تاکہ یوں ہی حسرت نکل جائے۔

۴) "سراب" رنگ رواں۔ جو آب رواں سے مشابہہ ہوتی ہے۔ جو ہر تیغ کا وصف آب اور آبدار سے کیا کرتے ہیں۔ آبدار اور سراب میں ایک تشبیہ اور رعایت پیدا ہو گئی ہے۔ "موج" اور "تیغ" میں بھی تشبیہ ہے۔ وفا کے معنی اگر محبت و محبت لئے جائیں تو مطلب ہوگا کہ صحرائے محبت کا سراب موج ہو م

امیدوں اور نہ برآنے والی حسرتوں کا مجموعہ ہے (جن سے وہ بھی اور تصویری راحت تو ہوتی ہے لیکن عملی اور مشہودی نہیں) اور اگر وفا سے مقصود محبوب کا اظہار وفاداری ہے تو شعر کے یہ معنی ہوں گے کہ ان کا اظہار وفاداری تشنہ کمان محبت کے لئے ایک موج ہر اب ہے جس میں تشنگی عشق کے لئے تو کوئی قطرہ وفا نہیں لیکن جن کی آب و تاب ضرور مثل جوہر تیغ ہے۔

(۵) غم عشق کو ہم کم جانا کرتے تھے۔ لیکن جب وہ غم کم ہوا تو اُسکی جگہ افکار زمانہ نے لے لی۔

۱	آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا	۱	بس کہ دُشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
۲	درو دیوار سے ٹپکے ہے بیا باں ہونا	۲	گر یہ چاہے ہے خرابی مرے کاشانے کی
۳	آپ جانا ادھر اور آپ ہی حیراں ہونا	۳	واستے دیوانگی شوق کہ ہر دم مجھ کو
۴	جوہر آئینہ بھی چاہے ہے مرگاں ہونا	۴	جلوہ از بسکہ تقاضائے نگہ کرتا ہے
۵	عید نظارہ ہے شمشیر کا غریباں ہونا	۵	عشرت قتلگاہ اہل تمنائیت پوچھ
۶	تو ہوا اور آپ بہ صدر نگہ گلستاں ہونا	۶	لیکنے خاک میں ہم داغ نمائے نشاط
۷	لذت ریش جگر غرق نمکراں ہونا	۷	عشرت پارہ دل نہ خم تمنا کھانا
۸	ہائے! اس زود پشماں کا پشماں ہونا	۸	کی مرے قتل کے بعد کسے جفا سے توبہ

جیف! اس چار گروہ کی قسمت غالب
جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

۹

(۱۱) آدمی باوجود آدمی ہونے کے اخلاق حسنہ (جو معیار انسانیت ہیں) کی جامعیت میں کوتاہ دست ہے۔ اور جبکہ وہ باوجود تقاضائے

خلق تکمیل انسانیت سے قاصر ہے تو پھر دوسرے کاموں کا
 دشوار ہونا تو بدرجہ اولیٰ قابل تسلیم ہے یعنی اس کیلئے
 دوسری کیا چیز آسان ہو سکتی ہے جب کہ آدمی ہونے پر
 آدمیت سے محروم ہے۔ اس حقیقت کو ایسے سادہ لفظوں میں
 کوئی بیان نہ کر سکا۔

(۱) ”ٹپکنا“ اور ”برسنا“ محاورہ اردو میں ظاہر ہونا، یا زبان
 حال کہنا کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ”کاشانہ“ گھر یعنی
 ”یہاں ونا میرے گھر کی بربادی چاہتا ہے کہ درو دیوار پر
 دیر نہ بن چھایا ہوا ہے۔“

(۲) ”واے“ لفظ افسوس آدمی کا اشارہ محبوب کے گھر کی
 جانب ہے۔ مطلب ہے کہ افسوس ہے جنون شوق پر کہ
 اس کے تقاضا سے بار بار محبوب کے سامنے جاتا ہوں اور
 ہر بار کٹمہ شمن دیکھ کر خود فراموش اور بے خبر ہو جاتا ہوں۔ یعنی
 عالم حیرت میں نہ شوق نظارہ پورا ہوتا ہے اور نہ عرض حال کے
 جوش و حواس باقی رہتے ہیں۔

(۳) ”جلوہ تقاضا سے نگہ کرتا ہے“ یا خوبی تحسین چاہتی ہے
 یا نمود و نمائش دیدار طلب ہیں۔ ”جو ہر آئینہ“ وہ خطوط و نقوش
 جو صقل میں ہوتے ہیں۔ ”مژگاں ہوتا ہے“ یہاں چشم شوق
 بننا مراد ہے۔ ”جو ہر آئینہ“ اور مژگاں میں شبیہ ہے۔ اور اسی
 شبیہ رعایت کی وجہ سے آنکھ کے بجائے مژگاں بطور استعمال
 الجھڑو لکھ کر کیا ہے۔ آئینہ خود بینی و خود آرائی کے لئے دیکھا جاتا

ہے۔ خود بینی و خود آرائی سے خود پسندی اور خود نمائی
بالاکثر ام پیدا ہوتے ہیں اور جلوہ یا آرائش و نمود کا اقتضا
یا نتیجہ لازمی یا اثر طبیعی دیدار و نظارہ ہے اس لئے شاعر نے
مبالغہ کے ساتھ اس کو جوہر آئینہ بھی چاہا ہے ہے ”مژگاں ہونا“
سے تعبیر کیا ہے۔ مطلب ہے کہ گویا خود آئینہ نگاہ شوق
بننا چاہتا ہے۔

(۵) ”مشرّت“ خوشی۔ ”قتل گہ“ مقتل۔ ”اہل تمنا“ عشاق۔ ”بت پوچھ“
یعنی کیا پوچھتے ہو یا کیا بیان کریں۔ ”نظارہ دید“ عید
مشرّت۔ شمشیر و ہلال میں مشابہت ہے۔ ہلال کی رعایت
سے عید استعمال کیا گیا ہے۔ ”شمشیر کا عریاں ہونا“
نیام سے نکلنا۔ یعنی مقتل میں عشاق کی خوشی کا حال کیا بیان
کریں۔ ان کو شمشیر عریاں کا دیکھنا گویا نظارہ ہلال عید ہوتا
ہے۔ اگر قتل گہ اہل تمنا سے میدان عشق یا عالم عاشقی
مُراد لیا جائے تو مطلب ہوگا کہ عالم عشق کی خوشی اور عشرت
کیا بیان کریں جہاں جان دینا یا قربان ہونا عید کی شادمانی
کے برابر ہے۔ یعنی دنیا سے مجتبیٰ کی خوشیاں ہی نرالی ہیں
جو عوام الناس کی خوشیوں سے بالکل متضاد ہوتی ہیں۔
یہاں تو جان دینا یا جان جانا سب سے بڑا دشوار اور محترم
سامانہ ہوتا ہے۔ اور وہاں یہ مرحلہ پیش آنا سب سے بڑی
عید اور شادمانی ہے۔

(۶) ”دارغ لے جانا“ رنج ناکانی و محرومی اٹھانا۔ ”تمنا سے نشاط“

آرزوئے عیش "تو ہو" ایک تنخا طیب و عاثر ہے۔ یعنی خدا کرے کہ تو "بصد رنگ" ہر طرح سے۔ رنگ و گل اور داغ میں تشبیہات ہیں۔ آرزو میں بے حد سرور اور خوشی ہونے کے معنی میں باغ باغ ہونا اور دعا میں پھلنا پھولنا وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ غالباً اُسے اس اعتبار سے "گلستان" ہونا لکھا ہے۔ مطلب ہے کہ ہماری آرزو تو مرتے دم تک پوری نہ ہوتی خیر۔ تم خدا کرے ہمیشہ اور ہر طرح شادمان رہو۔

(۷) "عشرت" سرور و راحت۔ "پارہ دل" دل کا ہر ٹکڑا (کیوں کہ عاشق کا دل پارہ پارہ مسلم) "زخم تمنا کھانا" زخم ناکامی کھانا۔ الہم محرومی اٹھانا۔ ریش جگر ہر شکاف جگر یا ہر زخم جگر۔ یا ایک ایک ریشہ جگر۔ شعر میں صرف اظہار درد ظاہی ہے۔

(۸) عجیب ترکیب سے یہ مضمون ادا ہوا ہے۔ "زودیشیاں" اس شعر میں معجزۃ ادب ہے، جس کا مفہوم بیان نہیں کیا جاسکتا مگر ترقی، ذوق اور غور سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔

(۹) عاشق کا گریباں ہمیشہ حوالہ دست ہنوں اور معرض کشمکش میں رہتا اور تارتا رہتا ہوا کرتا ہے۔ شاعر نے کس خوبی سے اس چار گره کپڑے کی قیمت پر افسوس کرتے ہوئے ہزاروں جنون خیز مصیبتوں میں مبتلا ہونے کو ظاہر کیا ہے۔

- شبِ خماری شوقِ ساقی رستخیز اندازہ تھا
 تا محیطِ بادہ صورتِ حسا نہ در خمیازہ تھا (۱)
- یک قدم وحشت سے درسِ دفترِ امکان کھلا
 جاوہ اجزائے دو عالم دشتِ کاشیازہ تھا (۲)
- مانعِ وحشت خرامیہا سے لیے کون ہے
 خانہء مجنون صحرائے گردِ بے دروازہ تھا (۳)
- پوچھ مدتِ رسوائی اندازِ استغنائے حسن
 دستِ مرہونِ جنارِ خسار رہنِ غارہ تھا (۴)
- نالہ دل نے دیئے اوراقِ نختِ دل بباد
 یادگارِ نالہ اک دیوان بے شیرازہ تھا (۵)

(۱) "خماری شوق" مستیِ اشتیاق مراد ہے۔ "رستخیز اندازہ" قیامت
 مثال (مخادرہ ہے جو مبالغہ استعمال ہوتا ہے) "محیط"
 لغوی معنی گھیرے ہوئے کے ہیں۔ یہاں خطِ جام سے مراد
 ہے۔ "محیط" اور خمیازہ (انگڑائی) میں تشبیہ ہے مطلب کہ
 راتِ جلوتِ ساقی کے دیدار کا اشتیاق قیامت کا تھا کہ
 محیطِ بادہ بھی ایک خمیازہ خماری شوق معلوم ہوتا تھا۔

(۲) "یک قدم وحشت" وحشت کا ایک قدم یا صحرائے وحشت میں
 بقدر یک قدم۔ "درس" سبق۔ "دفتر" بمعنی کتاب برعایت
 درس۔ "امکان" عالم امکان یا کائنات و موجودات۔ "درسِ دفتر
 امکان کھلا" یعنی حقیقتِ عالم انکشاف ہوا۔ "جاوہ" راہ۔
 "اجزائے" برعایت دفتر و شیرازہ استعمال ہوا ہے۔ "دو عالم"

دشت" میں ترکیب مقلوب ہے۔ مقصود دشت دو عالم یا میدان و وسعت دو عالم "دو عالم" سے مراد عالم اطلاق و عالم امکان یا عالم ظاہر اور عالم باطن و غیب یا عالم مجاز و عالم حقیقت ہے مطلب ہے کہ پہلے ہی قدم وحشت میں عالم امکان کی حقیقت معلوم ہو گئی۔ گویا بخودی عشق مجاز نے حقیقت تک پہنچا دیا۔ یعنی وحشت عشق دونوں جہانوں کے درمیان برزخ تھی۔ یا عالم امکان سے مراد عالم وجود ہے اور دو عالم کا اشارہ عالم وجود اور عالم عدم یعنی بقا اور فنا کی جانب ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ جاوہ عشق ایک رابطہ ہے بقا و فنا کے درمیان۔

(۳۳) "مانع" روکنے والا۔ "وحشت خرامیہا" دیوانہ وار آمد و رفت "صہر گرد"۔ دشت نورد "خانہ بے دروازہ" سے مراد ویرانہ و صحرا ہے۔ یعنی نامعلوم پہلے کے لئے کیا امر مانع تھا کہ عشق مجنون سے متاثر ہو کر بے تابانہ مجنون تک نہ پہنچ سکی۔ حالانکہ مجنون کا گھر تو جنگل تھا۔ جہاں نہ در نہ دربان۔

(۳۴) "رُسوائی" ہوا خیزی۔ یہاں بے اختیار و مجبوری مراد ہے "استغنا" بے نیازی۔ عدم حاجت مندی "حسن"۔ خوبی و خوبصورتی "صہر ہون حنا" پابند حنا۔ یا ہندی لگانے کے شوق میں پابند و مبتلا "رہن غازہ" وقف غازہ۔ غازہ ایک قسم کا سفوف ہوتا ہے جو چہرہ کو خوش رنگ بنانے کیلئے لگاتے ہیں۔ مطلب ہے کیا پوچھتے ہو کہ حسن یا وصف بے پروائی

وسادگی آرائش و زیبائش پر مائل تھا۔ اور درآن حالیکہ اُس کی معشوقیت عشاق سے بے نیازی تھی لیکن اُس کی آرائش کے میلان نے خود نمائی اختیار کر کے اہل دید کے دیدار کی رسوائی کو گوارا کر لیا تھا۔ یا حسن سے مراد حسن شاہ حقیقی یا جمال الہی ہے۔ اور انداز استغنا کا اشارہ صفت تشریح کی جانب ہے۔ اور حنا و غارہ سے شہود نمود و خلق تعبیر ہیں اور رسوائی کے معنی ظہور جلوہ ریزی و تشریح عام کے ہیں۔ اب شعر کا مطلب یہ ہوگا کہ کیا کہیں حسن مطلق کے اطلاق و نہایت کی نمود و خلق کے تقیدات و تنزیلات سے کیسی کچھ تشریح ہوتی۔

(۵) ”بیاد واد“ کا ترجمہ استاد نے دے دیا ہے یعنی ہوا میں اڑا دیئے یا بر باد کر دیئے ”دیوان“ بے شیرازہ اور اوراق میں رعایت لفظی ہے۔ مطلب ہے کہ نالہ سنے دل کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے بر باد کر دیا۔ اور نالہ کے یادگار صرف پارہ ماتے دل تھے۔

- دوست غم خواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا
 زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھائیں گے کیا (۱)
- بے نیازی حد سے گزری بندہ پرور کب تلک
 ہم کہیں گے حال دل اور آپ فرمائیں گے کیا! (۲)
- حضرت ناصح گرا میں دیدہ و دل فرسش راہ
 کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائیں گے کیا؟ (۳)
- (۴) آج وال تیغ و کفن باندھے ہوئے جاتا ہوں میں

عذر میرے قتل کرنے میں وہ آب لائیں گے کیا
 گر کیا ناصح نے ہم کو قید اچھائیوں سے ہی
 یہ جنون عشق کے انداز چھٹ جائیں گے کیا؟ (۵)
 خانہ زاد زلف ہیں زنجیر سے بھاگیں گے کیوں؟
 ہیں گرفتار و قازندہاں سے گھبرائیں گے کیا؟ (۶)
 ہے، آب اس معنورہ میں قحطِ غم آفت اسد
 ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہے کھائیں گے کیا؟ (۷)

(۱) "سعی" چارہ جوتی و علاج مراد ہے۔ یعنی دوست غمخواری
 و ہمدردی سے میرا کیا علاج و مداوا کر سکتے ہیں (اگر میرے
 زخموں پر مرہم بھی لگائیں اور ناخن بھی کاٹ دیں) تو کیا
 زخموں کے اندمال تک پھر ناخن بڑھ نہ جائیں گے (اور کیا
 پھر نیش خراش ناخن کی لذت کشی سے زخموں کو تازہ نہ کر لوں گا)
 یعنی میرے مصائب کا دفعیہ ناممکن ہے میری ایذا طلبیِ آلام کو
 تازہ کرتی رہتی ہے۔

(۲) "بے نیازی" بے پروائی و بے خبری۔ تغافل۔ یعنی حضور
 اس بے نیازی کی بھی کوئی حد ہے کہ ہم حال دل بیان
 کرتے رہتے ہیں اور آپ سُن سُن کر اور سمجھ سمجھ کر انجان بنتے
 ہوئے "کیا" فرماتے رہتے ہیں گویا اس طرح استفسار و استفہام
 ہوتا ہے کہ کچھ سنا ہی نہیں۔

(۳) "دیدہ و دل فرس راہ" ایک محاورہ ہے عزت کے ساتھ

استقبال کرنے کے مفہوم میں۔ مطلب ہے کہ حضرت ناصح اگر آنا چاہتے ہیں تو خوشی سے آئیں لیکن اُن کے آنے سے ہوتا ہی کیا ہے۔ کیونکہ میراجنون عشق تو افہام و تفہیم کی صلاحیتوں سے گزر چکا ہے۔

(۱۵) ”ناصح“ تبہمت کرنے والا۔ یا چارہ جو۔ قید دیوانوں کیلئے علاج خیال کی جاتی ہے۔ یعنی اگر ناصح نے ہمیں پا بہ زنجیر کسی چہار دیواری میں مقید بھی کر دیا تو اس سے ہوتا ہی کیا ہے بھلا یہ جنون عشق کے انداز کہیں چھٹ سکتے ہیں۔ اور قید و بند سے ممکن ہے کہ جنون خرامی اور دشت نوردی رک جائے لیکن جنون خیالی کس طرح جاسکتی ہے۔

(۱۶) ”خانہ زاد“ غلام۔ بندہ یاد و خیال زلف یعنی ہم کہ بندگان خیالی زلف ہیں زنجیر سے کیا گریزاں ہو سکتے ہیں اور پا بہ بند و قاف ہو کر قید خانہ سے کیا گھبرا سکتے ہیں بلکہ یہ قیود ظاہری تو ہمارے دلی قیود کے مشابہ ہیں۔

(۱۷) ”مہورہ“ دنیا۔ یعنی اس کاربنات میں اُلفت پیشہ لوگ رہتے ہی نہیں اور ہم غم اُلفت کے خوگر ہیں اگر دلی میں ہے تو کس طرح گزرے گی۔

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال پا رہتا
(۱) اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

ترسے وعدہ پر رہتے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
(۲) کہ خوشی سے مرہ جساتے اگر اعتبار ہوتا

- تری تازی سے جانا کہ بندھا تھا عہد بودا (۳)
- کبھی تو نہ توڑ سکتا اگر استوار ہوتا (۴)
- کوئی میرے دل سے بچھڑے تیرے کشش کو (۵)
- یہ غلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا (۶)
- یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح (۷)
- کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا (۸)
- رگ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا (۹)
- جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا (۱۰)
- غم اگر چہ جاں گل ہے یہ کہاں بچیں کہ دل ہے (۱۱)
- غم عشق گر نہ ہوتا غم روزگار ہوتا (۱۲)
- کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شب غم بڑی بلا ہے (۱۳)
- مجھے کیا بُرا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا (۱۴)
- ہوئے ہم جو مر کے رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا (۱۵)
- نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا (۱۶)
- اُسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ بیکتا (۱۷)
- جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہیں دو چار ہوتا (۱۸)
- یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالب (۱۹)
- سجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا (۲۰)

(۱) اس غزل کے آخری دو شعر میں غالب نے تصوف کے مضامین لکھے ہیں۔ ہمارے خیال میں مطلع بھی تصوف نہ رنگ میں ہے

”وصال“ صوفیائے کرام کے عقائد میں فنا فی الذات ہونے کو کہتے ہیں۔ ”جینا“ گویا اپنی ہستی بحیثیت اپنے قائم رکھنا ہے اور یہ آنا نیت وصل و فنا فی الذات کے تقاضا و منافی ہے۔ مطلب ہے۔ کہ ہماری قیمت میں وصال پارہ نہ ہوتا اگر ہم زندہ بھی رہتے تو انتظار کے سوا اور کوئی مرتبہ حاصل نہ ہوتا۔

(۱۲) تمہارے وعدہ پر اگر ہم جیتے رہے تو یہ سمجھو کہ ہم نے تمہارے وعدہ کو جھوٹ سمجھا کیونکہ اگر وعدہ پر اعتبار آجاتا تو ملے خوشی کے جان نہ لکل جاتی۔

(۱۳) تمہاری نزاکت سے تمہارے پیمان کی کمزوری ثابت ہوتی ہے کیونکہ نازک آدمی کسی مضبوط چیز کو توڑ نہیں سکتا۔ استاد نے اس شعر میں پیمان شکنی سے لفظی فائدہ اٹھا کر نزاکت پر استدلال کیا ہے)

(۱۴) یعنی تیرے ہمیشہ کی غلش کے مزہ کو کوئی میرے دل سے پوچھے ہر دم کی غلش سے گویا ہر غلش ایک تیر کا لطف دیتی ہے اگر تیر جسکر کے پار ہو جاتا تو مزہ کا سلسلہ کیسے باقی رہ سکتا تھا۔

(۱۵) جناب تاج کی دوستی ہی بھلا کوئی سود مند بات ہے جو بجائے چارہ ساڑی و غمگساری کے ”شور پند“ ناراضی کے زخم پر نمک چھڑکانے کے مصداق ہے۔ کاش بجائے ان کے کوئی سچا غمگسار ہوتا اور چارہ کار کرتا۔ یا۔ دوستوں کی کیسی دوستی

ہے کہ تاج بن بیٹھے ہیں ان کو تو یہ چاہیے تھا کہ میرے
دردِ محبت کی کوئی دوا بتاتے۔

(۶) ”رگ سنگ“ پتھر کی ریشیں یا لکیریں۔ پتھر جب کسی چیز سے
رگڑایا لٹکڑایا جاتا ہے تو آتشیں چنگاریاں نکلتی ہیں اسی پر
قیاس کیا گیا ہے کہ پتھر میں آگ پنہاں ہوتی ہے شعرا کے
یہاں غم بھی ایک حقیقتِ سوزِ پنہاں ہے جس کا نتیجہ
اشکِ ماتے خوئی ہوا کرتے ہیں۔ شرار اور قطراتِ خون میں تشبیہ
ہے۔ اور سوزِ غم اور آتشِ سنگ ہم ہیئت ہیں مطلب ہے کہ
یہ سوزِ غم جو ہمارے دل میں پنہاں ہے پتھر میں اگر بجائے
آگ کے ہوتا تو ہر ذرہ سنگ سے اس قدر خون بہتا کہ
روئے نہ بڑکتا۔ لیکن یہ ہمارا ہی جگر ہے کہ یا وجودِ قوی لہجس
اور غیر جامد ہونے کے ہم اس غم کے متحمل ہیں۔

(۷) ”جاں گسل“ جاں فرسا کہ دل ہے کے فقرہ سے یقین ظاہر
ہوتا ہے۔ گویا کہ دل کے لئے آلام و افکار لازمی اور ضروری
ہیں۔ غمِ عشق مفوم ہے۔ مطلب ہے کہ غمِ عشق جاں فرسا
ہی سہی لیکن دل کے لئے تو بہر حال کسی نہ کسی غم کا ہونا
ضروری تھا۔ پس اگر یہ غمِ عشق نہ ہوتا تو غمِ روزگار
ہوتا۔ اس لئے یہی بہتر تھا کہ دنیا بھر کے جھگڑوں سے
چھٹے ایک مصیبتِ عشق ہی رہی۔

(۸) میں کس طرح اور کس سے کہوں کہ شبِ غم یا شبِ ہجر
بہت ہی بڑی مصیبت ہے۔ ایک مرتبہ اگر موٹا آجانی تو میں

اس کو بہت ہی معتقنم جانتا لیکن شبِ غم ایسی بھری بلا ہے
کہ موت آتی ہی رہتی ہے اور نہیں آتی۔ گویا ہر لحظہ ایک
مرگ نو میدی سے سا بقہ رہتا ہے۔ اربابِ دنیا موت کو
سب سے بڑی مصیبت جانتے ہیں لیکن شاعر موت پر شبِ
غم کو ترجیح دیتا ہے۔

(۱) "یگانہ" اس شعر میں شاعر نے متضوفاۃ طریقہ پر یگانگی و
یکتائی سے خداوند تعالیٰ کی ذاتِ غیبِ الاحدیث کی طرف
اشارہ کیا ہے۔ غیبِ الاحدیث وہ یگانگی و یکتائی ہے جو
کسی اشارہٴ حسی کو قبول نہ کرے۔ کسی چیز کے سمجھنے کے لئے
ایسی نسبتیں ہونا ضروری ہیں جو یا مطابق ہوں یا متضاد
اور اس ذات کے لئے نہ کوئی نسبت مطابق ہے نہ متضاد کیونکہ
وہ وہی ہے کہ ایسی کثیرہ شئی ط پس ایسی ذات کو کون دیکھ سکتا
ہے۔ دیکھنے میں تو وہی چیزیں آ سکتی ہیں جو ابعد و ثلاثہ زمان و مکان
اور اشارات میں مقید ہوں۔

۱	نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا؟	۱	ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا؟
۲	کہاں تک اے سراپا ناز کیا کیا؟	۲	تجاہلِ پیشگی سے مدعا کیا
۳	شکایتِ تہسائے رنگیں کا گلا کیا؟	۳	نوازِ شہمانے بجا دیکھتا ہوں
۴	تغافلِ سائے تمکیں آرزو کیا؟	۴	نگارہ بے محسب یا چاہتا ہوں
۵	ہوس کو پاس ناموس و وفا کیا؟	۵	فروغِ شعلہٴ خس یک نفس ہے
۶	تغافلِ سائے ساقی کا گلا کیا؟	۶	نفسِ مویجِ مہیطِ بے خودی ہے

۷	دماغ عطر پیراہن نہیں ہے	۷	غم آوار گہا سٹے صبا کیا؟
۸	دل ہر قطرہ ہے ساز انا البحر	۸	ہم آس کے ہیں ہمارا پوچھتا کیا؟
۹	محایا کیا ہے، میں ضامن اوصدیکھ	۹	شہیدانِ نگہ کا خون ہسا کیا؟
۱۰	سن اسے غبارِ تنگِ جنس و فائن	۱۰	شکستِ قیمت دل کی صدا کیا؟
۱۱	کیا کس نے جگر داری کا دعویٰ	۱۱	شکیبِ خاطر عاشق بھلا کیا؟
۱۲	یہ قاتل وعدہ صبر آزما کیوں	۱۲	یہ کافر فتنہ طاقت ریا کیا؟

بلائے جان ہے غالب اسکی ہر بات

عبارت کیا اشارت کیا ادا کیا

۱۳

(۱) "ہوس" خواہش۔ گونا گوں طلبوں کی بے چین کوششیں
 "نشاط کار" ولولہ کار۔ مسرت سعی۔ تحریک۔ یعنی ہوس جو
 گونا گوں طلبوں کی مضطربانہ سعی میں مسرت اور مزہ حاصل
 کرتی رہتی ہے تو حصولِ مطالب کی سعی کار سے مسرور ہونا
 اور ہزاروں طلبیں رکھنا جن سے زندگی گو نہ پُر لطف گزرتی
 ہے سب کا انحصار مرنے کے خیال پر ہے کیوں کہ بے تعداد
 خواہشات میں ہر لحظہ اس لئے عزت کی جاتی ہے کہ زندگی
 چند روزہ ہے جو ہو سکتا ہے وہ اسی زندگی میں ہو جائے،
 اور پھر گرمیِ مطالب ہی سے چونکہ مسرت حاصل ہوتی رہتی ہے
 اور یہ مسرت یا ثقل، بالواسطہ اس خیال سے متعلق ہوتی ہے کہ
 زندگی چند روزہ ہے یعنی مرنا قریب و ضروری ہے۔ پس
 "سرمایہ مسرت حیات مرنے پر منحصر ہے۔"

(۲) "تجاہل پیشگی" جان کر انجان بننا۔ "سراپا تاز" ہمہ تن نخوت و غرور

یعنی اسے جانِ جہاں آپ کا اس حجاب سے کیا مدعا ہے کہ میری ہر بات پر استغناء کیا گیا" فرما دیا کرتے ہیں لگو یا سب کچھ سنتے ہیں اور اڑا دیتے ہیں) آخر کب تک یہ شوخی ہوتی رہے گی۔

(۳) "تواذ شہائے بجا" غیر متوقع التقات: شکایت ہائے رنگیں" شوخیوں کی شکایتیں یاد دلچسپ شکایتیں۔ یعنی آپ کے التقات غیر متوقع کی خوشی میں بھلائی گزشتہ بے ہرویوں کی کیا شکایت کروں۔

(۴) "بے محابا" بے حجاب و بے تکلف: تمکین آزما" خود داری آزمائے واسلے یعنی میں تو آپ کی نگاہ بے حجاب جس کا اثر یہ ہوتا چاہئے کہ خود مجھ پر کیفیت بخودی طاری ہو جائے) کا طالب ہوں مدعی صبر و شکیب نہیں۔ بلکہ طالب فراوانی بے خودی ہوں۔ پس آپ کا تغافل بے محل ہے۔

(۵) "فروغ" بمعنی عروج۔ یہاں قیام و ثبات مفہوم ہے۔ "شعلہ" تنکا جلنے سے جو شعلہ پیدا ہو۔ "یک نفس" ایک سانس کا وقفہ۔ ایک لمحہ کی مدت۔ "ناموس" شعار و حرمت راز۔ "وفا" مراد عشق و محبت۔ "ہوس" غرض۔ خواہش۔ اور یہاں اہل ہوس مراد ہیں یعنی اہل ہوس و خواہش کو استقامت عشق سے کیا سروکار۔ ان کا جوش اور اظہار محبت تو شعلہ رخس کی طرح ہے۔ وہ شعلہ شمع کی طرح دیرپا نہیں ہوتا لہذا اہل ہوس کو ناموس و وفا کا لحاظ کب

ہو سکتا ہے۔

(۶) "نفس" سانس۔ "محیط" بحر و طائر۔ "بے خودی" بے خبری و
 مذہوشی۔ عدم تعقل و بطلانِ حسن۔ سانس کی آمد و رفت
 اور موج دریا میں تشبیہ ہے اسی تشبیہ سے شاعر نے انتہائے
 بے خودی کو تمثیل کیا ہے۔ مطلب ہے کہ یہاں تو ایسی بے خبری
 اور عالم فراہوشی کی کیفیت طاری ہے کہ سانس درجہ ایک لازمہ
 حیات ہے) موج محیط بے خودی سے زیادہ وقعت نہیں
 رکھتا یعنی مجھ میں متقاضیات۔ حیات کا کوئی شائبہ باقی نہیں اور
 میری زندگی بھی گویا ایک جزوِ بے خودی ہے۔ ایسی صورت
 میں بھلا ساقی کے تغافل کا شکوہ کیا ہو سکتا ہے یا آب کس کو
 ہوش ہے کہ ساقی کی بے التفاتی کا گلہ کرے ہم تو نشاط و
 سرور عشق سے ایسے سرشار ہیں کہ خود ہماری زندگی ایک
 حرکتِ مستی و بے خبری ہو گئی ہے۔ پھر ساقی سے شکوہ
 کون کرے اور کیا کرے!

(۷) "دماغ" محاورہ میں بمعنی برداشت یا خواہش یا ضبط۔
 "عطر پیراہن" خوشبوئے لباس۔ یعنی ہمیں تو خوشبوئے
 لباس سے شامہ نوازی کی تاب ہی نہیں۔ یادِ صبا کی بیڑی کا
 کیا غم۔ آبِ صبا جہاں چاہے اُن کے پیراہنِ معطر کی خوشبو کو
 پریشان کرتی پھرے۔

(۸) "ساز" باجہ۔ "نغمہ" صدرا۔ "انما لجر" کے لفظی معنی ہیں "دریا بہاں"
 ہیں۔ لیکن اس کے مفہوم کا لطف منصور کے واقعہ اور اُن کی

انا الحق سرائی کے بالمقابل حاصل ہوتا ہے اور شاعر نے اسی
مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ مطلب ہے کہ ہر قطرہ کے دل میں
انا الحق کا نغمہ یا جذبہ رکھتا ہے اور جذبات سے بھی بے ساختہ
صدائیں نکل جاتی ہیں) موجود ہے اسی طرح ہم "اُس" (ذات
واحد الوجود) کے ہیں ہمارا حال ظاہر ہے۔ یا اللہ اکبر ہمارا
کیا کہنا ہم تو اُس کے ہیں "دل سے مراد وہ مضنہ گوشت
اور مرکز شریانات نہیں بلکہ صوفیائے کرام کے یہاں مرکز
حقیقت کو دل کہتے ہیں اب شعر کا مفہوم زیادہ واضح ہو گیا
یعنی ہر ایک قطرے کی حقیقت (دل) ہی نغمہ انا البحر ہے،
اسی طرح ہماری حقیقت بھی انا الحق ہے، لہذا ہم کو کیا پوچھتے
ہو ہم تو اُس ذات واحد الوجود کے ہیں۔

(۹) "جایا" رکاوٹ پس و پیش۔ یعنی آپ کو بحث پس و پیش
ہے میں ضامن (یعنی میرا ذمہ) آپ بلا تکلف میری طرف
نظر کیجئے۔ اگر میں قاتل نگاہ ہو بھی جاؤں تو شہیدان
نگاہ کا تو کچھ خوں بہا ہوتا ہی نہیں۔ اگر تلوار سے قتل کرتے
تو قتل کا الزام ہو سکتا تھا اور خوں بہا دینا پڑتا، لیکن
نگاہوں کے مقتول نہ الزام دے سکتے ہیں نہ خوں بہا کا
موقع۔

(۱۰) "غارِ گرجس وفا" بے وفا، بے ہریاں وفا کی بے قدری
کرنے والا مراد ہے۔ "شکست قیمت" قیمت شکستن سے
مانا ہوا ہے جس کے معنی قیمت گھٹانا اور قیمت کم کر دینا ہیں۔

لفظ "شکست" "دل" سے بھی مناسبت رکھتا ہے کیونکہ محاورہ میں
 "دل شکنی و دل شکستگی" وغیرہ مستعمل ہیں۔ اور لفظ "قیمت" "جنس"
 کی رعایت کی وجہ سے لاتے ہیں۔ اور لغوی طور پر "شکست"
 کے ساتھ "صدرا" بھی معنی ہے۔ "غارتگرے جنس و فا" اور
 "شکستین قیمت دل" ہم مفہوم ہیں۔ شکستہ دلان عشق ہمیشہ
 فریاد و نالہ کرتے رہتے ہیں۔ یہی گویا آواز شکستہ دل ہے
 شعر کا مطلب یہ ہے کہ اسے ناشناس قدر و فائز تیری اس
 بے جہری اور نا قدر شناسی سے دل کے ٹکڑے ہو گئے ہیں
 ذرا ہماری فریاد سن تو لے۔

(۱۱) "جگر داری" ضبط۔ تحمل۔ صبر۔ ہمت۔ "شکیب" صبر۔ تسکین
 یعنی ہمیں دعویٰ ضبط ہی نہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ عاشقان
 مضطر کی تسکین خاطر ممکن ہی نہیں۔

(۱۲) "قاتل" معشوق۔ "صبر آزما" امتحان ضبط کا طریقہ یا ایسا
 طرز عمل جو دیر طلبی و دیر آشنائی کا ہو۔ "کافر" قاتل معشوق۔
 "طاقت ربا" شکیب و ہمت شکن۔ "فتنہ طاقت ربا" وعدہ
 صبر آزما کی صفت بھی ہے یعنی امتحان صبر و ضبط کی شرط کے
 ساتھ جو وعدہ کیا جا رہا ہے وہ اور بھی زیادہ بیقرار و مضطرب
 کر دینے والا ہے۔ اب تک بیقراری ارمان تھی اب تمنا
 برآئے کے وقت کا انتظار بھی ہوگا۔ اور بے چینی بڑھ
 جائیگی اور یوں ہی یہ وعدہ صبر آزما فتنہ طاقت ربا ہو جائیگا
 اور اگر "صبر آزما" معشوقوں کے عام وعدوں کی مسلمہ صفت کی

طرح استعمال ہوا ہے۔ تو شعر کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ عہد
وعدہ کرتے ہیں اس سے تو بجائے سکون کے اضطراب
ہوتا ہے یا میں اس وعدہ سے کیا فائدہ یہ تو وعدہ نہیں بلکہ
ایک فتنہ ہے جس سے یہی سہی ہمت ضبط بھی جاتی رہتی ہے
یا ایسے جھوٹے وعدہ سے فائدہ ہی کیا جو آتش شوق میں ایک
اشتعال پیدا کر دے۔

(۱۳) "عبارت" و "اشارت" ادا لفظ "ہر بات" کے توضیحات
ہیں۔

در خورِ قہر و غضب جب کوئی ہم سا نہ ہوا ۱ پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا
بندگی میں نہ آزاد و خود ہیں ہیں کہ ہم ۲ اُسے پھر آئے در کعبہ اگر و انہ ہوا
سب کو مقبول ہے دعویٰ تری بھائی کا ۳ سامنے کوئی ہمت آئندہ سہمانہ ہوا
کم نہیں تارِ شہنشاہی چشمِ خواب ۴ تیرا بیمار بڑا کیا ہے گرا چھانہ ہوا
سینے کا داغ ہے وہ نالہ کہ لب تک گیا ۵ خاک کا رزق ہے وہ قطرہ کہ دیر نہ ہوا
ہر بنِ موسیٰ دم ذکر نہ ٹپکے خونتاب ۶ حمزہ کا قصہ ہوا عشق کا چرچا نہ ہوا
نام کا ہے مزے وہ دکھ جو کسی کو نہ ملا ۷ کام میں میرے ہے وہ فتنہ کہ برپا نہ ہوا
قطرہ میں جلد دکھائی نہ دے اور جزو میں کل ۸ کیل لٹکوں کا ہوا دیدہ بینا نہ ہوا
تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑینگے پرنے

دیکھئے ہم بھی گئے تھے یہ تماشا نہ ہوا

(۱) "در خور" سزاوار مستوجب یعنی خواہ مقہور ہونے ہی میں

کیوں نہ ہوں اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم بے مثل ہیں اور
الفاظ "قہر و غضب" کو اگر شاعرانہ اصطلاحات میں تخیل کیا جائے تو

جفا و ستم محبوب کا مفہوم پیدا ہوگا۔ اور محبوب کا شدت و خصوصیت کے ساتھ مائل بہ جفا سے عاشق ہونا ایک امتیاز خاص ہے۔ مطلب ہے کہ کسی قسم کی خصوصیت کیوں نہ ہو ہم اس سے خصوصیت خاص رکھتے ہیں۔ اور یہی ہماری بے مثلی کی دلیل ہے۔

(۲) ”بندگی“ عبادت و پرستش (جس کا اقتضا پابندی و بیچارگی ہوتا ہے) یعنی ہم بندگی میں بھی آزاد منش اور خوددار ہیں۔ کہ در کعبہ اگر کھلا نہ ہو تو ہم واپس ہی چلے آئیں اور اصل میں یہاں اپنی خودداری کے پردہ میں کعبہ کی عظمت بیان کی ہے کیونکہ وہ کعبہ ہی کیا اور وہ آستانہ کس کام کا جس کا دروازہ کبھی بند ہو جائے۔ ہم تو ایسے بڑے آستانہ پر سر جھکاتے ہیں جس کا باب فیض ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔

(۳) ”بت“ معشوق ”آئینہ سیما“ حسن معشوق کی صفت صاف عکس پذیر مصنوع صالح کی اور مخلوق خالق کی دلیل ہے۔ مخلوق میں خالق کی خالقیت کا پر تو ہوتا ہے اور ہر مخلوق کی ہدایت خلقت عین صفت خالق ہے۔ شعر میں تحنا طب معشوق حقیقی سے ہے جو خالق و صالح حسن مجاز بھی ہے۔ صفت آئینہ سیما سے مطلب اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے یعنی اسے جانِ جہاں، دُنیا بھر کے حسینوں کو تیری بے مثلی و فردانیت حسن کا اعتراف ہے (یعنی سب میں تیرا ہی عکس نظر آتا ہے) اور دُنیا کا کوئی حسین تیرا مد مقابل

نہیں ہو سکتا۔ بلکہ سب کے حسن میں صرف تیرا ہی جہاں
پیر تو فگن ہے اور یہی انعکاس تیرے دعوے کی
مقبولیت عامہ ہے۔

(۴) "نارزش" فقرہ متوالی آنکھوں کو لفظ بیمار سے متصف کرتے
ہیں۔ شاعر نے بیمار ہی عشق و بیماری حسن کو لفظ اہم ردیف
کر کے ایک بات نکالی ہے۔

(۵) پانی کا قطرہ اگر دریا میں مل جاتے تو دریا ہو جاتا ہے اور
اگر خاک پر گرتا ہے تو اپنی ہستی کھو کر صرف ایک سرسری
نشان چھوڑ دیتا ہے۔ استاد نے نالہ کو بھی اسی مثال سے
تمثیل کیا ہے یعنی جو نالے روک لئے جاتے ہیں اور کھینچے
نہیں جاتے وہ کوئی اثر پیدا نہیں کرتے سوائے اس کے کہ
دل پر داغ ڈال دیں۔

(۶) داستان امیر حمزہ واقعیت نہیں رکھتی اس لئے اس کے
رزم بزم اثر سے خالی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عشق ایسی جھوٹی
کہانی نہیں کہ اس کے المناک واقعات زلزلہ دیں۔

(۷) "تمام کام میرے ہے" یعنی میری قسمت میں ہے۔ "کام میں میرے
ہے" یعنی میرے درپے ہے۔

(۸) "دجلہ" عراق کے ایک دریا کا نام ہے۔ لیکن یہاں اس کا ذکر کی طرح
استعمال ہوا ہے۔ مصرعہ اولیٰ میں استفہام انکار ہی ہے
اور اس قسم کا استفہام تاکید و ثبات کے لئے استعمال کرتے
ہیں۔ ہر قطرہ دریا سے اور جزو اپنے کل سے نسبت رکھتا ہے۔

اس طرح ہر قطرہ دریا کے لئے اور ہر جزو اپنے کل کے لئے مقیاس
ہوتا ہے یا ہر قطرہ منظر دریا اور ہر جزو منظر کل ہوا کرتا ہے۔
اسی حقیقت پر تاکید کرتے ہوئے شعر میں مسئلہ وحدت الوجود
کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اور اس کی توضیح اس سے پہلے والی
غزل کے ایک شعر میں اس طرح ہو چکی (دل ہر قطرہ ہے ساز
انا بھر ہم اُس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا)

اسد ہم وہ جنوں جولان گدائے بے سُر پاپا | ا کہ ہے سر نیچہ مژگان آہو کشت خارا پنا

(۱) یہ شعر رعایات لفظی۔ تشبیہات اور مبالغوں سے شاندار
ہو گیا ہے۔ خیال کچھ ادق اور عالی نہیں۔ ”جولانی“ و ”آہو گدا“
”کشت خارا“ ”سر نیچہ“ ”بے سُر پاپا“ میں لفظی تلازمات و رعایات ہیں
”نیچہ مژگان“ اور ”خارا“ میں تشبیہ ہے۔ ”جنوں جولان“ و ”کشت خرام“
دیوانہ وار دوڑنے والا ”گدا“ ”فقر بے خانماں“ بے ٹھکانے
”کشت خارا“ ایک خاص قسم کی ایک پایہ کی لشت ہوتی ہے
جس کو اکثر فقرا اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور چلتے چلتے اگر کہیں
دم بھر کو بیٹھنا چاہتے ہیں تو اُس کے سہارے بیٹھ جاتے ہیں
”بے سُر پاپا“ بے ٹھکانے یعنی چلے جا رہے ہیں اور ٹھہرنے
مقام کرنے یا منزل سے بے خبر و بے غرض ہیں۔ دوسرا
پورا مصرعہ۔ ایک مبالغہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم گدا یا ن عشق
بلا قیام و آرام دیوانہ و ارا لیے تیز چلے جا رہے ہیں کہ ہرن جو
چو کڑیاں بھرتے ہیں اُن کی نگاہیں بھی ہماری رفتار تک
نہیں پہنچتیں اور ایسے تیز توجہ انور کی پلکیں ہمارے لئے

پشتِ خار سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی ہیں گویا اُن کی نگاہوں کی
رفتار ہمارے ٹھیرنے کے برابر ہے۔

- پئے نذرِ کرم تحفہ ہے شرمِ نارسانی کا (۱)
بنوں غلطیدہ صدرِ رنگِ دعویٰ پارسانی کا
- نہ ہو حسنِ تماشا دوستِ رسوائی وفائی کا (۲)
بہ ہر صدِ نظر ثابت ہے دعویٰ پارسانی کا
- زکوٰۃِ حق دے لئے جلوہٴ بینش کہ ہر آسا (۳)
چراغِ حسانہٴ درویش کا سہ ہو گدائی کا
- نہ مارا جان کر بے جرم، قاتلِ تیری گردن پر (۴)
رہا مانسِ خون بے گنہ حقِ آشنائی کا
- تمنائے زباںِ محوِ سپاس بے زبانی ہے (۵)
مٹا جس سے تقاضا شکوۃٴ بے دست و پائی کا
- وہی اک بات ہے جو یانِ نفسِ داں نکستِ گل ہے (۶)
چمن کا جلوہ باعث ہے مری رنگیں نوائی کا
- دہانِ ہر بہت پیغارہ جو زنجیرِ رسوائی (۷)
عدمِ تک بیوفا چرچا ہے تیری بے وفائی کا
- نہ دے نامے کو اتنا طولی غالبِ محقر لکھ دے (۸)
کہ حسرتِ شیخ ہوں عرضِ ستمائے جدائی کا

(۱) ”پئے“ برائے ”کرم“ رحمتِ الہی ”شرم“ شرمندگی
”نارسانی“ محرومیِ ناکامی ”بنوں غلطیدہ“ مراد تو صرف خونِ شہ
ہے لیکن ”دعویٰ“ کو حیثیت دینے اور وجودِ خارجی کی طرح

بیان کرنے کی وجہ سے بخون غلطیدہ کہا گیا ہے "صدر رنگ" سینکڑوں طرح سے ہزاروں طریقوں سے مطلب ہے کہ میں بارگاہِ رحمتِ الہی میں نذر گزارنے کے لئے اُس دعویٰ پر ہمیں گاری کی شہر مندرگی لے کر جاتا ہوں جس کا ہزاروں طریقوں سے خون ہوا ہے اور رنگ کے معنی شوق کے بھی آتے ہیں اس لئے یہاں رنگ و شوق سے مراد رندی و سبب کاری بھی ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں بھی مطلب یہی ہوگا کہ وہ دعوتے پار سائی جس کا سیکڑوں سبب کاریوں نے خون کر دیا ہے بارگاہِ رحمت میں نذر کرنے کے واسطے لئے جاتا ہوں۔

(۲) "حسن" محبوب "تماشا دوست" تماشا پسند یا خود نما۔ "رسوا" مشہور یا مشہور بہ ذم یا بدنام بہ تعلقات رقیب۔ مہر و نظریں تشبیہ ہے۔ "صدر نظر" سیکڑوں نظریں اور ہزاروں نگاہیں یعنی وہ حسن خود نما اپنے عاشق سے بیوقوفائی کرنے میں رسوا کیوں ہو اُس کی خود نمائی اور عالم آشنائی سے جس قدر نگاہیں اُس پر پڑتی ہیں ہمارے نزدیک تو ہر نظر اُس کے دعوتے پار سائی پر گویا مہر ہوتی ہے۔

(۳) "جلوۂ بینش" مرکز عقل و فکر، معشوق حقیقی سے خطاب و سوال ہے۔ "مہر آسا" آفتاب کی طرح۔ "کاسہ دل" سے استعارہ ہے۔ نہ کات و درویش رہایات ہیں۔ مطلب ہے کہ اسے نظر گاہِ اہل بصیرت! اگر تو اپنا پر۔ تو نور و جمال فیضانِ آفتاب

کی طرح دل پر زکات حسن سمجھ کر ڈال تھے تو یہ کاسہ درویشانِ
عشق (دل) ظلمت خانہ انسانیت کے لئے چراغِ الوارِ قدس
ہو کر سارے گھر کو روشن و متور کر دے!

(۳۴) ”آتشائی“ عشق و محبت۔ یعنی تو نے ہم کو مجرم اُلقت
کیونکہ عشاق عدالتِ حسن میں مجرم ہی گردانے جایا کرتے ہیں
نہ جان کر قتل نہ کیا اور حق دوستی اسی طرح تیری گردن پر
رہ گیا جس طرح خون بے گناہ۔

(۳۵) ”سپاس“ تعریف۔ بے دست و پائی۔ مجبوری۔ یعنی بے
زبانی کے سبب شکوۂ مجبوری کا تقاضا باقی نہ رہا۔ اس لئے
گفتگو کی آگڑ و اس بے زبانی کی ثنا خواں ہے۔ جس کی وجہ سے
شکوۂ بے بسی کا تقاضہ مٹ گیا۔

(۳۶) ”نفس“ سانس۔ رُوح ”نکھت“ ہوا ریح ریح اور رُوح ایک ہی
مادہ کے الفاظ اور ہوا اور سانس ایک ہی حقیقت کی دو موجیں
ہیں۔ ”نکھت گل“ پھولوں میں بسی ہوئی ہوا۔ ”رنگیں نوائی“ شوقِ سنخی۔
جس طرح پھولوں میں بس کر ہوا میں ریحانیت و لطافت پیدا
ہو جاتی ہے اُسی طرح رُوحِ چمن دیکھ کر رُوحِ مسرور ہوتی ہے
اور رُوح کی کیفیتِ سرور سے اشتیاقِ نوائی پیدا ہونا اور
جذبات کی برائے گفتگی وغیرہ یقینی امور ہیں پھر علتِ ادونوں
کی ایک ہی ہے یعنی ہوا کی لطافت بھی پھولوں سے ماخوذ
ہوتی ہے اور رُوح کی مسرت بھی جلوۂ گل سے۔ اسی خیال کو
آستانہ نے اس شعر میں ادا کیا ہے۔ کہ بات ایک ہی ہے جس کے

اثرات مختلف ہیں۔

(۱) ”دہان“ دہن۔ منہ۔ دہن کی شکل حلقہ نما ہوتی ہے اور زنجیر بھی حلقوں سے بنتی ہے۔ ”پیغا رہ جوتی“ طعنہ زنی حسینوں کے دہن کو شعرا کے یہاں معدوم کہا جاتا ہے اور اصطلاح عوام میں دوسرے جہاں کو عدم یا ناک عدم کہتے ہیں۔ اس شعر میں یہی لفظی رعایت ہے۔ مطلب ہے کہ لے لے بے وفا تیری بے وفائی کا چرچا اس جہان سے لے کر اس جہان تک ہے کیونکہ سارے حسین تجھ پر طعنہ زنی کرتے ہیں۔ گویا حسینوں کی لب کشائی سے حلقہ دہان کی ایک زنجیر سوائی بن گئی ہے جس کا سلسلہ عدم سے ملتا ہے۔

گر نہ اندوہ شب و فرقت بیاں ہو جائے گا
(۱) بے تکلف داغِ مہر و دہاں ہو جائے گا

(۲) زہرہ گر ایسا ہی شام بھر میں ہوتا ہے آب
پر تو مہتاب سیلِ خائماں ہو جائے گا
دل کو ہم صرف وفا سمجھے تھے کیا معلوم تھا
(۳) یعنی یہ پہلے ہی نذرِ امتحان ہو جائے گا

(۴) سب کے دل میں ہے جگہ تیری جو تو راضی ہوا
مجھ پہ گویا اک زمانہ ہریاں ہو جائے گا
گر نگاہ گرم فرماتی رہی، تسلیم ضبط
(۵) شعلہ خس میں جیسے، خونِ رگ میں نہاں ہو جائے گا

(۶) بارغ میں بچکونہ سے چاوردن میرے حال پر

ہر گل تر ایک چشم خونقشاں ہو جائے گا
فائدہ کیا، سوچ آخر تو بھی داتا ہے اسد
دوستی ناداں کی ہے جی کا زیاں ہو جائیگا (۷)

(۱) "اندوہ" رنج و غم۔ اس شب فرقت کے اندوہ کی جانب اشارہ ہے جو شبِ ماہ بھی تھی اور اہل شوق و شعرا کے یہاں شبِ ماہ محرکات جذبات میں سے ہے مطلب ہے کہ اگر اس شب ہجر کا سوز و غم بیان ہو سکے تو یہ سمجھنا چاہئے کہ چاند کا داغ جہر دہن ہو گیا ہے۔

(۲) "زہرہ آب ہونا" پتھا پانی ہونا جس کا مطلب ہے خوف و دہشت سے عرق عرق ہونا۔ یہاں شاعر نے لفظ "آب" میں سیل کی رعایت ملحوظ رکھی ہے۔ نیز آب اور پر تو جہتاب میں تشبیہ بھی ہے یعنی شام ہجر اگر ایسی بلائے بد ہے کہ زہرہ آب ہوتا ہے تو یقیناً (چاندنی) خانماں عاشق کے لئے سیلاب بن جائیگی۔

(۳) "صرف وفا" یعنی جو وفاداری کی تمام کمالات کے لئے کافی ہو۔ مطلب ہے کہ دل کو تو ہم تمام عمر کی عشق بازی کے لئے کافی سمجھتے تھے لیکن یہ نہ معلوم تھا کہ ایک ہی امتحانِ عشق میں جاتا رہے گا۔

(۴) یعنی سارے زمانہ کے دل میں تیری محبت ہے تو اگر مجھ سے خوش ہو جائے تو ہر شخص مجھ پر مہربان ہو جائیگا۔ کیونکہ جب میں تیری رضا کا جزو بن جاؤں گا تو تیرے عام

رضا جو میری بھی رضا جوئی کریں گے۔

(۱۵) ”لگاہ گرم“ غصہ کی نظر ”شعلہ و گرم“ میں خاصیت کی رعایت ہے ”خوں و شعلہ“ میں تشبیہ ہے ”خس“ تنکھا۔ تنکے میں اشتعال و آتشین مادہ پنہاں ہوتا ہے مطلب ہے کہ اگر آپ کی نظر عتاب اشارہ و تاکید ضبط کرتی رہی اور خونابہ قشانی سے روکتی رہی تو یہ خون جو آنکھوں سے بہتا ہے رگوں میں اس طرح پنہاں ہو جاسے گا جس طرح تنکے میں شعلہ۔ اور کبھی نہ کبھی جسم کو پھونک دے گا۔

(۱۶) ”پشتم و گل“ رنگ گل اور خون میں تشبیہات ہیں۔

۱	درد منت کش دوانہ ہوا	۱	میں نہ اچھا ہوا بُرا نہ ہوا
۲	جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو	۲	اک تماشا ہوا گلا نہ ہوا
۳	ہم کہاں قسمت آڑے جانے جائیں	۳	تو ہی جب خنجر آزمانہ ہوا
۴	کتے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب	۴	گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا
۵	ہے خبر گرم آن کے آنے کی	۵	آج ہی گھر میں بوریانہ ہوا
۶	کیا وہ غرور کی خدا تھی تھی	۶	بندگی میں سرا بھلا نہ ہوا
۷	جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی	۷	حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا
۸	زخم گردب گیا لہو نہ تھما	۸	کام گر رک گیا روانہ ہوا
۹	رہزنی ہے کہ دل ستانی ہے	۹	لے کے دل دلتاں روانہ ہوا

کچھ تو پرستے کہ لوگ کہتے ہیں

آج غالب غزل سرا نہ ہوا

۱۰

(۱۱) ”دردِ عشق“ ”عشق“ ”منت کش“ احسان پذیر احسان مند

تیں نہ اچھا ہوا یعنی میں درد الفت سے شفا یاب نہ ہوا بُرا نہ ہوا
یعنی اچھا ہوا کہ احسانِ دو انہ اٹھایا شکر صاف ہے پیماختہ
ہے۔ رواں ہے اور فوقِ شاعرانہ سے پڑے۔

(۳) میرے شکوہ و شکایات کے لئے اختیار کو کیوں جمع کرتے
ہو۔ گلہ کوئی تماشا تو سے نہیں کہ مجمع کے سامنے ہو۔

(۴) "خجر آزما" تلوار کو آزمانے والا۔ یعنی جانِ ستاں۔ مطلب ہے
کہ پھر ہم اپنی قسمت و فائز مانے کہاں جائیں۔ جو کہ تجھ جیسا
قابلِ خجر آزمائی میں ہمارا امتحانِ وفا نہیں لیتا۔

(۵) اوصافِ محبوبیت میں سے شیریں لہی بھی ایک مسلم وصف
ہے۔ "بے مزہ" بھول۔ برداشتہ خاطر۔ "مزہ اور شیریں"
میں رعایت ہے۔ مطلب ہے۔ تیرے لب کس قدر شیریں
ہیں۔ کہ گالیوں اور تلخ کلامیوں سے رقیب ذرا بھی افسردہ
خاطر نہ ہوا۔

(۶) اتنا بے سرو سامانی کا اظہار ہے۔ اور عشاق ایسے
ہی بے سرو سامان ہوتے بھی ہیں۔

(۷) "نمرو" خدائے باطل یعنی میں باوجود فرمانبرداری اس بت
کی بارگاہ سے فیض یاب و متمتع نہ ہوا تو اس کی خدائی بھی نمرو
کی سی خدائی تھی۔

(۸) حق و فرض دو لازم و ملزوم خصوصیتیں ہیں۔ فرض سے
حق قائم ہوتا ہے اور حق سے فرض آتا ہے۔ یہاں پہلا لفظ حق
پتھے کے معنی میں اور دو سرفرض کے لازمہ میں استعمال

ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ اگر ہم نے خدا کی راہ میں جان بھی دیدی
پھر بھی ہم سے پورا فرض ادا نہ ہوا۔ کیونکہ جان تو انہی کی دی
ہوئی تھی ہے۔ اور کسی کی امانت واپس کر دینا یقیناً کوئی ذاتی
امیٹار نہیں ہے۔

(۸) کام وزخم کے رکنے دہنے کا تقابل کر کے لفظی رعایت سے
کام لیا ہے یعنی کام رگ جانے سے تو حاجت روائی ہوئی نہیں
زخم دہنے سے خون رواں ہو جاتا ہے۔

(۹) "دل سانی" دل لینا۔ مطلب ہے کہ وہ دل لے کے چپکے
سے چلتے ہوئے "تو محبت کوئی رہزنی تو بھٹی نہیں۔ چاہئے تھا
کہ دل لیکر ولداری اور ولدہی سے کام لیتے۔

۱	گھر میں جو ہوا اضطراب دریا کا	۱	گلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگی بجا کا
۲	مگر ستم زدہ ہوں ذوق خام فرساکا	۲	یہ جانتا ہوں کہ تو اور پاسخ مکتوب
۳	دوام کلفت خاطر ہے پیش دنیا کا	۳	حنا سے پائے نرزاں ہے، بہار اگر ہے پی
۴	بھجے دماغ نہیں خندہ ہائے بجا کا	۴	غم فراق میں تکلیف سیر باغ نہ دو
۵	کرے ہے ہر بن سو کام چشم بینا کا	۵	ہنوز مخرمی حسن کو ترستا ہوں
۶	ہیں دماغ کہاں حسن کے نقاضا کا	۶	دل اس کو پہلے ہی ناز و اداسے دے بیٹھ
۷	مری نگاہ میں ہے جمع خرچ دریا کا	۷	نہ کہہ کہ یہ بھقار حسرت دل ہے

نہ کہہ کہ یہ بھقار حسرت دل ہے
نہ کہہ کہ یہ بھقار حسرت دل ہے

(۱) "اضطراب دریا" تلاطم و توجہ۔ جس طرح موتی میں پانی کا تلاطم
باقی نہیں ہوتا بلکہ وہ منجمد ہوتا ہے۔ اسی طرح دل میں جو شش

شوق کے لئے وسعت کافی نہیں (اور شوق کا تقاضا ہے کہ
دونوں جہان کو گھیر لے)

(۲) پاسخ "جواب" مکتوب "خط" فوقی حامد فرما "تحریر پر
مجبور کرنے والا شوق یعنی یہ تو چاہتا ہوں کہ خط کا جواب
کیوں دینے لگا۔ لیکن شوقی تحریر کا بچھ پر یہ ستم ہے کہ بغیر
توقع جواب مجبوراً خط لکھنا پڑتا ہوں۔

(۳) یعنی بہار کا اگر کوئی وجود مان بھی لیا جائے تو عارضی وجود و
مانا جاسکتا ہے۔ جس طرح رنگ و خیر عارضی کو قیام و دوام
نہیں بلکہ دوسرے جواہر پر عارض و لاحق ہوتے رہتے ہیں اس
مٹ جاتے ہیں۔ بہار کی مثال بھی یہی ہے کہ وہ گویا جو ہر خزاں
پرنشل رنگ، حنا عارض ہو جانے والی چیز ہے۔ اور یہی حال
عیش و نسیا کا ہے کہ وہ کبھی کبھی برائے چند سے کلفت خاطر
پر عارض ہو جاتا ہے۔

(۴) "مجھے دماغ نہیں" مجھ میں تاب و طاقت نہیں "خندہ ہاستے
بیجا" بے وجہ اور بے وقت کی ہنسی۔ یہاں خندہ نگل کی طرف اشارہ
ہے۔ یعنی غم فراق سے ہم میں سیر گل کی طاقت نہیں۔

(۵) "میر جوی" واقفیت یا قربت "ہر بن میو کا چشم بینا ہونا" یعنی
ہمہ تن چشم شوق و تجسس بن جانا مطلب ہے بادیو کہ میں ہر بن
چشم شوق و تجسس ہو گیا ہوں۔ لیکن ہنوز حقیقت حسن کی
واقفیت یا قربت یا معرفت میسر نہیں۔

(۶) ہم نے پہلے ہی تقاضہ میں ناز و ادا کو دل سے دیا کیونکہ

یہاں زیادہ تقاضوں کی برواشت نہ تھی۔

(۷) گریہ کا طبع حسرتِ دل کو قرار دیا ہے اور اس کی مقدار کی جانب لفظ دریا سے اشارہ کیا ہے۔ مطلب ہے کہ کوئی یہ نہ کہے کہ گریہ سے دل کی حسرت پوری ہوگی۔ کیونکہ تقاضائے حسرت تو گریہ دریا بار کے لئے تھا۔

(۸) کار خیرا "معشوق ستم پیشہ۔"

قطرہ سے بسکہ حسرت سے نفس پرورد	۱	خط جام سے سرا سر رشتہ کو سر ہوا
انتہا عشق کی خار نہ خورانی ویکھتا	۲	غیر نے کی آہ، لیکن وہ خفا بچھ پر ہوا

(۱) اس مطلع میں خیال ہے دقیق۔ مگر وہ کنہ و کاہ بر اور و ن یعنی لطف زیادہ نہیں۔ قطرہ ٹپکنے میں بے اختیار ہے۔ بقدر پاک و پیر بہ ہم زون ثبات قرار ہے۔ حسرت ازالہ حرکت کرتی ہے۔ قطرہ سے انراط حسرت سے ٹپکنا بھول گیا۔ برابر برابر بوندیں چوتھم کر رہ گئیں تو پیالی کا خط بصورت اُس تا گئے سکھ رہ گیا۔ جس میں موتی پروئے ہوں، (ماخوذ از مکتوب غالب موسوم قاضی عبد الجلیل صاحب جیل بریلوی)

(۲) ان کو اعتبار ہے کہ سوائے میر سے کوئی عاشق نہیں۔ اس لئے کہ میں ہی نالہ و آہ کیا کرتا تھا۔ لیکن اس اعتبار کی خانہ بربادی دیکھئے کہ اگر غیر نے بھی اتفاقاً کبھی آہ کر دی تو وہ بچھ پر خفا ہوئے۔

چہت تقریب سفر یار سے تحمل باندھا	۱	چہش شوق سے مرفورہ پہ اک دل باندھا
اہل پیش نے بہ حیرت کردہ شوخی ناز	۲	جو ہر آغیش کو ملو ملو ملو باندھا

یاس و امیں نے یک عریدہ میں اپنا گنا ۲۲ عجز حیرت نے طلسمِ دل بسملِ بازو
نہ بندھے تشنگی شوق کے مضمون غالب ۲۳ اگرچہ دل کھول کے دریا کو بھی ساحلِ بازو

(۱) مصرعہ اول صاف ہے۔ مصرعہ ثانی سے یا تو یہ مراد ہے کہ
پرتو حسن سے ہر ایک ذرہ جگمگا اٹھا اور چونکہ ذروں میں یہ چمک
تابِ جمالِ پار کی تھی اس لئے ذرہ و لستاں ہو گیا یا یہ کہ ذرہ ذرہ
میں شوقِ نظارہ جمالِ اس طرح معمور تھا۔ گویا ہر ذرہ ایک
دل پر ذوق تھا۔

(۲) اہلِ بنیش اہلِ نظر حیرت کردہ "مقام حیرت یا عالم حیرت
آفریں۔ حیرت و آئینہ میں رعایت ہے۔ اور لفظ حیرت و
بسل میں تقابل "جوہر" آئینہ ٹوٹا دین میں ہو یا تلوار و غیرہ پر
اس تاب کو کہتے ہیں جو چمک اور جھلکا ہٹ سے ٹکا ہوں
میں اس قسم کی خیرگی پیدا کر دیتی ہے اور یہ نقوش متحرک نظر آتے
ہیں اور اسی متحرک انوکھا منظر سبب سے بسمل بہت لطیف
تشبیہ ہے۔ اور چونکہ جوہر کچھ سبزی مائل نظر آیا کرتا ہے۔
اس لئے اس سبزی کو شعر کے یہاں طوطی سے تشبیہ دیتے ہیں
پس یہ سبزی جوہر جوہر کا اس متحرک شاعرانہ زبان میں طوطی
بسل ہے۔ مطلب ہے کہ اہلِ نظر شوقی ناز کے عالم حیرت
میں جوہر آئینہ کو طوطی بسمل شمار کرتے ہیں گویا آئینہ بھی اس کے
جلوہ کا شہید ہے۔

(۳) "عریدہ" لڑائی طلسم جا دو یا نجوم کے عجائبات و اسرار سے
تیار کیا ہوا مکان جس میں فریبِ نظر و خیال کے سوا کوئی

حقیقت نہ ہو ” ہجر ہمت “ پست ہمتی۔ مطلب یہ ہے کہ پست ہمتی
نے سائل یا طالب کے دل میں ایک وہی طور مار باند رکھا
ہے۔ جہاں یاس و اُمید کی ہنگامہ آرائیاں ہوتی رہتی ہیں
اگر ہمت عاجز نہ ہو تو فیصلہ کن عزم و استقلال سے بچاؤ
بمثلا سئے اوہام رہتے اور پس و پیش کرنے کے طلب حاصل
کی جاسکتی ہے۔

(۱) تشنگی ذوق “ مراد ذوق بھی۔ ” ساحل “ کو تشنگی اور تشنگ
لب لکھا جاتا ہے۔ تمام شعر میں رعایات لفظی ہیں۔ مطلب یہ ہے
کہ مضامین شوق لکھنے کی بھی کوشش کی۔ لیکن وہ جرات
کے بالمقابل وسعت الفاظ و بیان کا کافی ثابت ہوئی۔

میں اور بزم سے تھے کوشتہ کام آؤں ۱	اگر بیٹے کی بھتی تو ب ساقی کو کیا ہوا تھا
ہے ایک تیر تیر میں ڈیوں چھپے پر سے ہیں ۲	وہ دن گئے کہ اپنا دل سے جگر جدا تھا

۳	درماندگی میں غالب لہجہ بن پڑے تو جاؤں جب رشتہ بے گرہ تھا ناخن گرہ کشا تھا
---	--

(۱) تشنگی کام “ محروم۔ یعنی یہ قسمت کی بات ہے کہ بزم شہ سے
میں محروم واپس آ جاؤں۔ میں تائب سہی۔ ساقی کو تو اصرار
سے ملا دیتی ہی چاہئے تھی

(۲) ” درماندگی “ مصیبت۔ ” رشتہ بے گرہ “ سے عدم مشکل تعبیر
ہے۔ ” ناخن گرہ کشا “ یعنی تدبیر و چارہ کار کی قابلیت۔ مطلب
یہ ہے کہ مصیبت کے وقت کوئی تدبیر بن پڑے تو کام چلے۔ اس
سے کیا ہوتا ہے کہ جب کوئی مشکل ور پیش نہ تھی تو تدبیریں

سو جھتی بھینس اور اب کچھ نہیں ہو سکتا۔	
۱ گھر ہمارا جو نہ روئے بھی تو ویران ہوتا	۱ بھر گرجس نہ ہوتا تو بیابان ہوتا
۲ تنگی دل کا گلہ کیا یہ وہ کافروں ہے	۲ کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشانی ہوتا
۳ بعد ایک عمر درخ بار تو ویتا بارے	۳ کاش رضوان ہی ویرا کا دریاں ہوتا
<p>(۱) اپنے اس گھر کو جس میں گریہ ہوتا رہتا ہے۔ معرض طوفان میں بیان کر کے بحر سے تشبیہ دیتے ہوئے دوسرا نتیجہ ظاہر کیا ہے یعنی جس طرح ویرا کی جگہ اگر ویرا نہ ہوتا تو ویرانی ہوتی اسی طرح ہمارے گھر میں کوئی نہ کوئی بربادی ضرور ہوتی رونا نہ ہوتا کوئی اور آفت ہوتی۔</p> <p>(۲) "تنگی دل" عکسینی لہال۔ تنگ و پریشان کے لغوی معنی متضاد ہیں۔ لیکن دل کے ساتھ دونوں مترادف ہو جاتے ہیں۔ مطلب ہے کہ کجخت دل ایسی بڑی چیز ہے کہ ہر حال میں عکسینی یقینی بنتی۔ یعنی اگر دل تنگ نہ ہو تو پریشان ہوتا۔</p> <p>(۳) "درخ" شہادت گزاری و تقویٰ۔ "رضوان" دربان جنت یعنی کاش تیرے آستانہ کا دربان رضوان ہی ہوتا جو ایک عمر کی پرستش کے بعد تیری بزم میں پہنچنے کی اجازت دے دیتا۔</p>	
۱ نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا	۱ ڈوبو یا مجھ کو ہولے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا
۲ ہو واجب غم سے یوں بھیں تو غم کیا سر کٹنے کا	۲ نہ ہوتا اگر جراثیم سے تو زانو پر دہرا ہوتا
۳ ہوئی مدت کہ غالب مر گیا پر یاد آتا ہے	۳ وہ ہر اک بات پر کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا

(۱) ”جب کچھ نہ تھا۔“ جب یہ عالم کثرت و تعینات نہ تھا تو صرف ذات الٰہی تھی۔ اسی طرح اگر یہ کثرت و تشخصات نہ ہوتے تو محض ذات محبت ہوتی۔ پس مجھ کو میرے وجود نے مبراہ ذات سے بھید کر دیا۔ اگر یہ میرا وجود مشخصہ نہ ہوتا تو میں عین ذات ہوتا۔

(۲) غم سے دماغ ایسا بے حس ہو گیا تھا کہ غم کا بھی احساس باقی نہ رہا تھا۔ پھر ایسے سر کے کٹنے کا غم ہی کیا اگر تن سے جدا نہ ہوتا تو زانو پر دھرا ہوتا۔

(۳) یعنی افسوس مدت ہوئی کہ غالب مر گیا لیکن اس کی یہ بات کس قدم یاد آتی ہے کہ ہر بات پر ارمان و تمنا سے کہا کرتا تھا کہ بچوں ہوتا تو کیا ہوتا۔ یعنی یوں ہوتا تو کیسا لطیف ہوتا۔ ایسا ہوتا تو کیسے مزے کی بات تھی۔ یا آپ میرے گھر آتے تو کیسی اچھی بات تھی۔ یا آپ مجھ سے وفا و محبت کرتے تو کیا کہنا تھا (الی غیر النہایت)

۱	ایک ذرہ زمیں نہیں بے کار باغ کا	۱	یاں جادہ بھی فنیلہ ہے لالے کے داغ کا
۲	بے سے کسے ہے طاقت آشوب آگ کی	۲	کھینچا ہے عجز و وصلہ نے خط ایلغ کا
۳	بیل کے کار و بار پہ ہیں خندہ ٹلے گل	۳	کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے باغ کا
۴	”نازہ نہیں ہے نشہ فسر سخن مجھے	۴	تربیا کئے قدیم ہوں درد چراغ کا
۵	سو بار بن عشق سے آزاد ہم ہوئے	۵	پر کیا کریں کہ دل ہی عدو ہے ذراغ کا
۶	بے خون دل ہے چشم میں موج تگر غبار	۶	یہ میکہ خراب ہے سے کے سراغ کا

(۱) ”جادہ“ خط راہ ”فنیلہ“ بتی۔ ”ذراغ“ چراغ سے استعارہ ہے۔

چراغ کے شعلہ اور لالہ میں قتیلہ اور جاوہ میں تشبیہات ہیں یعنی زمین چمن کی ہر چیز مناسب رکھتی ہے حتیٰ کہ خط راہ (جو پھولوں سے خالی ہوتا ہے) یہی قتیلہ چراغ لالہ کے مثل ہے۔

(۳) ”آگہی“ عقل و ہوش۔ ”خط کھینچنا“ کاٹ دینا۔ ”عجز حوصلہ“ ضعف ہمت۔ ”خط کھینچنا“ یعنی کاٹ دینا، غلط کر دینا اور خارج کر دینا۔ ایسا۔ جام سے یعنی بغیر شراب کے مجھ میں تکلیفات عقل و ہوش برداشت کرنے کی طاقت نہیں۔ اور اسی سے حوصلگی کی وجہ سے میں بادہ کشی کرتا ہوں۔ تو گویا اس عجز ہمت نے (کہ بغیر مے کے تکلیفات عقل برداشت نہیں ہوتیں) فسادات عقل پر خط ایسا کھینچ دیا ہے۔

(۴) ”کار و بار“ مراداً حرکات و سکنات۔ یعنی بلب کی حرکتوں کی پھول منسی اڑاتے ہیں گویا عشق و پیا انگی ہے کہ تسخیر کیا جاتا ہے۔ یاد پیا انگی عشق ہی کا یہ کرشمہ ہے کہ خود پانے ہی ”ٹھک“ کے لئے بچوں کو پھول بنا دیتی ہے۔

(۵) ”ترباک“ کاجل۔ ”دوہ دھواں“ مطلب صرف یہ ہے کہ میری مشق سخن بہت دیرینہ ہے۔

(۶) یعنی دل ہمیشہ مبتلائے عشق ہوتا رہتا ہے اور افسانہ طبیعت ہی کچھ ایسی ہے۔

(۷) ”میکرہ“ استعارہ چشم۔ ”مے“ تشبیہ و استعارہ خون دل۔ ”سراغ“ پتہ نشان۔ یعنی جس طرح جستجوئے شراب میں خالی میکہ میں

خاک سی اڑتی رہتی ہے اسی طرح بغیر خوشنشانے ہائے حسرت کے
میری موج نگاہ غبار آلود ہوتی ہے۔

۱	راز مکتوب بہ لبے ربطی عجیبوں سمجھا	۱	وہ مری چین چین سے غم نہماں سمجھا
۲	چاک کترا ہوں میں جوتے کہ گریباں سمجھا	۲	ایک الف بیش نہیں صیقل آئینہ ہنوز
۳	اس قدر تنگ ہوا دل کہ میں نداں سمجھا	۳	شرح اسباب گرفتاری خاطر مدت پہ چھو
۴	میں پہ ہر قطرہ عرق دیدار حیراں سمجھا	۴	بدگمانی نے نہ چاہا اسے سرگرم خرام
۵	بہمنہ خس سے تپش شعلہ سوزاں سمجھا	۵	بچر سے اپنے یہ جانا کہ وہ بد خو ہو گا
۶	ہر قدم سائے کو میں اپنے شہستاں سمجھا	۶	سفر عشق میں کی ضلالت راحت طلبی
۷	رفع پیکان تھما اس قدر آساں سمجھا	۷	تھا گریزاں مژدہ پار سے دل تا دمِ حرکت

دل دیا جہان کے کیوں کہ کو دنا دار انتہا
تعلیٰ کی کہ جو کا فسر کو مسلمان سمجھا

(۱) ”لبے ربطی“ ابتری ”عنوان“ سرنامہ۔ ”بہ ربطی“ سے چین چین کا استعارہ کیا ہے اور مکتوب سے دل کا۔ عنوان سے پیشانی کا مطلب صاف ہے کہ اس سے میری چین چین سے میری پریشانی خاطر کا اندازہ لگا لیا۔

(۲) گریبان سے مراد علائق دنیوی۔ آئینہ دل کا استعارہ ہے یعنی علائق دنیوی کے ترک کر دینے پر بھی کامل عفا سے قلب متسر نہیں اور چلائے قلب ایک الف سے زیادہ نہیں یعنی بالکل ہی ابتلا ہے۔ نیز (الف) سے گریبان کی تشبیہ بھی مقصود ہے۔

(۳) ”شرح“ تفصیل یعنی اسباب گرفتاری کی تفصیل کیا پوچھتے ہو۔

دل اس قدر تنگ ہو گیا کہ اس کی تنگی کو میں تنگی نہ مان سکتا تھا۔
یاد دل کی تنگی سے معلوم ہوا کہ میں زندانیِ عشق ہوں۔ اور یہی
اسباب گرفتاری کی تفصیل ہے۔

(۴) ”سرگرم“ مصروف۔ ”عرق“ پسینہ۔ یعنی بدگمانی سے یہ
گوارا نہ ہوا کہ وہ مصروف آمد و رفت رہیں اور اسی بدگمانی سے ان کے
چہرہ کا ہر قطرہ عرق چشمِ غیر معلوم ہوتا تھا۔ دگیا اغیار کی نگاہیں
ان پر پڑی ہیں اور شرم سے ان کو پسینہ آگیا ہے۔ دس آنکھ لیکہ
وہاں نزاکت سے آمد و رفت کی مشقت عرق ریزی تھی۔

(۵) ”بچہ“ ضعیف۔ کم ہمتی۔ ”بدخ“ پیغمبر مزاج۔ ”خس“ تنکا۔ ”بہمن“
محض مزاج اور پیش کی رعایت سے لائے ہیں۔ مطلب ہے کہ
کہ میری ضعیف انجیالی اور کم ہمتی تھی کہ اس کو آتش مزاج سمجھ
لیا اور اس کی شعلہ خونی کی جو میری ضعیف انجیالی سے پیدا
ہوئی مثال ایسی ہے کہ یا یہ شعلہ تنگے سے پیدا ہوا۔

(۶) ”شبستانِ انا مگاہ“ یعنی سفرِ عشق میں مجھ کو ناقہانی نے
ایسا راحت طلب بنا دیا ہے کہ ہر ایک قدم پر اپنے سایہ کو
شبستان سمجھتا ہوں۔

(۷) مرتے دم تک مرثگانِ یار سے بچنا چاہتا تھا اور اس پیرِ قضا
کو خطا کرنا آسان سمجھتا تھا۔ لیکن نہ بچ سکا اور اسی کا نشانہ ہو کر
ہلاک ہوا۔

(۸) ”کافر“ بیوفا۔ ”مسلمان“ لفظی رعایت کے طور پر بعضی وفادار
استعمال ہوا۔

۱	پھر مجھے دیدہ تر یاد آیا	۱	دل، جگر، تشنہ فر یاد آیا
۲	وہ لیا تھا قیامت نے ہنوز	۲	پھر تر او قبت سفر یاد آیا
۳	سادگی اسے تمنا یعنی	۳	پھر وہ نیرنگ نظر یاد آیا
۴	عذر ومانہ گی اسے حسرتِ تل	۴	نالہ کرتا تھا جگر یاد آیا
۵	زندگی میں بھی گزر ہی جاتی	۵	کیوں تر راہ گزر یاد آیا
۶	کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی	۶	گھر تر اخسلہ میں گر یاد آیا
۷	آہ وہ جرات فر یاد کساں	۷	دل سے تنگ آ کے جگر یاد آیا
۸	پھرتے کو پچھے کو جاتا ہے خیال	۸	دل گم گشتہ گم یاد آیا
۹	کوئی ویرانی سے ویرانی ہے	۹	دشت کیو دیکھو کے گھر یاد آیا

۱۰ میں نے مجھوں پہ لڑپن میں اسد
سنگ اٹھایا تھا سر یاد آیا

(۱) یعنی دل و جگر کی تشنگی فر یاد نے مجھے چشم اشک نشاں
کی یاد دہانی کی۔

(۲) یعنی تیری جہان کا اضطراب کم نہ ہونے پایا تھا کہ وقت جہان
کی یاد نے تازہ محشرستان بیقرار ہی بنا دیا۔

(۳) ”سادگی“ ناوانی مراد ہے ”نیرنگ نظر“ سحر گاہ۔ جاو چشم
یعنی افسوس تمنا کی فریب خوردگی تو دیکھو کہ پھر وہی پڑن یاد آ
رہا ہے۔

(۴) ”وامانہ گی“ مجبوری و بے بسی ”عذر ومانہ گی“ کے بعد مجھے
ہے ”مخدوف ہے“ یعنی اسے حسرتِ دل مجھے یہ عذر بے بسی
ہے کہ نالہ کرتے کرتے جگر کے شق ہو جانے کا خیال گزرا۔

(اور خاموش رہ گیا)

(۵) زندگی تو کسی نہ کسی طرح گزری جاتی ناحق تیرے رہ گزر کے

شوق نے سرِ راہ (ٹھوکروں میں) لاکر ڈال دیا۔

(۶) یعنی رضوان سے تیرے گھر کی تعریف کروں گا وہ فرود میں

بریں کی قصیدہ خوانیاں کرے گا یا وہ جنت میں رکھا جائے گا

اور میں تیرے گھر کی راہ لوں گا۔ بہر حال اگر تیرا گھر یاد آیا جنت

میں رضوان سے لڑائی ہوگی۔

(۷) یعنی ہائے وہ جرات فریاد کہاں جو جگر گدازی سے قبل تھی۔

اب دل سے بالوس ہو کر جگر کو یاد کرتا ہوں۔ چونکہ اُس وقت

تک کہ جگر شکستہ ہوا تھا فریاد کی پوری طاقت موجود تھی۔

(۸) دل تو تیرے ہی کوچہ میں گم ہو چکا ہے اب جو تیرے

کوچہ کا خیال آ رہا ہے شاید یہ دل کی یاد ہے۔

(۹) یعنی جنگل کی ویرانی دیکھ کر اپنا گھر یاد آیا جس کی ویرانی

اس کی مماثل تھی۔

(۱۰) بھنڈوں پر ہم نے لڑپکین میں پتھر اٹھایا تھا کہ اپنے سر کا

خیال گذرا کہ یہی نوبت آئے۔ کہیں ہمارے سر کی نہ ہو۔

ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا

آپ آتے تھے مگر کوئی عنان گیر بھی تھا (۱)

تم سے بے جا ہے مجھے ہٹی تباہی کا گلہ

(۲)

اس میں کچھ شائبہ خوبی تقدیر بھی تھیں

تو مجھے بھول گیا ہو تو پست بتلا دوں (۳)

کبھی فتراک میں تیرے کوئی پنچیر بھی تھا

(۴) قید میں ہے تیرے وحشی کو وہی زلف کی یاد
ہاں کچھ اک رنج گراںباری زنجیر بھی تھا

(۵) بجلی اک کوہ گئی آنکھیں کے آگے لڑکیا
بات کرتے کہ میں لب تشنہ تقریر بھی تھا

(۶) یوسف اس کو کہوں اور کچھ نہ کہے خیر ہوئی
گر بگڑ بیٹھے تو میں لایق تعزیر بھی تھا

(۷) دیکھ کر غصہ کرو ہو کیوں نہ کلیجہ ٹھنڈا
نالہ کرتا تھا دلے طالب تاثیر بھی تھا

(۸) پیشے میں خیب نہیں رکھئے نہ ترا دو کو نام
ہم ہی آشفہ مشول ہیں وہ جواں میر بھی تھا

(۹) ہم تھے مرنے کو کھڑے پاس نہ آیا نہ سہی
آخر اس شعر کے ترکش میں کوئی تیر بھی تھا

(۱۰) پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدھی کوئی ہمارا دم تحسیر بھی تھا

(۱۱) یعنی آپ کو جو آئے ہیں دیر ہوئی یقیناً کوئی روکنے والا بھی
ہو گا۔

(۱۲) آپ سے ناحق مجھے اپنی بربادی کا شکوہ ہے۔ میری
تباہی میں تو میری بد قسمتی کا حصہ شامل ہے

(۱۳) "فتراک" جس میں شرکار رکھتے ہیں پنچیر چھپا ہوا۔ یعنی جو
کبھی تیرے فتراک میں پنچیر تھا، میں وہی تو ہوں۔

(۴) "توحشی" دیوانہ الفت مراد ہے۔ یعنی قبی۔ میں بھی تیرے دیوانہ عشق کو تیری ہی زلف کی یاد ہے۔ اور نہ بچیر کی انباری بھی صرف یوں محسوس ہوتی ہے کہ کہاں وہ زلف لطیف و مشکبو اور کہاں یہ وزن آہنی۔

(۵) بجلی ایک کوند گئی۔ یعنی نظر کے سامنے آتے ہی چھپ گئے۔ "لب تشنه" طلب گار۔ مطلب ہے کہ تم نگاہ کے سامنے آتے ہی روپوش ہو جاتے ہو۔ اس سے بھلا کیا تسکین قلب ہو سکتی ہے ذرا ٹھیرتے بات کر سکتے حال پوچھتے کیونکہ میں گفتگو کا طالب بھی تھا۔

(۶) "لایق تفسیر" قابل منرا۔ یعنی جمال یوسفی سے اس حسن مطلق کی تمثیل تو ہیں۔ میں اس غلط تشبیہ کا مجرم ضرور تھا۔ (۷) یعنی غیر کو اس حال میں دیکھ کر کہ وہ نالہ کر رہا تھا اور کوئی تاثر نہ تھی، میرا کلیجہ کیوں ٹھٹھانے لگا کہ وہ کیونکہ میں اس کی اسی حالت غیر کا متحقی تھا۔

(۸) یعنی فریاد کا پیشہ سنگ تراشی سی۔ پیشہ میں عیب ہی کیا ہے وہ ہمارے گروہ عشاق میں شامل تھا۔ (۹) یعنی ہم تو ملنے کے لئے نہیں بلکہ مرنے کے لئے کھڑے ہوئے تھے۔ وہ نہ آیا۔ خیر لیکن کیا اس کے ترکش میں کوئی تیز بھی نہ تھا کہ وہیں سے چلا کے ہلاک کر دیتا۔

(۱۰) یعنی کراٹا کا تہین کے لکھنے پر عذاب و عقاب کا مارا۔ کیوں ہے۔ دم تحریر ہمارا جانب ابر بھی تو ہونا ضروری تھا تاکہ

اُن کی تحریری مطلق العنانی اور افراط و تفریط کا اندازہ ہوتا۔

۱۔ لب خشک در شنگی مروگان کا	۲۔ زیارت کدہ ہوں دل آرزوگان کا
ہمہ نا اُمیدی ہمہ بدگمانی	۳۔ میں دل ہوں فریب و قافور دگان کا

(۱) اپنی ہستی سہرا یا الم کو پیاس کی شدت میں مرنے والے کے لب سے تمثیل کیا ہے اور ”مروگان“ کی رعایت سے دوسری تعبیر زیارت کدہ اہل درد سے کی ہے۔ یعنی میں اُن لوگوں کا لب خشک ہوں جو شدت پیاس سے جاں دے گئے ہوں اور ستائے ہوئے دلوں کا زیارت کدہ ہوں۔

(۲) ”فریب خور دگان“ دھوکا کھائے ہوئے۔ دھوکا کھاکر آدمی میں احتیاط زیادہ ہوتی ہے (ہمیں کاٹا ہے جب سے سانپ نے رسی سے ڈرتے ہیں) پس ایسا دل جو معشوق کے ظلم و ستم کو وفا سمجھنے کے بعد ہوشیار ہوا ہو بہت ہی باخبر۔ لیکن مایوس ہونا چاہیے۔ چنانچہ شکر کا بھی مفہوم ہی ہے کہ اس دل کی طرح جو فریب و قافو کھا چکا ہے میں اب ہمہ تن نا اُمیدی و بدگمانی ہوں۔

۱۔ چھوڑا مہم خشک کی طرح درست قصانے	۱۔ خورشید منورائیں کے برابر نہ ہوا تھا
۲۔ توفیق باندازہ ہمت ہے ازل سے	۲۔ آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر ہوا تھا
۳۔ جب تک کہ نہ دیکھا تھا قید یار کا عالم	۳۔ میں معتقدِ فتنہ محشر نہ ہوا تھا
۴۔ میں سادہ دل آرزو گئی یار سے خوش ہوا	۴۔ یعنی سبق شوق مکرر نہ ہوا تھا
۵۔ دریا سے معاصی تنک آبی ہو خشک	۵۔ میرا سیر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

۶۔ جاری تھی آست۔ رخ جگر سے مری تمثیل

	+ آشکرہ جاگیر سمندر نہ ہوا تھا	
	<p>(۱) "تحصیل" حاصل و لفع کو کہتے ہیں یہ لفظ جاگیر کی رعایت سے استعمال ہوا ہے۔ آشکرہ جگر سے استعارہ ہے سمندر اس کی طرح کہتے ہیں جو آگ میں پیلا ہوتا اور پرورش پاتا ہے۔ مطلب صرف یہ ہے کہ داغ ابھی اتنا نہ ہوا تھا کہ سارے جگر پر مادی ہو جاتا۔ بلکہ ابھی کچھ کچھ خون بھی جگر میں باقی تھا جو آنکھوں کی راہ نکلتا رہتا تھا اور یہ تحصیل آشکرہ سے جاری تھی۔</p>	
	<p>مثبت کہ وہ مجلس فروز خلوت ناموس تھا (۱) رشتہ ہر شمع خار کسوت فانوس تھا مشہد عاشق سے آگئی ہے جو کوسوں تک حنا (۲) کس قدر یار ہلاک حسرت پالوس تھا حاصل الفت نہ دیکھا جز شکست آرزو (۳) دل بدل پیوستہ گیا ایک لب افسوس تھا کیا کہوں بیماری غم کی فراغت کا بیاں (۴) جو کہ کھایا خون دل بے منت کیوس تھا</p>	
	<p>را "ناموس" راز مجلس فروز "محفل روشن کرنے والا رولٹ محفل۔ انجمن آراء شمع کی رعایت سے مجلس فروز استعمال کیا گیا ہے "خلوت" تنہائی "رشتہ شمع" بتی "کسوت" پیراہن جامہ "خار کسوت" محاورہ قادی میں بھٹی پڑی چینی استعمال ہوتا ہے۔ "فانوس" شمع دان۔ مطلب یہ ہے کہ رات</p>	

بزمِ راز میں اُن کے تاب و جمالِ حسن کا یہ عالم تھا کہ ہر رشتہ
شمعِ لباسِ فاؤس کے لئے گویا خارِ کسوت تھا یعنی اُن کی مجلس
فروزی سے شمعِ حسد میں جلتی تھی۔ اور اُن کے حسن و جمال کے
سامنے شمع کی روشنی ناتواں تھی۔

(۲۰) جس طرح مزارِ پرزگس کے پھیل کھلا کر شعرا حسرتِ انتظار
کا مہمّون باندھتے ہیں۔ اُسی طرح اُنستائوں نے یہاں مہدی
اُنکائی ہے۔

(۲۱) ”خاضل“ نتیجہ ”شکستِ آرزو“ خونِ تمنا۔ پیوستگی لب
کی رعایت سے دل بدل پوششہ کا استعارہ الفت کے لئے
استعمال ہوا ہے۔ مخاورہ میں بھی دل ملنا محبت کے معنی ہیں
”تا ہے۔ یعنی محبت کا نتیجہ سوا خونِ تمنا کے کچھ نہیں گیا۔ دو
دلوں کا ملنا پیوستگی لبِ افسوس کے مشابہ ہے۔

(۲۲) ”کیموس“ جگر کے اس فعل پر ضم کو کہتے ہیں۔ جس سے غذا خون
بنتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم غم کی آسانی کیا بیان کریں کہ
اس میں خونِ دل کھانا ہوتا تھا۔ اور جب خون ہی کی غذا ہوگی
تو ظاہر ہے کہ عملِ کیموس کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ یا اس
لئے کہ یہ غذا منہ سے نہیں کھائی جاتی بلکہ اندر ہی اندر
خون خشک ہوتا جاتا ہے، اس لئے خونِ دل کھانے میں کیموس
کا کیا احسان۔

۱	صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غور تھا	آئینہ دیکھو، اپنا سا منہ لپکے رو گئے
۲	اُس کی خطا نہیں ہے، یہ میرا قصور تھا	قاصد کو اپنے ہاتھ سے گریز نہ دے

(۱) یعنی عشق کو یہ زخم و دھوی ہو گا کہ ہمارا دل کوئی نہیں لے سکتا
یا ہم کو کسی کا عشق نہیں ہو سکتا۔ آئینہ چو دیکھا تو دھوئے
باطل شرمندہ ہوئے۔ ہوش جاتے رہے۔ حضور اپنے اوپر
آپ فریفتہ ہو گئے۔

(۲) اپنے ہاتھ کے اشارہ پر اقبال جرم پیغام میں اس رشک
کا اظہار بھی ہے کہ وہ کسی اور کو اپنے ہاتھ سے کیوں قتل کریں
اُن کے ہاتھ سے قتل کے مستحق و مستوجب تو ہم ہی ہوتے
چاہئیں۔

۱	عرض نیاز عشق کے قابل نہیں رہا	۱	جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا
۲	جاتا ہوں دل غمِ حسرت ہستی لئے ہوئے	۲	ہوں شمعِ کشتہ، ورنہ محفل نہیں رہا
۳	مرنے کی اسے دل اور ہی تدبیر کریں	۳	شایان دست و بازوئے قابل نہیں رہا
۴	بروئے شش جہت در آئینہ باز ہے	۴	یاں امتیازِ ناقص و کمال نہیں رہا
۵	و اگر دیئے ہیں شوق نے بزدلیاں حسن	۵	غیر از نگاہِ اب کوئی حائل نہیں رہا
۶	گو میں رہا، رہیں ستم اسے روزگار	۶	لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا
۷	دل سے ہوائے کشت و فامنگی کے وال	۷	حاصل ہوائے حسرت حاصل نہیں رہا

بیداد عشق سے نہیں ڈرتا مگر اسد

جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

(۱) عرض "اظہار" ناز و نیاز رعایات لفظی ہیں (مطلب صاف
ہے اور شعر عجیب حال میں کہا گیا ہے۔

(۲) "واغ" رعایت ہے "شمع کشتہ" کی "حسرت ہستی" زندگی
کی طلبِ محروم۔ شمع کشتہ تمثیل ہے "از حسرت ہستی لیکر

مر جانے کی۔ محفل پر عایت شمع عالم ہستی سے استعارہ ہے بطلب
ہے کہ ناکارہ روز نگار ہوں۔ دنیا میں رہنے کے قابل نہیں
اور مرتا ہوں۔

(۳۳) شعر صاف ہے۔ البتہ لفظ شایان معنی خیر ہے یعنی دوست
و ہاروئے قاتل (مضائق) کے لائق تو وہی ہو سکتا ہے جس پر
محض قاتل ہی کے وار ہوں یعنی ہلاکت گاہ عشق کے قابل وہی
آزاد و سہم ہے جو آلام و مصائب مایوسئے العشق سے نیم جاں
اور نیم مردہ نہ ہو چکا ہو یا ان کے ہاتھ سے قتل ہوئے
کے لئے تو کوئی اچھا تندرست آدمی ہونا چاہئے اور میں تو
پہلے ہی نیم مردہ ہوں۔

(۳۴) ہاروئے شش جہت "سارے زمانہ کے قابل یا سارے
جہان کے واسطے" آئینہ "عالم حیرت یا پر تو فیضانِ غیب
یعنی حامی اور صاحب بصیرت، عالم و جاہل الٰہی قرب و اہل
بعد عارف و سادک اور مجبول و گمراہ سارا جہان مبتلا ہے
حیرت ہے اور حقیقت شناسی سے عاجز یا پر تو فیضانِ غیب
سے کوئی محروم نہیں اور بلا امتیازات ظاہری انوارِ فطرت
و قدرت سے سب مستفیض و مستبصر ہوتے ہیں۔

(۳۵) متصوّرانہ نقطہ نظر سے کمال دید یہ ہے کہ طالبِ دید ہمہ
نہ دید۔ اور جو مستغرق اور فانی ہو جائے۔ یہاں
ایک دیکھنے والا اور جس کو دیکھا جائے دونوں ایک ہو جائیں
اور نہ دیکھنے کا امتیاز و حجاب باقی نہ رہے۔ اس شعر کا

بھی یہی مطلب ہے کہ اب سوائے نگاہ کے کوئی چیز حال نہیں
ہے اور شوق نے نقاب حسن کے بند کھول دیئے ہیں یعنی
روئے زیبا پر کوئی نقاب و حجاب نہیں رہا۔

(۷) یعنی اگرچہ میں دنیاوی مصائب میں مبتلا رہا لیکن تجھے
کبھی نہیں بھولا (نہایت لطیف جملہ ہے)

(۸) ”ہوا“ خواہش و طلب ”کشت“ کھیتی ”حاصل“
اصطلاح زرعی میں پیداوار کو اور عام طور پر نفع کو کہتے ہیں۔
یعنی اب وفاداری کا دلولہ باقی نہیں ہے کیونکہ سوائے اس کے
کہ تمنا پوری ہونے کی تمنا کی جائے اصل تمنا پوری نہیں ہوتی۔
(۹) یعنی تکلیفات عشق سے میں ڈرتا نہیں لیکن وہ دل باقی نہیں
جس پر مجھے ناز تھا کہ سب کچھ برداشت کر سکوں گا۔

رشتک کہتا ہے کہ اسکا غیر سے خلاص حریف

(۱) عقل کہتی ہے کہ وہ بے ہر کس کا آشنا

ذرتہ ذرتہ ساغر سے خانہ نیرنگ سے

(۲) گردش مجنوں بچشمک ہائے لیلا آشنا

شوق ہے سماں طراز نازش ارباب عجز

(۳)

ذرتہ صحرادستگاہ قطرہ دریا آشنا

شکوہ سبج رشتک ہمدیگر نہ رہنا چاہیے

(۴)

میرا زالو مونس، اور آئینہ تیرا آشنا

میں اور اک آفت کا ٹکڑا وہ دل و دشتی کہ ہے

(۵)

عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا

	کوہن نقاش کی مثال شیریں تھا اسے سنگ سے ہر مار کر ہووے نہ پیدا آسکتا	(۶)
--	--	-----

(۱) رشک سے پرشہ ہو تا ہے کہ اُس سے اغیار کے مراسم
اُس میں لیکن عقل و غور سے پرشہ منٹ جاتا ہے کیونکہ بھلا
وہ ناہربان، بیوفاکس کا دوست ہو سکتا ہے۔

(۲) ”ساغر“ جام سے۔ میخانہ نیرنگ سے مراد نظام سیارگان
یا افلاک ہیں یعنی ہر ذرہ و ذرہ میخانہ نیرنگ کا ایک ساغر ہے
جو گردش و انقلاب پذیر ہے۔ اسی طرح مجنوں کی وحشیانہ جولانیاں
بھی لیلیٰ کی نگاہ کی گردشوں سے وابستہ ہیں بگو یا مجنوں
کی قسمت پر لیلیٰ اسی طرح حکومت کرتی ہے۔ جس طرح
انقلاب ارضی و سماوی پر کارکنان قضا و قدر یا سیارگان
طالع یا ”میخانہ نیرنگ“ ذات قادر و قیوم سے استعارہ ہے
اور گردش کی رعایت سے ذرہ کو ساغر سے تشبیہ دی ہے
مطلب ہے کہ جس طرح مجنوں کی گردش قیمت یا وحشت
خرابی لیلیٰ کے ایک اشارہ چشم پر منحصر ہے۔ اسی طرح اس
کائنات کا ایک ایک ذرہ اُس ”میخانہ نیرنگ“ کا ساغر
ہے جو حرکت، گردش اور انقلاب میں سرگرداں ہے۔

(۳) ”شوق“، جوش طلب۔ ”ساماں طراز“ سبب ”نازش“
فخر و شرف۔ ”ارباب بھر“ منکر المزاج لوگ۔ ”صحرای“ ریگزار
”دیا“ سمندر، محیط، نا پیدا کنار۔ یعنی عالم انسانیت میں باعث
شرف جوش طلب، انی اور ولولہ عرفان ہے اور یہی معرفت

و طلب کا شرف اس میں ایسی حقیقی نسبت قائم کر دیتا ہے جو
قطرہ کو دریا سے اور ذرہ کو صحرا سے ہے۔

(۴) "میں" کی تقابلی معنی آفریں ہے۔ مطلب ہے کہ میں تو
عافیت طلب اور عزت پسند ہوں اور دل ایسا آفت کا
مکڑا ہے جو عافیت کا دشمن اور آوارگی کا شکار ہے۔

(۵) شعرا زانو کو آئینہ سے استعارہ کرتے ہیں اور اس شعر
میں بھی "ہمدیکہ ثبوت" ہے۔

(۶) "تمثال" تصویر۔ یعنی فرہاد تصویر شیریں کا نقاش تھا
سنگ تراشی کرتا تھا۔ یہ لاکھیں پتھروں سے سر کھوڑنے سے
معشوق ملا کرتے ہیں۔ گویا سنگ تراشی سے تصویر بنائی اور
نہر کھودی جاسکتی ہے۔ لیکن معشوق حاصل کرنے کے لئے
جذبِ کامل کی ضرورت ہے۔

ذکر اس پری وش کا اور پھر ہیاں اپنا
(۱) بن گیا رقیب آخر تھا جو راز داں اپنا

مے وہ کیوں بہت پیٹے، بزمِ غم میں یارب
(۲) آج ہی ہوا منظور اُن ممتحان اپنا

منظر اک بلند سی پراور ہم بنا سکتے
(۳) عرش سے اُدھر ہوتا کاش کے مکاں اپنا

دے دے جس قدر ذلت ہم ہنسی میں ٹالیں گے
(۴) بارے آشنا نکلا اُن پاسبان اپنا

درود دل لکھوں بکتک جاؤں اُن کی دکھلاؤں
 انگلیاں تگرا اپنی خامہ خوں چکاں اپنا (۵)
 گھستے گھستے مرٹ جاتا آپ نے عبت بدلا
 ننگ سجدے سے نیرے ننگ استاں اپنا (۶)
 تاکرے نہ غمازی کر لیا ہے دشمن کو
 دوست کی شکایت میں ہم نے ہم زباں اپنا (۷)
 ہم کہاں کے دانا تھے، کس ہنر میں یکتا تھے
 بے سبب ہوا غالب دشمن آسماں اپنا (۸)

(۱) ایسے حسین و پر ہی جمال کا تذکرہ۔ اور پھر ہماری تحسین عشق
 آمیز اور رنگین بیانی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سننے والا بھی عاشق ہو گیا
 اور رقیب بن گیا۔

(۲) بھلا وہ بزمِ خیر میں اتنی شراب کیوں پیتے کہ متوالے اور
 مدہوش ہو جاتے مگر یہ میری بد قسمتی ہے کہ انہیں بزمِ خیر میں
 اپنے ظرف کی آزمائش مد نظر ہو گئی۔

(۳) اگر ہمارا مکان عرش سے اس طرف ہوتا تو عرش کو نظر نگاہ
 ٹھہرتے لیکن اپنا مقام عرش والا مکان ہے جو بلندی کا منتہا
 ہے اور اب کوئی بالائی فضا باقی نہیں گویا مدارجِ عروج و
 کمال سب طے ہو چکے اور بہت اور سعی طلب ابھی تازہ
 ہیں۔

(۴) یعنی ہم نے تو یہ ارادہ کر لیا تھا کہ اُن کے پاسان کی وی
 ہوئی سب ذلتیں گوارا کر لیں گے اور اُن تک پہنچیں گے۔

لیکن وہ شناسا بکلا اور ذلتوں کی ذہبت نہ آئی۔

(۵) دل کا حال لکھتے لکھتے انگلیاں زخمی ہو گئیں اب آخر کہاں تک لکھوں بہتر یہی ہے کہ اپنی خون نشاں انگلیاں اُن کو خود جا کر دکھلا دوں، کہ حضور کو حال لکھتے لکھتے یہ عالم ہو گیا اب تو خبر لو۔

(۶) آپ نے اپنا سنگ در میفائدہ تبدیل کر دیا اس صحنہ میں کہ یہ کیوں اس پر سچا کرے، مگر وہ تو خود میرے سچا کی ذلت و شرم سے گھستے گھستے باقی نہ رہتا۔

(۷) غمازی "چغلی معشوق کی بیوفائی کی شکایتوں میں ہم نے رقیب کو بھی اپنا ہمزبان بنالیا ہے (یعنی وہ بھی شاکہ ہو گیا ہے) تاکہ وہاں جا کر چغلیاں نہ کھائے۔

(۸) اہل ہنر و کمال سے تو فلک کی دشمنی مشہور ہے لیکن ہم تو کچھ ایسے ہنرمند اور عاقل نہ تھے آسمان ہیو جہ ہمارا دشمن ہو گیا۔

۱	کہ ہے چشم خریدار پہ احساں میرا
۲	تیرے چہرے سے عیاں ہو غم نہاں میرا

(۱) حسن رہگذر و سرور ہمسایہ وغیرہ سے جس طرح بلا کہ و کاوش اور بلا قیمت کے لذت حاصل کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح میرا کلام آنکھوں میں نور بصیرت اور راحت نظر کا باعث ہوتا ہے یعنی ایک سرمہ مفت ہے جس کی قیمت سوائے اس کے کچھ نہیں کہ آنکھوں پر ایک احسان بے معاوضہ باقی نہ رہ جائے۔

(۲) ظالم مجھے نالہ و آہ کی اجازت دیا ہے تاکہ سوز میں کچھ تو

کی ہوتی رہے ورنہ قبط سے اور دل کی آگ بھڑکے گی۔ اور دل کی کیفیتوں کا اثر دوسرے دلوں پر ضرور پڑا کرتا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ نالہ فریاد نہ کرنے سے موجودہ غم غم پنہاں ہو جائے اور تو جذب دل سے متاثر ہو کر پریشان ہو۔

غافل بوجہم ناز خود آرا ہے ورنہ پیاں ۱ بے شانہ عرصہ نہیں طرہ گیارہ کا
بزم قلیح سے عیش تمنا نہ رکھ کہ رنگ ۲ صید زوام جستہ ہے اس دام گاہ کا
رحمت اگر قبول کرے کیا بے ہے ۳ شرم نہ گی سے عذر نہ کرنا گناہ کا
مقتل کی کس نشاط سے جانا ہو نہیں کہ ہے ۴ پُگل خیال زخم سے دامن نگاہ کا

جان اور ہوا شے یکہ نگہ گرم ہے اتنا
پروانہ ہے وکیل ترے وادخواہ کا

۱) "شانہ" لکھی "طرہ گیارہ" گھاس کا گچھا۔ غافل انسان اپنے
وہم سے ناز کرتا ہے کہ میں بھی کار ساز اور صنعت طراندہ ہوں اور
خود آرائیوں میں مبتلا رہتا ہے۔ حالانکہ یہاں گھاس کے ٹیکے بھی
صبار مشاطہ غیب کی مشاطگی سے نہ ہمت حاصل کرتے ہیں
بلکہ یہ اپنے آپ کو بھول بھی جائے تو قدرت اس کو خود بناتی
سنوارتی رہے گی۔

۲) "بزم قلیح" محفلِ خوشی۔ "عیش تمنا رکھ" عیش کی امید۔
نہ رکھ "رنگ" عیش و خوشی۔ "صید زوام جستہ" دام سے بکلا
ہوا شکار۔ دام گاہ استعارہ ہے دنیا سے یعنی بزم شراب سے
عیش و خوشی کی امید نہ کر۔ کیونکہ دنیا میں خوشی تو کسی طرح
ہی نہیں ہوتی۔

(۳۴) مواخذہ کے وقت شرمینگی سے اگر گناہ کا عذر نہ کیا جائے تو بعد نہیں رحمت الہی اسی سکیت نجات کو معذرت سمجھ کر قبول کرے اور معاف فرما دے۔

(۳۵) ”پر گل“ پھولوں سے بھرا ہوا۔ زخم و گل میں مشابہت ہوتی ہے۔ یعنی میں مقتل ایسی خوشی سے جا رہا ہوں جیسے سیر باغ و گل چینی کے لئے جا کرتے ہیں۔

(۳۶) ”ہوا“ خواہش و حوصلہ ”نگہ گرم“ غصہ کی نگاہ۔ پروانہ

برعایت شعلہ نگاہی استعمال ہوا ”واد خواہ“ فریادی

(عاشق) ”وکیل“ چارہ چوٹی و پیروی کرنے والا یہ لفظ بھی

داد خواہ کی رعایت سے استعمال ہوا ہے۔ یعنی جان ایک

شعلہ نگاہی کی طالب ہے اور تیرے داد خواہ نگاہ گرم کا چاؤ

کا ہستی اس جان پر منحصر ہے جو پروانہ صفت ہے اور جلنا ہی

چاہتی ہے۔

جو رے باز آئے پر باز آئیں کیا	۱	کہتے ہیں، ہم تجھ کو منہ دکھلا میں کیا
رات دن گردش میں ہیں سات آسمان	۲	ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرا میں کیا
لاگ ہو تو اس کو سمجھیں ہم لگاؤ	۳	جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا
ہو لئے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ	۴	یارب اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا
موج غم میرے گزر ہی کیوں نہ چلے	۵	آستان یار سے اکٹھا جائیں کیا
عمر بھر دیکھا کئے مرنے کی راہ	۶	مر گئے پر دیکھئے دکھلائیں کیا

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کین ہے

کوئی بتلاؤ کہ ہم بستل میں کیا

(۱۱) یعنی وہ فرماتے ہیں کہ ہم اپنی جفا شعار یوں پر پشیمان ہیں۔
اور اسی پشیمانی سے منہ چھپاتے ہیں۔ لیکن ان کا منہ نہ دکھانا بھی
تو ہمارے لئے ظلم ہے غرض کہ ترک ستم پر بھی وہ ستم سے
باز نہ آئے۔

(۱۲) یعنی کارکنانِ قضا و قدر ہر وقت مصروف کار ہیں۔ ہمیں
گھبرانے کی ضرورت ہے۔ شدنی امور ہو کر ہی رہیں گے۔
(۱۳) استاد فرماتے ہیں: ”ترک کیجئے نہ تعلق ہم سے۔ کچھ نہیں
ہے تو عداوت ہی سہی“ گویا تعلق دو قسم کے ہوتے ہیں۔
دوستی کا اور دشمنی کا۔ یہاں فرماتے ہیں کہ ”لاگ“ (دشمنی) کے
تعلق پر بھی ہم دل کو دھوکا دے سکتے ہیں کہ دوستی (لگاؤ)
ہے لیکن جب کسی قسم کی وہاں گنجائش ہی نہ ہو تو کیا کریں۔
رہم، ”یارب“ مقامِ تعجب میں استعمال ہوتا ہے یعنی جو ش
اشتقاق میں قاصد کو پیغام رسانی کے طریقے اور بزمِ محبوب
کے نشیب و فراز اور اندازِ حضوری سمجھاتے سمجھاتے ایک
عالمِ محبت میں خود ہی محبوب کے گھر تک پہنچ گئے کہ دفعۃً
خیال کا رخ بدلا۔ رُکے۔ اور منہ سے بے ساختہ نکل گیا ایسے
ہم تو قاصد کے ساتھ اس طرح ان کے دروازہ تک آ گئے
گویا ہم خود اپنے خط کو پہنچانے آئے ہیں۔

(۱۴) یعنی اب چاہے خونِ نشانیوں سے موجِ خون سر سے
گزر ہی کیوں نہ جائے ان کے دروازہ سے اٹھنا کیسا ہے۔
(۱۵) یعنی زندگی بھر تو موت کی راہ دیکھتے رہے اب خدا

جائے مرنے کے بعد کیا پیش آئے۔
(۱) اُن سے یہ کس طرح کہیں کہ غالب آپ کا عاشق ہے اور
وہ پوچھتے ہیں کہ غالب کون ہے، اب کیا کہیں۔

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتا
(۱) چمن زنگار ہے آئینہ باد بھاری کا

حرلیف جوشش وریا نہیں خودداری ساحل
(۲) جہاں ساقی ہو تو باطل ہے دھوئی ہو بھاری کا

(۱) ”لطافت“، ”زہمت پاکیزگی“، ”کثافت“، ”مادیت“، ”جلوہ“، ”ظہور“
و ”نمود“، ”زنگار“، ”عیقل“۔ یعنی روحانیت و لطافت بغیر مادیت
کے ظاہر و نمایاں نہیں ہو سکتی۔ باد بھاری کو کون دیکھ سکتا
ہے تا وقتیکہ اُس کے منظر، محل و یہاں کی صورت اختیار
نہ کریں گویا باد بھاری مثل آئینہ کے ہے اور چمن اس کا زنگار
ہے اور یہی جلوہ باد بھاری ہے۔

(۲) ”حرلیف“، ”مقابل“، ”خودداری“ اپنے پر قابو رکھنا، جوشش
وریہ ”روانی بھر“، ”ساحل“، ”کنارہ“۔ یعنی جب وہ اس قدر وریاں
اور عطائے پیہم کے ساتھ بلائے تو بھلا ہوش و ضبط کے دعوے
کس طرح یا قی رہ سکتے ہیں۔ جس طرح طوفان آب کو ساحل روک
نہیں سکتا اُسی طرح عطائے ساقی کا مقابلہ دعوے خودداری
سے ناممکن ہے۔

عشر قطر ہے وریا میں فنا ہو جانا ۱۔ وریہ کا حد سے گزیرنا ہے وریا ہو جانا
توہ سے قسمت میں مری صورتِ فنا ہو جانا ۲۔ کھا لکھا بات کہتے ہی چھوڑا ہو جانا

۳	مٹ گیا گھسنے میں اس عقدہ کا واہو جانا	۲	دل ہوا کشمکش چارہ زحمت میں تمام
۴	اس قدر دشمن اربابِ وفا ہو جانا	۳	اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ
۵	باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا	۴	ضعف سے گریہ میل بہ دم سر ہوا
۶	ہو گیا گوشت کا ناخن سے جدا ہو جانا	۵	دل سے ہٹا تری انگشت ہٹائی کاخیل
۷	دوستے دوستے غم فرقت میں فنا ہو جانا	۶	ہے مجھے ابرہاری کا برس کر کھلنا
۸	کیوں ہے گردہ بولان صبا ہو جانا	۷	اگر نہیں نگہت گل کو تھے کیچے کی ہوش
۹	دیکھ برسات میں سبز آئینے کا ہو جانا	۸	ناکہ تجھ پر کھلے اعجاز ہوا سے صیقل
بچنے ہے جلوہ گل ذوق تماشا غالب		۱۰	
چشم کو چاہئے ہر رنگ میں واہو جانا			

(۱) "عشرت" عیش و مسرت یہاں کامیابی اور کامرانی مراد ہے۔ یعنی قطرہ کی کامیابی یہی ہے کہ دریا میں مل کر جذب و فنا ہو جائے اور اپنی ہستی بحیثیت قطرہ کے مٹا کر دریا میں شامل ہو کر خود دریا ہو جائے۔ اسی طرح درد و عشق بھی ایک جزو ہے شفا و حقیقی کا۔ اور اس کا حد سے گذرنا مدد اسے غیب میں ملنا اور وصال معشوق حقیقی اور فنا فی الذات ہونا ہے۔

(۲) "قفل ابج" اس قفل کو کہتے ہیں جس پر حروف منقش ہوتے ہیں اور ان حروف سے ایک خاص لفظ بنتا ہے۔ جس کے بننے پر قفل کھل جاتا اور حلقہ کھٹکے سے جدا ہو جاتا ہے۔ اس شعر میں اسی سے تمثیل کیا ہے۔ گویا تجھ سے صرف اس لئے ملاقات ہوئی تھی کہ جانی کی مصیبت میں مبتلا ہو جاؤں۔

(۷) کشمکش، کوشش و کاوش، چارہ رحمت، علاج کلفت
 "عقد" گرہ۔ دل سے استعارہ و تشبیہ ہے۔ یعنی پہلے جو غم
 دل میں موجود تھا۔ اس کو رفع کرنے میں ایسی تکلیفات اور
 آلام کا سامنا کرنا پڑا کہ یہ خود ایک مصیبت ہو گئی جس نے
 دل کو تمام کر دیا اور جس طرح گرہ کھولنے سے کھلتی تو ہے نہیں
 بلکہ گھس کر نا پید ہو جاتی ہے اسی طرح چارہ جو یوں کی
 و شوار یوں نے دل کو تمام کر دیا۔

(۸) شعر صاف ہے اور پانی کے ہوا ہو جانے کو اپنے گریہ کے
 سبیل پر حرم سرور ہونے سے تمثیل کیا ہے۔

(۹) انگشت حنائی کی رعایت سے ناخن سے گوشت جدا
 ہونے کی ضرب المثل استعمال کی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ
 جس طرح وہ ناممکن ہے اسی طرح یہ خیال دل سے نکلتا
 محال ہے۔

(۱۰) غمِ فرقت میں روتے روتے میرا فنا ہو جانا ایسا ہی پُر لطف
 ہے جیسے ابر بہار کا برسنا اور برس کر کھلنا کہ ابر بہار کا کھلنا
 بھی خالی از لطف نہیں ہوتا۔

(۱۱) "نکبت گل" بوسے گل "گر و راہ" غبارِ راہ۔ صبا میں بوسے
 گل کے ملنے اور پھیلنے کی ایک شاعرانہ توضیح ہے۔

(۱۲) "ہوا" شوق، "اعجاز" کرشمہ، "قلعہ" جہاز، آئینہ۔
 نواز دی آئینہ پر مرطوب ہوا سے تنگ آ جاتا ہے اس کو
 شاعرانہ انداز میں بیان کرتے ہوئے اعجازِ شوق کا کرشمہ کہا

ہے کہ حقیقت بھی جو شوق سے سبزی و نمو پیدا کر لیتا ہے
اور یہ بھی ہوائے موسم کی اشتیاق انگیزی ہے۔
(۱۰) "جلوہ گل" خوبی و نزہت گل یہ ذوق تماشا "لطف دید
اور نظریک" یعنی خود جلوہ گل ہی لطف دید پیدا کرتا ہے۔
اس لئے ہر حال میں آواز و دیدار رہنا چاہئے۔ لطف خود بخود
ہر چیز سے میسر آجائے گا۔

رابطہ یک شیرازہ وحشت ہیں جزائے بہار | سبزہ بیگانہ صبا آوارہ۔ گل نا آشنا

(۱۱) "رابطہ" بنارش و جمع "شیرازہ" اور اق کتب کی سلائی
اسی رعایت سے اجسزا استعمال ہوا ہے "سبزہ بیگانہ"
خود روگھاس "صبا آوارہ" پھیلی ہوئی اور چلتی ہوئی ہوا۔
یہ سب موصوفت صفت خاص خاص شاعرانہ اصطلاحیں
ہیں جن کا ظاہری و لفظی فائدہ ثبوت وحشت کے لئے حاصل
کیا گیا ہے اور شعرا اپنے شاعرانہ انداز و محاسن اور حقیقت
ترجمانی میں اپنی آپ ہی نظیر ہے۔ مطلب ہے کہ سبزہ بیگانہ
صبائے آوارہ اور گل نا آشنا کیونکہ بیگانگی آوارگی
اور نا آشنائی اوصاف وحشت میں سے ہے، بہار کے
اجزا ہیں انہیں کے مجموعہ کو بہار سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
حالانکہ یہ مجموعہ (یا عقبار اوصاف مذکورہ) محض ربط
شیرازہ وحشت ہے۔ گویا ایک خیال کی مختلف روایتوں نے
عالم اشکال پیدا کر دیا ہے۔

برہن شرم ہے باوصف شوخی اہتمام اُس کا
(۱) نگین میں جو شرارِ سنگ ناپیدا ہے نام اُس کا

مسی آلودہ ہے مہرِ نوازش نامہ ظاہر ہے
(۲) کہ داغ آرزوئے بوسہ دیتا ہے پیام اُس کا

یامید نگاہ خاص ہوں محلِ کشِ حسرت
(۳) مبادا ہو عنان گیر تغافلِ لطفِ عمام اُس کا

(۱) ”برہن شرم“ پابند شرم و حجاب ”باوصف شوخی“ باوجود شوخی۔
شوخی کے اہتمام سے اشارہ ہے کارِ ساز یوں اور قدرت
فرمایوں کی طرف ”نگین“ نگینہ ”شرار“ پتنگا۔ یعنی باوجود شوخی
و ظہور کے اس کی کارِ فرمائیاں اور قدرتِ آرائیاں اس کے
جمال کے لئے حجاب ہیں اور ہر نگین سے اُس کا نام
اس طرح غیر نمایاں ہے جس طرح مادہ آتش پتھر میں،
حالانکہ پتھر میں آگ ضرور ہے اور نگین پر اس کا نام نامی بھی
ہے لیکن اس کی کارِ فرمائیاں باوجود ظہور اُس پر سے
حجاب نہیں اٹھاتیں۔

(۲) ”مسی آلودہ“ مسی لگی ہوئی۔ مہر اور داغ میں تشبیہ ہے اور
داغ اور مسی میں یگرنگی۔ مطلب ہے کہ خط کی مہر پر مسی کا نشان
ہے گویا میرے دل میں جو آرزوئے بوسہ نے داغ ڈال
دیا تھا اُس کا رنگ آن لبوں پر نمایاں ہوا اور اب وہی
رنگ آرزوئے بوسہ اُس کی طرف سے پیامِ بوسہ لب کی
صورت میں مجھ تک پہنچا ہے۔

(۳) محل کش حسرت اور غمناں گیر میں عایت ہے یعنی یس زنگاہ
خاص کی آمید و حسرت کر رہا ہوں انسانہ ہو کہ ان کا لطف عام
مجھ ہی سے تغافل کر گزرے۔

دود کو آج اس کے ماتم میں سیاہ پوشی ہوئی
(۱) وہ دل سوزاں کہ کل تک شمع ماتم حنائی تھا
شکوہ یاراں غبارِ دل میں پتہاں کر دیا
(۲) غالب ایسے گنج کو شایاں ہی ویرانہ تھا

(۱) ”دود“ دھواں۔ دھوئیں کے رنگ کو سیاہ پوشی و ماتم سے
تعبیر کیا ہے یعنی وہ دل سوزاں جو ماتم خانہ ارمان و تمنا کے
لئے باعتبار سوز کے شمع بزم ماتم کے مثل تھا آج مطلقاً جل
گیا اور صرف دھواں باقی رہ گیا جو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے
ماتم میں سیاہ پوش ہے۔

(۲) ”غبارِ دل“۔ غبارِ خاطر۔ ویرانہ سے دل کا استعارہ ہے۔ گویا
دل میں کچھ باقی ہی نہیں خواہشوں۔ تمناؤں اور طلبوں کا حشر
ہو چکا شکوہ احباب جو بکھری ہوئی دلیپیوں اور مداراتوں پر منحصر
ہوتا ہے اس لئے اس کو گنج سے تعبیر کرنا نامناسب اور عایت
سے خالی نہیں۔ ”شایاں“ لائق مستوجب۔ یعنی دوستوں کی
شکایت غبارِ دل میں پوشیدہ ہو گئی۔ (سرزمینِ دل میں تو
کچھ رہا ہی نہ تھا ویرانہ تھا اس سرزمین کے غبار میں گنج شکایت کا
پتہاں ہوتا یہ معنی رکھتا ہے کہ شکایت ہی باقی نہ رہی) ایسے خزانہ
کے لئے ایسا ہی ویرانہ چاہئے تھا۔

پھر وہ سوتے چمن آتا ہے خدا خیر کرے | | رنگ اڑتا ہے گلستاں کے ہوا و افونکا

(۱) "ہوا داران چمن" یعنی پھول۔ یا پھولوں کے خیر طلب۔

پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موج شراب
دے بطے کو دل دوست شام موج شراب

(۱)

پوچھ مت وجہ سیہ مستی ارباب چمن
سایہ تاک میں ہوتی ہے ہوا موج شراب

(۲)

جو ہوا غرقہ سے بخت رسا رکھتا ہے
سر سے گزے پر بھی ہے بال ہما موج شراب

(۳)

ہے یہ برسات وہ موسم کہ عجب کیا ہے اگر
موج ہستی کو کرے فیض ہوا موج شراب

(۴)

چار موج اٹھتی ہے طوفان طرب سے ہر سو
موج گل موج شفق موج صبا موج شراب

(۵)

جن قدر روح بناتی ہے جگر نشہ ناز
دے ہے تسکین بدھم آب بقا موج شراب

(۶)

بسکہ دوڑے ہے رگتار میں غول ہو ہو کر
شہر رنگ سے ہے بال کشا موج شراب

(۷)

موجہ گل سے چراغاں ہے گذر گاہ خیال
ہے تصویریں رہیں جلو نما موج شراب

(۸)

نشے کے پردے میں ہے محو تماشا شانی داغ
بسکہ رکھتی ہے سر نشو و نما موج شراب

(۹)

ایک عالم پہ ہیں طوفانی کیفیت فصل

(۱۰)

موجہ سبزہ نوخیز سے تا موج شراب

شرح ہنگامہ ہستی ہے زہے موسیم گل
(۱۱) بہیر قطرہ بدلیا ہے خوشا موج شراب

ہوش اٹھتے ہیں مرے جلوہ گل دیکھ اسد
(۱۲) پھر ہوا وقت کہ ہو پال کشا موج شراب

(۱) "ہال کشا" آمادہ پرواز۔ موج شراب کی بال کشائی سے
جوش شراب یا دودہ ساغر کی جانب اشارہ ہے۔ "بطے"
بط کی شکل کا ایک طرف جس میں شراب بھرتے ہیں۔ "دل"
ہمت۔ "دست" طاقت۔ "دل دوست" موقع یا اجازت۔ "شنا"
تیرنا۔ بط کی رعایت سے یہ لفظ استعمال کیا ہے مقصود دور ہے
مطلب ہے کہ آب وہ وقت آگیا ہے کہ شراب میں جوش پیدا ہو۔
دورہ ساغر اور بخاری ہو۔

(۲) "سیہ مستی" بدستنی نشاط، مدہوشی۔ سایہ و سیاہ میں تشبیہ ہے۔
"ساک" انگور کی بیل یعنی اہل چین کی سیہ مستی کا سبب کیا پوچھتے ہو؟
کیونکہ انگور کی بیل کے سایہ میں (غالباً اثر مصاحبت سے) ہوا میں
شراب کی تاثیر ہو جاتی ہے۔

(۳) "سخت رسا" اور سرے گزرنے کی رعایت سے "بال نہما" لایا گیا ہے۔
مطلب ہے کہ نشہ سے حد سے گزرنے پر بھی عیش و نشاط
سے خالی نہیں ہوتا۔

(۴) "موج ہستی" روح سے استعارہ ہے یا میلان و رجحان
اور کیفیات و جذبات روحانی مراد ہیں۔ یعنی برسات ایسا

خوشگوار موسم ہے کہ فیض ہوا سے لطیف سے اگر رُوح متکلیف
اور جذبات سے سرشار ہو جائے تو کوئی تعجب نہیں۔
(۵) "طوفان طرب" شدت طرب۔ گویا موج گل۔ موج شفق۔ موج
صبا اور موج شراب عالم مصرت و طرب کے بہترین مظاہر
و منظر ہیں رُوح کی ترکیب تمام الفاظ میں طوفان کی رعایت
سے واقع ہوتی ہے)

(۶) "رُوحِ نباتی" قوتِ نشوار تھا۔ قوتِ نامیہ۔ جگر تشنہ نماز
طلبگار نہوا اور نشوونما حاصل کرنے کا جوش و ہیجان "تسکین" کا
لفظ جگر تشنہ کی رعایت سے استعمال ہوا ہے اور اسی رعایت
سے "آبِ بقا" جس سے مراد باران ہے۔ جس قدر سے
اشارہ ہے عام رُوحِ نباتی کی جانب جو تمام کائنات اور
انسانوں میں ہے۔ "ناز" کا لفظ نامیہ انسانیہ ہی کے لئے
خاص ہے۔ اور یہاں ولولہ اور مستی و نشاط مقصود ہیں مطلب
ہے کہ جس طرح یارِ رش کا پانی نبات کی پیاس بجھاتا ہے
اُسی طرح نامیہ انسانیہ کے لئے برسات میں شراب و جہ
تحریک و نمو ہوتی ہے۔

(۷) "رگ" ریشہ۔ "رنگ" بیل کی سبزی وغیرہ کی طرف
اشارہ ہے اور رنگ اڑنے کی رعایت سے شہر اور بال کشا
استعمال ہوئے ہیں یعنی انگور کی بیل کے ریشوں وغیرہ میں
شرابِ خون کی طرح سرایت کرتی ہے اور پتوں میں رنگ
بن کر نمودار ہوتی ہے۔

(۸) گل و چراغان ہیں تشبیہ ہے۔ اور شراب و گل ہیں بھی رنگ و بھوش ہے۔ اور جلوۂ گل "نور چراغانی اور جلوہ نمائی" موج شراب سب رعایات ہیں۔ اور شراب کا ایک نام گل بھی ہے۔ مطلب ہے کہ تصور میں شراب جلوہ نما ہے اس لئے گذرگاہ خیال روشن ہے۔

(۹) دماغ نظامِ عصبی کا مرکز اور حسیات و مدركات وغیرہ کا منبع و منشأ ہے۔ "مخ" خیال۔ نشہ اور منشا (دماغ) ایک قبیل و مادہ کے الفاظ ہیں۔ مطلب ہے کہ شراب ہو نشہ بن کر دماغ میں پہنچتی اور دماغ میں گھومتی (محو تماشا) ہے۔ غالباً نشوونما چاہتی ہے یا یہی اس کے لئے نشوونما ہے۔

(۱۰) "طوفانی" شدت زیادتی۔ "سبزۂ لونیئر" نیا آگاہ ہوا سبزہ یعنی فصل بہار نے سبزہ و شراب سب پر کیفیت و رونق اور لطف پیدا کر دیئے ہیں۔ سبزۂ لونیئر کے ساتھ موضوع کی ترکیب بھی طوفانی کی رعایت سے ہے)

(۱۱) "شرح" تفصیل۔ نمائش "ہنگامہ ہستی" موجودات و کائنات "سبزۂ بدریا" قطرہ کو دریا سے ملا دینے والا۔ موسمِ گل موسم بہار میں نشو و ارتقا کا ظہور زیادہ نمایاں اور عام ہوتا ہے اور اس موسم میں نامیدہ کی کارپردازیاں تخلیق و تکوین عالم کی مثال کو زندہ و تازہ کر دیتی ہیں۔ پھر اس عالم میں ہمارے لئے دو ہی چیزیں ہیں۔ مخلوقات و کائنات اور حقائق و کون۔ مخلوقات کی کیفیت نظارۂ نشوونما سے معلوم ہوتی ہے اور

ذات خالق تک رسائی کے لئے مظاہر سے قطع نظر کرنا ضروری ہے۔ موسم گل سے ہمیں علم نشو و ارتقا حاصل ہوتا ہے اور شراب سے خود فراموشی و عالم فراموشی یعنی خودی مٹنا اور ماسوا اللہ کا معدوم ہونا ہے۔ پھر بے خودی اور عالم فراموشی ہی وہ راہ ہے جس سے ذات باری تک رسائی ہوتی ہے اور چونکہ ہمارا وجود باعتبار تنزلات ذات کے ایک قطرہ ہے اُس دریائے حقیقت کا۔ اس لئے اس قطرہ کی دریائے حقیقت تک رسائی مقصد حیات ہے۔ نیز شراب سے یہی شراب مراد نہیں بلکہ مستی و نشاط عشق الہی مقصود ہے۔ پس مطلب یہ ہے کہ دنیا میں دو ہی چیزیں قابل غور ہیں وجود اور حقیقت۔ وجود کی تفسیر و تشریح مطالعہ کائنات سے معلوم ہو جاتی ہے اور حقیقت شناسی خود فراموشی و عالم فراموشی سے میسر آتی ہے۔

(۱۲) ہوش اڑنا۔ محاورہ ہے۔ اور اڑنے کے لئے بال کشا اور ہوش اڑنے کے لئے بال کشائی موج شراب بہترین مناسبت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ موسم بہار سے طبیعت پر ضبط و قابو نہیں اور بس عین مے نوشی کا وقت ہے۔

افسوس کہ دیدار کا کیا رزق فلک نے | جن لوگوں کی تھی درخور عقد گہرا نگشت
کافی ہے نشانی تری چھلے کا نہ دینا | خالی مجھے دکھلا کے بوقت سفر انگشت

لکھتا ہوں اسد سوز دل سے سخن گرم
تار کھونہ سکے کوئی مرے حرف پر انگشت

(۱) دیدانِ اکیرے (عقدِ گوہر انگشتِ گوہر موتیوں اور کیروں میں تشبیہ ہے یعنی ابھی ان کے خاک میں ملنے کے دن نہ تھے)

(۲) یہ شوخی یادگار ہے کہ نشانی مانگتے وقت تو نے انگوٹھا دکھایا یا خالی انگلی دکھادی کہ انگلی میں چھلا نہیں۔

(۳) "حرف پر انگلی رکھنا" غلطی کی گرفت یا عیب چینی کرنا۔ یعنی گرمی سخن سے حرف بھی جلتے ہیں اب اگر کوئی عیب چینی کے لئے انگلی حرفوں پر رکھے گا تو انگلیاں جل جائیں گی۔

۱	تو اک روز مرنا ہے حضرت سلامت	۱	رہا گر کوئی تا قیامت سلامت
۲	لکھے ہے خداوند نعمت سلامت	۲	جگر کو مرے عشقِ خونتاً بہ مشرب
۳	مبارک مبارک سلامت سلامت	۳	علی الرغم دشمن شہید وفا ہوں
۴	تماشا شے نیرنگ صورت سلامت	۴	نہیں گرسرو برگ ادراک معنی

(۲) "مشرب" طریقِ توسلک لیکن یہاں لفظی رعایت سے استعمال کیا گیا ہے۔ مطلب صرف یہ ہے کہ عشقِ خون جگر سے پرورش پاتا ہے۔

(۳) "علی الرغم" ضد و مخالف۔ اس میں رعایات یہ ہیں کہ رقیب کی ضد و خلاف نشانیں شہید وفا ہوا اس لئے مبارک باد چونکہ شہادت اعتقادِ زندگی جاوید ہے اس لئے "سلامت"۔

(۴) "سرو برگ" ساز و سامان مراد اہلیت۔ "ادراک" علم عقلی۔ "معنی" حقیقت۔ "صورت" مجاز۔ "نیرنگ" عجائبات یعنی اگر حقیقت شناسی کی اہلیت نہ ہو تو عجائبات مجاز کی ظاہری سیر بھی

خالی از لطف نہیں۔

مُند گتیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں لپٹا ۱ | پار لائے مرے بالیں پہ اسے پرکھتے وقت

(۱) یعنی اتنے وقفہ میں کہ آنکھیں کھول کر دیدار یا رکروں آنکھیں ہمیشہ کے لئے بند ہو گئیں (یعنی موت آگئی) احباب اُن کو لائے بھی تو آخری وقت لائے۔

دود شمع کشتہ تھا شاید خطِ خسارِ دوست
کون لاسکتا ہے تابِ جلوۂ دیدارِ دوست
صورتِ نقشِ قدمِ جہلِ فتنہ نقارِ دوست
کشتہ دشمن ہوں آخر گرچہ تھا بیمارِ دوست
دیدۂ پُرغوں ہمارا ساغرِ سرشارِ دوست
بے تکلف دوست ہو جیسے کوئی عجزِ دوست
مجھ کو دیتا ہے پیامِ عمدۂ دیدارِ دوست
سرکے بہتے حدیثِ زلفِ عنبرِ دوست
ہنس کے کرتا ہے بیانِ شوخیِ گفتارِ دوست
یا بیاں کیجے سپاسِ لذتِ آزارِ دوست

آمدِ خط سے ہوا ہے مٹو بازارِ دوست
لے دلِ نا عاقبت اندیش ضبطِ شوق کر
خانہ ویراں ساری ہے حیرتِ تماشا کیجئے
عشق میں بیدارِ شکِ غیر نے مارا مجھے
چشمِ بارِ روشن کہ اُس بیدار کا دل شاد ہے
غیر لوں کرتا ہے میری پریشانی اسکے ہجر میں
تاکہ میں جانوں کہ ہے اسکی رسانی اُن تلک
جکھیں کرتا ہوں اپنا شکوۂ ضعفِ دماغ
چپکے چپکے مجھ کو روتے دیکھ پاتا ہے اگر
مہربانہائے دشمن کی شکایت کیجئے

یہ غزل اپنی مجھے جی سے پسند آتی ہے آپ
بے دلیف شعر میں غالبِ زینِ تکرارِ دوست

(۱) "سرد بازار ہو جانا" محاورہ ہے جس کے معنی طلب باقی نہ رہنا
وغیرہ وغیرہ ہیں۔ "بازارِ دوست" سرد ہو جانے سے کسی عشق و
عشاق مراد ہے۔ "خط آنا" دائرہ بھی نکلتا اور بالوں کے رنگ کی
تشبیہ "دود اور خسار" کی شمع سے دی ہے۔ نیز سرد اور شمع

کشتیں رعایت ہے۔ خیال بالکل ایرانی شاعری کا سا ہے جو ذوق سلیم کو مرغوب نہیں۔

(۳) "خیرانی" اور نقش و قدم میں عدم حرکت وجہ شبہ ہے۔ "خانہ ویراں سازی" گھر کی تباہی، "رفقہ" وارفتہ بے خود اور لفظی طور پر وارفتہ رقتار سے پس ماندہ رقتار یعنی نقش و قدم مترشح ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ میں ایسا وارفتہ خرام یار ہوں کہ دوسری کسی بات کی خبر ہی نہیں اور یہی بے خبری و عالم فراموشی خانہ ویراں ساز ہے۔ گویا اُس کے چلے جانے کے بعد میں مٹا ہوا سا نقش قدم ہوں۔

(۴) رشک رقیب میں مرنے کو کشتہ دشمن اور عشق کو بیمار شی دوست سے تعبیر کیا ہے۔

(۵) چشم مارو شن دل ماشاد مشہور محاورہ ہے جو شعر میں مخصوص بندش کے ساتھ نظم ہوا ہے۔ دیدہ خونفشاں اور ساغرے میں تشبیہ ہے چشم و دل کے دو متضاد احوال بیان کئے ہیں یعنی گوہم خون روتے ہیں اور وہمے نوشی کے عیش میں گزارتے ہیں۔ لیکن ہم ہر حال میں خوش ہیں کہ وہ خوش ہیں۔

(۶) (قطعہ ہے) اور رعایات لفظی سے بھرا ہوا ہے مطلب یہ ہے کہ رقیب بجائے تسکین اور دلا سے کے ہر بات آن کی یاد دلاتا اور سمند اضطراب پر تازیانہ لگاتا رہتا ہے۔ اور مجھے حیرت ہے کہ دوست کے لطف ستم کی تعریف کروں یا دشمن کی عنایت کی شکایت۔

۱	گلشن میں بند و لیست برنگت گرہے آج	۱	قمری کا طوق حلقہ بیرون در ہے آج
۲	آتا ہے ایک پارہ دل ہر فغاں کیساتھ	۲	تار نفس کند شکار اثر ہے آج
۳	لے غایت کنارہ کر لے انتظام چل	۳	سیلاب گریہ در پے دیوار در ہے آج
۴	معزولی پیش ہوئی، افراط انتظار	۴	چشم کشودہ حلقہ بیرون در ہے آج

۱۱ "بند و لیست" لغوی طور پر اس کے معنی روک تھام کے اور عام طور پر انتظام و اہتمام کے ہیں۔ "حلقہ بیرون در" دروازہ کی بیرونی زنجیر باغ کے اندرونی اہتمام اور بیرونی روک تھام کے لئے ضروری تھا کہ دروازہ باغ کی زنجیر اندر سے لگائی جائے لیکن حلقہ بیرون در سے معلوم ہوتا ہے کہ باہر سے دروازہ بند کیا گیا ہے۔ پھر قمری کے طوق کا قرینہ کچھ اور چاہتا ہے۔ قمری کے طوق کو شعر اگر فتاری عشق سے تعبیر کر کے اور قمری کو سرو آزاد کی عاشق قرار دیتے ہیں اور عشاق کے لئے آداب عاشقی بھی وصال کے منافی ہیں اور حقیقی وصال یہ ہے کہ ہمہ تن محبوب اور یکسر محبوبیت ہو جائے اور تعقیدات عاشقی اٹھائیے جائیں۔ چنانچہ غالباً قمری کا طوق حلقہ بیرون در سے یہی اشارہ ہے۔ مطلب ہے کہ جن میں آج عجیب انتظام ہے۔ اختیار و اجانب کا گزر نہیں۔ عشاق و معشوق یک رنگ و واصل ہیں اور اندر یکسر معشوقیت و محبوبیت کی شادمانیاں اور مستی ہیں۔ جمال آرا ہیں۔ دوسرا مطلب یہ بھی نکلتا ہے کہ باہر دروازہ بند کرنے کا بند و لیست غالباً اس لئے ہے کہ بیگانوں کی صرف روک تھام ہی نہیں بلکہ ان کا گمان و خیال بھی اس طرف

نہ جائے کہ باغ میں کچھ ہے اور خدا جانے ایسے عالم راز میں
کیا ہو رہا ہے۔

(۲) ”پارہ دل“ لخت دل ”کھان“ نالہ ”نفس“ سانس تارِ نفس۔
کنند کی رعایت و تشبیہ کی وجہ سے کہا گیا ہے ”شکاراثر“ اثر
جو شکار ہوا ہے۔ یعنی تاثیر جو حاصل و میسر ہوئی ہے۔
مطلب ہے کہ آج ہر نالہ کے ساتھ ایک پارہ دل باہر آتا
ہے گویا سانس کی کنند میں اثرِ نالہ پارہ دل کی صورت میں
شکار ہوا ہے۔

(۳) ”عافیت و انتظام“ سیلاب کی رعایات ہیں۔ شدتِ گمبہ
کے لئے کنارہ کشی عافیت رخصتِ انتظام اور خطرہ دیوارِ دود
شاعرانہ مبالغے ہیں۔

”معزولی“ علیحدگی ”پیش“ جلن ”افراط“ زیادتی ”چشمِ کشودہ“
کھلی ہوئی آنکھ ”چشمِ انتظار“ چشمِ کشودہ اور حلقہ زنجیر میں
تشبیہ ہے۔ یعنی انتظار کی زیادتی نے کیفیتِ اضطراب و
سوزِ دل کو دور کر دیا ہے اور دروازہ کی جانب ہمہ تن
انتظار ہو کر اس طرح دیکھ رہا ہوں گویا حلقہ زنجیر میری چشم
منتظر بن گئی ہے۔

۱	اگر شراب نہیں انتظار ساغر کھینچ	نفس نہ انجمن آرزو سے باہر کھینچ
۲	برنگِ خارِ مرے آئینہ سے تو ہر کھینچ	کمال گرچی سعی تلاش دید نہ پوچھ
۳	کیا ہے کس نے اشارہ کہ نازِ بستر کھینچ	تجھ پہانہ راحت ہے انتظار لے دل
۴	بکوری دل و چشم و قریب ساغر کھینچ	تیری طرف ہے بہ حسرت نظارہ نرگس

بہ نیم غمزہ ادا کر حق و دلایت ناز	۵ نیام پردہ زخم جگر سے خنجر کھینچ
مرے قہقہے میں ہے صبا کے آتش نپاں	برفے سفرہ کباب دل سمندر کھینچ

(۱) یعنی ایک سانس بھی انجمن آرزو سے باہر نہ گزار دیا بغیر آرزو اور تمنا کے ایک سانس بھی نہ لو، اگر شراب نہ ہو تو جام شراب کا انتظار ہی سہی، غرض کہ عیش طلبی کی سعی سے غافل نہ ہونا چاہئے۔

(۲) "برنگ خار" کانٹوں کی طرح، جو ہر آئینہ اور خاریں تشبیہ ہے۔ آئینہ اشتیاق دید سے استعارہ ہے یعنی تلاش دیدار میں جس سرگرمی سے میں پھرتا ہوں، اس کا حال کیا پوچھتے ہو، آئینہ اشتیاق دید کے جوہر اگر دیکھتے ہوں، تو وہ کانٹے ہیں، جو اس چکر میں، میرے پاؤں میں چبھے ہیں۔

(۳) "ناز بستر اٹھانا" آرام و راحت کے مزے لوٹنا۔ دل سے خطاب ہے، کہ یہ جو بستر پر پڑے پڑے انتظار کیا جا رہا ہے، سب آرام طلبی کا بہانہ ہے، تجھ سے کس لئے کہا، کہ ناز بستر اٹھا۔

(۴) "چشم نرگس" کو شعرا کو ربی لکھتے ہیں۔ نرگس و ساغر میں تشبیہ ہے اور شراب کسی کی یاد میں پیتے ہیں۔

(۵) "نیم غمزہ" نگاہ غلط انداز سے استعارہ ہے۔ "دلایت" امانت۔ پردہ زخم جگر سے نیام کی تشبیہ ہے۔ یعنی ناز پارنے جو خنجر پردہ زخم جگر میں نیام کر دیا، اس امانت کا حق ہے کہ نگاہ غلط انداز سے خنجر کو بے نیام کر دے۔ گویا، ناز سے جو

کسر باقی رہ گئی ہے۔ اُس کو غمزہ پورا کر دے گا۔

(۱) "قدح" پیالہ۔ دل سے استعارہ ہے۔ "صہبا" شراب
 "آتش پنہاں" عشق جہاں سوز "سفرۃ" دسترخوان سمندر اُس
 کپڑے کا نام ہے، جو آگ میں نشوونما پاتا ہے مطلب ہے کہ
 میرا دل ایک ساغر ہے جس میں شراب عشق موجود ہے اس لئے
 اُس کی مناسبت سے دل سمندر کے کیا ب درکار ہیں۔

حسن غمزے کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد (۱)

بارے آرام سے ہیں اہل جفا میرے بعد

(۲) منصب شیفتگی کے کوئی متاثر نہ رہا
 ہوئی معزولی انداز وادامیر سے بعد

شمع بجھتی ہے تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے (۳)
 شعلہ عشق سید پوش ہوا میرے بعد

(۴) خوں ہے دل خاک میں احوال ہوتاں پرینے
 اُن کے ناخن ہوئے محتاج حنا میرے بعد

در خور عرض نہیں جو ہر بیداد کو جا (۵)
 نگہ ناز ہے سر سے خفا میرے بعد

(۶) ہے جنوں اہل جنوں کے لئے آغوش و داغ
 چاک کرتا ہے گریباں سے جدا میرے بعد

کون ہوتا ہے حریف سے مردافسگن عشق (۷)
 ہے مگر رلب ساقی پہ صلا میرے بعد

(۸) غم سے مرتا ہوں کہ اتنا نہیں دُنیا میں کوئی

کہ کرے تعزیت ہر وقت میرے بعد
آئے ہے بیکسی عشق پہ رونا غالب
کس کے گھر جائے گا سیلاب بلا میرے بعد (۹)

(۱۱) یعنی میرے مرنے کے بعد اہل حق کو غمزدہ روائی کی تکلیف
سے فرصت ہو گئی۔

(۱۲) "نصب" تقرر و تعین "معزولی" برخواست کرنا یعنی آب
شیفتگی و وارفتگی کی خدمت انجام دینے کے لائق کوئی باقی نہ رہا۔
اس لئے میرے بعد ناز و انداز حسن معطل کر دیئے گئے۔

(۱۳) یعنی شعلہ عشق کی بقا میرے دم سے تھی، میرے مرنے
پس یہ شعلہ بجھ گیا۔ اور شمع جب بجھتی ہے تو دھواں نکلتا ہے
پس شمع عشق کے بجھنے سے جو دھواں نکلتا ہے وہ تو یا میرے
ماں میں عشق کی سیہ پوشی ہے۔

(۱۴) یعنی حسینوں کے ناخن میرے خون سے رنگے جاتے تھے
اور چونکہ میرے بعد حنا کی احتیاج ہو گئی اس لئے نہ خاک میرا
دل آن کی اس حاجتمندی پر خون ہوا جاتا ہے۔ — یا یہ کہ
اُن کے ناخنوں کو حنا کی ضرورت ہے اور میرا سوگ مانع
حنا بندی ہے۔ اس رنج سے میرا دل خون ہوا جاتا ہے کہ
میری وجہ سے اُن کی آرایش میں فرق آ رہا ہے۔

(۱۵) "در خور عرض" قابل اظہار مطلب ہے کہ میرے بعد
نگہ ناز سرمہ سے خفا ہے، کیونکہ اس جوہر بیداد سے کام
لینے کا کوئی موقع نہیں رہا۔

(۶) "آغوش و دل" رخصتی بغل گیری۔

(۷) "حریف" مقابل۔ "مرد افکن عشق" وہ شراب عشق جس کی مستی کو بڑے بڑے اہل ہمت ضبط نہ کر سکیں۔ "صلا" اذن "مکر" کے لفظ سے سوال و جواب دونوں حاصل ہوتے ہیں۔ یعنی میرے مرنے کے بعد ساقی حسن و عشق، پیما نہ عشق لے کر کہتا ہے، کہ کوئی ہے جو اس نے مرد افکن کا مقابل ہو۔ (یعنی اس جام عشق کو پی سکے) اس خطاب و صلا پر آوازے بر فحاست کا مضمون ہوتا ہے، مجبور و مایوس ہو کر مکر خود ساقی کہتا ہے کہ "اے بھلا کون اس کا مقابل ہو سکتا ہے!"

(۸) یہ غم مجھے اور بھی ہلاک کئے دیتا ہے کہ میرے بعد تعزیت ہو و وفا بھی کوئی نہیں کر سکتا۔ یعنی وفا تو وفا، کوئی تعزیت وفا بھی نہیں کرتا۔

(۹) "سیلاب بلا" طوفان مصائب۔ استعارہ ہے عشق سے اور سیلاب کا نتیجہ گھروں اور آبادیوں کی بربادی ہوتا ہے اگر یہ نہ ہو تو سیلاب کی ناکامی و بے اثری ہے مطلب ہے کہ عشق ویراں ساز کی میزبانی کرنے والا میرے بعد کوئی نہیں اور اس کی اس بیکی پر رونا آتا ہے کہ اس سیلاب بلا کے لئے کوئی ٹھکانہ یا قی نہ رہے گا۔

۱۔ نگاہ شوق کو ہیں بال پر درو دیوا	۲۔ بلا سے ہیں جو یہ پیش نظر درو دیوار
۳۔ کہ ہو گئے میرے دیوار و درو دیوا	۴۔ و فوراً شک نے کاٹنے کا یہ رنگ کیا

۳	نہیں ہے سایہ کہ شکر نویدِ مقیم بار	۳	گئے ہیں چن۔ قریب پیش ترور و دیوار
۴	ہوئی ہے کس قدر ار زانی سے جلوہ	۴	کہ مست ہے تھے کیچے میں ہر در و دیوار
۵	جو ہے تجھے سرسودائے انتظار تو آ	۵	کہ ہیں دکان مستلح نظر در و دیوار
۶	وہ آدھ مرے ہمسایہ میں یہ سایہ سے	۶	ہوئے قیادرو دیوار پر در و دیوار
۷	نظر میں کھٹکے ہے بن تیرے گھر کی آباد	۷	ہمیشہ روتے ہیں ہم دیکھ کر در و دیوار
۸	ہجوم گرہ کا سامان جب کیا میں نے	۸	کہ گر پڑے نہ مرے پاؤں پر در و دیوار
۹	نپوچھ بیخودی عیش مقیم سیلاب	۹	کہ ناچتے ہیں پڑے سر بسر در و دیوار

۱۰
نہ کہ کسی سے کہ غالب نہیں زمانے میں
حریفہ رازِ محبت مگر در و دیوار

(۱) یعنی در و دیوار کے حجابات میں صاحب خانہ (محبوب) ہم سے لچب نہیں رہ سکتا، کیونکہ در و دیوار سے جب نگاہیں روکتی ہیں، طبیعت ابھرتی ہے، اضطراب بڑھتا ہے اور جوش شوق کا دھور ہوتا ہے۔ نگاہ شوق کی تلاش و جستجو زیادہ ہو جاتی ہے۔ گویا در و دیوار افزائش اشتیاق کے سبب ہوتے ہیں۔ غرض کہ نگاہ شوق کے لئے در و دیوار بال و پر ہو جاتے ہیں۔

(۲) ”تو فوراً شک“ ”آنسوؤں کا تار۔ یارو نے کی کثرت یہ کاشانہ“ مکان ”رنگ“ ”حال یعنی رونے کے طوفان نے دروازوں کو گرا دیا ہے، اور دروازوں کے سامنے انبار ہو گیا ہے یعنی ایک دیوار سی بن گئی ہے، اور دیواروں کی شکستگی سے دروازے بن گئے ہیں۔

(۳۳) "لوید" خوشخبری "مقام" آمد۔ یعنی سایہ درویدار نہیں ہے، بلکہ دوست کے غیر مقام کے لئے درویدوار آگے بڑھے ہیں۔
(۳۴) جلوہ و دیدار ہا یکو مئے سے تعبیر کیا ہے، اور یہ مبالغہ کلام ہے کہ درویدوار پر بھی مستی و نشاط کا عالم ہے۔

(۳۵) "متاع" جنس مراو ہے۔ "متاع نظر" انتظار سے استعارہ ہے۔ "میسووا" خیال خریداری۔ یعنی اگر تجھ کو سولے انتظار خریدنا ہو تو۔ آ۔ درویدوار اس جنس کی دکان ہے رکوں کہ میری پر شوق نکالیں، اور درویدوار پہنچ گئی ہیں۔
(۳۶) یعنی میرے گھر کی درویدوار کا سایہ اس کے درویدوار پر پڑتا تھا گویا میرے درویدوار اس کے درویدوار پر قربان و فدا ہو رہے تھے۔

(۳۷) دریائی و صحرا کے مقابلہ میں آبادی، مرکبیت اور درویدوار سے مقصود ہے۔ اور آنکھوں میں کسی شے کے کھٹکے سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ تو گویا یہ آبادی ناگوار ہے، اور گریہ ہجر و تراق کی غایت میں ہے۔

(۳۸) مبالغہ ہے۔ یعنی کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے رونے کی تیاری کی ہو اور درویدوار گردہ پڑے ہوں "پاؤں پر گنا" یعنی اظہارِ عجز کرنا کہ اگر آپ گریہ کریں گے تو سیل گریہ ہمیں ہسا دے گا، مگر نتیجہ ایک سبھی نکلا کہ بجائے سیل گریہ سے گرنے کے عجز و خوف سے گریہ ہے۔

(۳۹) درویدوار کے گریہ کے کور قص سے تشبیہ و سیما کہ آہ سیلاب

کی مسترت بر باد ہی کا اظہار کیا ہے۔

(۱۰) غالب یا مراد محبت سننے کی تاب و طاقت کسی میں نہیں ،
ور و دیوار سے جان و دل ہیں ۔ اس لئے شاید یہ سن کر سگت
و جامد قائم رہ سکیں تو ان سے کہنا نہ کہنا برابر ہے ۔

۱	گھر جب بنا لیا ترے در پر کے بغیر	۱	جانے گا اب بھی تو نہ مرا گھر کے بغیر
۲	کہتے ہیں جب رہی نہ مجھے طاقت سخن	۲	جانوں کسی کے دل کی میں کیا کر کے بغیر
۳	کام اس سے آپڑا ہے کہ جس کا جہان میں	۳	لیوے نہ کوئی نام ، متمگر کے بغیر
۴	جی ہی میں کچھ نہیں ہے ہمارے دگر ہم	۴	سجائے یا رہے نہ رہیں پر کے بغیر
۵	چھوڑ ڈنگائیں نہ اس بُت کا پوتا	۵	چھوڑے نہ خلق کو مجھے کا فر کے بغیر
۶	مقص ہے ناز و غمزہ و گفٹگوں کا کام	۶	چلتا نہیں ہے دشمنہ و دشمن کے بغیر
۷	ہرچیز ہو مشابہ حق کی گفتگو	۷	بہتی نہیں ہے باد و ساغر کے بغیر
۸	بہا ہوں میں تو چاہئے دونا و الفت	۸	سنتا نہیں ہوں بات کر کے بغیر

۹
غالب نے گرجھنہ میں تو پار بار عرض
ظاہر ہے میرا حال سب ان پر کے بغیر

(۱۱) یہ تمام بیان شعر بہانہ حال ہے۔ کہ جب مجھ میں تو سب
گویائی باقی تھی اس وقت تو پر سسش حال فرمائی نہیں ۔ اب
سکوت موت کے وقت اس رفع الزام کے لئے فرما ہے ہیں کہ
میں بھلا بغیر کے ، کسی کے حال دل سے کس طرح واقف
ہو سکتا ہوں ۔

(۱۲) یعنی ہشہو یہ زمانہ جفا پیشہ سے واسطہ الفت قائم ہے ۔

(۱۳) یعنی ہم جہاں چاہیں تو اس لئے کہ دل میں کچھ نہ رہی نہیں ۔

ور نہ دل میں کچھ ہو تو بلا اندیشہ اشجام کہہ گذرتے ہیں۔
(۵) چاہے زمانہ مجھے کافر ہی کیوں نہ کہے لیکر میں اُس مُنکر عشق
کی محبت سے منہ نہ موڑوں گا۔

(۶) مراد یہ ہے کہ مقوم قلبی، کی تفہیم کے لئے ضروری ہے کہ
تمثیلات و تشبیہات سے کام لیا جائے۔

(۷) سچ یہ ہے کہ امثال و تشبیہ اگر نہ ہوں تو ہزاروں اثرات
و کیفیات کے علم و تمیز اور سرسری احساس سے بھی انسان
محروم رہ جائے۔ پس مشاہدہ جمالِ حق کی گفتگو اگر ہو، تو سوائے
اس کے کیا چارہ کار ہو سکتا ہے کہ ہم اُن تمثیلات سے کام
لیں۔ جو ہمارے دہن و فکر کے منتہا ہے پرواز تک پہنچتی
ہوں۔

(۸) ایک مطالبہ الثبات ہے۔

(۹) یعنی بار بار عرض کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ حضور کو
بقیہ کے سب احوال معلوم ہے۔

۱	کیوں جل گیا نہ تاب رخ یار ویکھ کر	جلتا ہوں اپنی طاقت ویدار ویکھ کر
۲	آتش پرست کہتے ہیں اہل جہاں مجھے	سُرخ گرم نالہ ہائے شرر بار ویکھ کر
۳	کیا آبرو ہے عشق، جہاں عام ہو جفا	رکتا ہوں، تم کیسے سبب آزار ویکھ کر
۴	آتا ہے میرے قتل کو، پرچہ تر شاہی	میرتا ہوں اُس کے ہاتھ میں تلوار ویکھ کر
۵	ثابت ہوا ہے گرہِ زین پناہِ نونِ خلق	لرزے ہے موجِ مینے تیری رفتار ویکھ کر
۶	واحد تاکہ یار نے ہمیشہ استغاثہ سے ہاتھ	ہم کو نہیں لذتِ آزار ویکھ کر
۷	کہہ جاتے ہیں ہم آہِ نیازِ سخن کیا	سب کس عریاں آہِ نیاز ویکھ کر

زُتار ہاندھ سبھہ صدوانہ توڑ ڈال ۸
 ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا جس ۹
 کیا بارگمان ہے مجھ سے کہ آجینے میں کسے ۱۰
 گرنی تھی ہم پہ برقی بجلی نہ طور پر ۱۱
 رہا رو چلنے ہے راہ کو ہموار دیکھ کر
 جی خوش ہوا ہے راہ کو پڑھا دیکھ کر
 طوطی کا عکس سمجھے ہے رنگار دیکھ کر
 دیتے ہیں بارہ طرف فلج خوار دیکھ کر

سر پھوڑنا وہ غالب شوریدہ حال کا
 یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھ کر

۱۲

(۱) "جلتا ہوں" یعنی رشک سے جلتا ہوں رشک و حسد سے
 جلنا محاورہ ہے، مطلب ہے کہ اگر برقی جمال سے بچ گیا تو
 رشک سے جلتا ہوں۔ بہر حال جلتا ہوں!

(۲) "شرر باری نالہ"، اور آتش پرستی کی رعایت لفظی ہے۔
 (۳) "بے سبب آزار" بے وجہ ستانے والا۔ معشوق کے ستانے
 کی صرف ایک ہی وجہ ہونی چاہئے۔ یعنی راعتماد، امتحان
 عشق، اور اگر محبوب امتحان اور اعتماد نہ ستاتا ہو بلکہ عادتاً
 جفا جو ہو تو عشاق کو لذت الم نہیں ملتی، اور عموماً میں
 امتیاز عشق باقی نہیں رہتا!

(۴) یعنی "تلوار ان کے ہاتھ میں ہو، اور ہم اس دس رنگین
 کو کبھی چھو بھی نہ سکے، اور گو وہ ہمارے ہی قتل کو آتے ہیں،
 مگر ہم پہلے ہی سے اسے تیغ کے رشک میں ہلاک ہوئے
 جاتے ہیں۔"

(۵) "سُحان اللہ" کیا ہی رنگین کلام ہے اور کیسا دل کش انار
 بیان ہے۔ "مینا" اگرچہ نقوش جواہرین کو کہتے ہیں مگر شعرا کے

یہاں صراحی مئے کے لئے مستعمل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تیری رفتار میں بستی و نشاط نے اور زیادہ متوالا پن پیدا کر دیا۔ جس کو دیکھ کر ہزاروں ہلاک خرام ہو گئے، تو گویا، خلق اللہ کا یہ خون صراحی کی گردن پر سوار ہوا اور اس خون ناحق کے خوف سے موج مئے کانپ رہی ہے۔

(۶) "وا حسرتاً الفاطی" تاسف میں سے ہے۔ یعنی افسوس انہوں نے مجھے لذت آزار کا طالب دیکھ کر ستم کرنا بھی چھوڑ دیا۔ (۷) "مقلع" جنس فروختی "سخن" کلام شاعر "عبار طبع" مصیبت طہیت۔ یہاں قدر شناسی اور داد کی اہلیت مراد ہے۔ مطلب ہے کہ ہم تو کلام کے ساتھ خود یک جاتے ہیں، بشرطیکہ سامع میں قدر دانی، سخن بینی، اور جوہر شناسی کی اہلیت ہو ورنہ خود یک جانے کا مفہوم بن۔ وہ احسان ہوتا ہے (یعنی اگر کوئی ہمارے کلام کی قدر کرے، تو ہم احسان مند بھی ہوتے ہیں۔

(۸) ظاہر ہے کہ سچ و تبیہ کے دانوں سے تاکے میں نشیب و فراز پیدا ہو جاتے ہیں ان ہی نشیب و فراز سے ہمواری و ناہمواری راہ زمار و سچہ بیان کی ہے۔

(۹) یعنی اب کانٹوں سے آبلے ٹوٹ جائیں گے۔

(۱۰) "آئینہ" دل سے، طوطی، معشوق سے، زنگار۔ لوث حرمان نصیبی، اور تکرر طبع سے استعارہ ہے "زنگار" و "طوطی" ہیں رنگ و جہر شہ ہے مطلب ہے کہ وہ میرے آئینہ دل

میں، لوٹ حراماں نصیبی دیکھ کر یہ بدگمانی کرتا ہے کہ کسی اور کی محبت میں مبتلا ہے۔

(۱۱) جلوہ طور سے خطاب ہے کہ شراب، میخوار کا طرف دیکھ کر دیا کرتے ہیں، بھلا پتھر میں برق جمال کی برداشت کہاں تھی یہ بھلی تو ہم ہی پر گرتی تو مناسب تھا! (۱۲) یعنی اسی دیوار سے سر بھوڑا کرتا تھا، دیوار دیکھنے سے غالب یاد آ گیا۔

لڑتا ہے میرا دل ز محبت سرور خشاں پر
میں ہوں وہ قطرہ شبنم کہ ہو خایہ بیاں پر (۱)
نہ چھوڑی حضرت یوسف نے یاں بھی خانہ آرائی
سفیدی دیدہ یعقوب کی پھرتی ہے زنا پر (۲)

نما تعلیم درس بخود ہی ہوں اُس نے سے
کہ مجنوں لام الف لکھتا تھا دیوار و بستاں پر (۳)
وراغت کس قدر رہتی مجھے تشویش مریم سے
بہم گم صبح کرتے پارہ ہائے دل نمکناں پر (۴)

نہیں اقلیم الفت میں کوئی طومار ناز ایسا
کہ پشت چشم سے جسکے نہ ہوئے ہر عنوان پر (۵)
مجھے اب دیکھ کر ایر شفق آلودہ یاد آیا
کہ فرقت میں تری آتش پرستی تھی گلستاں پر (۶)

بجز پرواز شوق ناز کیا پاتی رہا ہو گا
قیامت اک ہوائے تندہ ہے خاک شہیاں پر (۷)

بہ لڑنا صحیح سے غالب کیا ہو اگر ٹسے شکت کی
ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر

(۸)

(۱) لفظ بیاباں "کو پیش نظر رکھ کر اگر خیال آفرینی سے کام
لیا جائے، تو "زحمت ہر درخشاں" کا یہ مفہوم ہو گا، میں ان
تک کے لئے کرتے اور اس وحدت و حرارت میں خود آفتاب پر
کیا کچھ تکلیف نہ گذرتی ہوگی باقی شعر میں، زحمت ہر درخشاں
کے لئے کوئی ثبوت نہیں۔ البتہ دل کے لرزے کی تشبیہ اس
قطرہ شبنم سے جو سرخار پر ہو، بہت ہی اعلیٰ و لطیف ہے۔
(۲) خانہ آرائی "کی آرائش" سفیدی دیدہ آنکھ کی پتلی کے گرد
جو سفید حصہ چشم ہوتا ہے اس کو سفید ہی ہی کہتے ہیں لیکن
مجاورہ میں "آنکھیں سفید ہو جانا" کے معنی بینائی اور نور
جاتا رہنا، اور اندھے ہو جانے کے ہیں۔ اور خصوصاً روتے
روتے اندھے ہو جانے کے لئے یہ مجاورہ مخصوص ہے۔
بیٹے کو بھی مجاورہ میں نور نظر، نور چشم وغیرہ کہتے ہیں شعر میں،
حضرت دوست کے قصہ سے تلخیص ہے اور باقی لفظی رعایات ہیں
(۳) فنا تعلیم درس بخودی "بخودی کے سبق سے تعلیم فنا
حاصل کرنے والا۔ اصل میں "بخودی" کے معنی اپنے آپ سے
بے خبر ہو جانے کے ہیں، اور اہل سلوک و معرفت کے یہاں
اسی مقام کو "فنی" انایت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ مقام
مراتب فنا میں سے ہے "فنا" اس مقام و مرتبہ کا نام ہے جبکہ
سالک اپنی ہستی، یعنی خودی اور تمام غیر میتواں کو مٹا، اور

فرا موش کر چکا ہو۔ لام، الف (لام) عربی میں لائے نفی ہے
 کلمہ "لا الہ الا اللہ" کی ابتداء اسی حرف نفی سے ہوتی ہے،
 پھر صوفیائے کرام کے یہاں "موجودیت" "غیر الہی" "مقصودیت"
 "غیر الہی" اور "محبوبیت" "غیر الہی" وغیرہ کے لئے بھی کلمات ہیں،
 اور نفس کشی کی تعلیم کامبرار یہیں سے ہے۔ "مجنوں"
 رقیس کی طرف، "لام الف" "نسب کرنے میں، دوسری رعایت
 یہ ملحوظ ہے، کہ نام لیلیٰ کا پہلا حرف (لا) ہی ہے "وہستان"
 (اوہستان) مکتب۔ یا مدرسہ "دیوار پر لکھنا" یا سکل ہی
 مبت۔ یا نہ اور طغلامہ پن کا ثبوت ہے۔ مطلب ہے کہ اس میں
 تعلیم فنا میں اس وقت سے مصروف ہیں۔ جب قیس مبتداری
 تھا، یا جب کہ قیس کو لیلے کا پورا نام بھی لینا نہ آتا تھا بلکہ صرف
 لام الف کی مشق کرتا تھا، یا جب کہ اس کے خاندان عشق میں
 صفر (۰) تھا، یا جب کہ وہاں عشق کے نام، نفی بھتی گویا مجکو
 قیس پر افضلیت حاصل ہے!!

(۴) "تشویش مرہم" جستجوئے مرہم۔ یعنی، بعض پارہ ہائے دل
 لذت گیر شکراں ہونا چاہتے ہیں، اور بعض کو مرہم درکار ہے
 کاش سب کے سب لذت نمک کے طالب ہوتے تو تلاش
 مرہم کی کاوش نہ ہوتی۔

(۵) "اقلیم ملک" دارالحکومت حسن مراد ہے۔ "طومار" حکم یا
 فرمان، یا شاہی مراسلات "طومار ناز" معشوق سے استعارہ
 ہے "چشم و قمر" میں تشبیہ ہے "پشت چشم" الٹی نگاہ، یا پری ہوئی

آنکھ، یا بدلی ہوئی نظر۔ مطلب یہ ہے کہ، فرا میں حسن پر
کچ ادا یوں کی مڑ ہوتی ہے۔ یا معشوق کی فرمائشیں ستم سے
خالی نہیں ہوتیں۔

(۷) شفق بادل، اور آگ میں، رنگ و چہ شبہ ہے۔

(۸) یعنی شوق و یارِ جمال، کی پرواز کے سواء شہسازانِ ناز نہیں
اب باقی ہی کیا ہو گا کہ قیامت اُن کو اٹھا لے گی، البتہ
ہو اسے تیز و تند ہو کر خاکِ مزار اڑا سکتی ہے، یا قیامت
اُس ہوائے تناسل سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی، جو پرواز نہیں
دروے۔

(۸) یعنی نامعنے اگر نصیحت میں شدت کی تو اس کا یہی جواب
ہو سکتا ہے، کہ فی الغیر گر بیان چاک کر دیا جائے تاکہ اسے
معلوم ہو جائے کہ اُس کی نصیحت کی کس قدر وقعت کی گئی۔

ہے بسکہ ہر اک ان کے اشاسے میں نشاں اور

(۱۱)

کرتے ہیں محبت تو گزرتا ہے گمساں اور

یارب! وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گمیری بات

(۱۲)

دے اور دل اُن کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور

(۱۳)

آہ و سے کیا اُس نگر ناز کو پیوند

ہے تیر مقرر مگر اس کی ہے کمان اور

(۱۴)

تم شہر میں ہو تو ہمیں کیا غم جب اُٹھیں گے

لے آئیں گے بازار سے جا کر دل و جاں اور

(۱۵)

ہر چہ سبک دست ہوئے بُت شکنی میں

- ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہیں سنگ گراں اور
 ہے خون جگر جوش میں دل کھول کے روتا
 (۶)
 چوتے جو کئی دیدہ و خوشیا بہ قشاں، اور
 مرتا ہوں اس آواز پہ ہر چند سراٹھ جائے
 (۷)
 جلا دے لیکن وہ کسے جائیں کہ ہاں اور
 لوگوں کو ہے نور شہ جہاں تاب کا دھوکا
 (۸)
 ہر روز دکھاتا ہوں میں، اگلے دن نہاں اور
 لیتا، نہ اگر دل تمہیں دیتا، کوئی دم چین
 (۹)
 کرتا، چونکہ مرتا، کوئی دن آہ فغاں اور
 پاتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے
 (۱۰)
 روکتی ہے سری طبع تو ہوتی ہے رواں اور
 ہیں اور بھی دنیا میں مخیر بہت اچھے
 (۱۱)
 کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

- (۱) یعنی اسے فریب حسن یا یہ کچھ سمجھتے افزائی نہیں، ”دھمکتا،
 (۲) یعنی وہ میرے کلام شوق سے، آرزوئے وصل پر آگاہ
 نہیں ہوتے، اور میں رعب حسن یا خود اسی وضبط سے کام
 لیتا ہوں، اور صاف صاف عرض مطلب سے قاصر ہوں۔
 پس، اے خدا! ان کو دل جذبات شناس نہیں دیتا تو مجھی کو
 زندانہ کلامی کی قوت عطا فرما دے!
 (۳) ”کمان“ عام استعارہ، ”ابرو“ سے ہے، مطلب ہے کہ
 ابرو سے نگاہوں کا کوئی تعلق ہی نہیں، نگاہ بے ضرور ہے لیکن

اس تیر کی کمان تو گردش چشم کو سمجھنا چاہئے۔

(۴۴) یعنی اس کے حسن نے تو سارے شہر کو جاں بلب اور دل بہکھ بنا رکھا ہے، ہم جس سے چاہیں گے، دوسرے جان و دل، بازار سے خرید لائیں گے۔

(۴۵) ”سبک و سرت“ تیز و سست، یا ہاتھ کا صاف ہونا ”بت شکنی“ بت توڑنا، ”عالم توحید“ میں الفاظ ”بت“ و ”صنم“ کا ہر مذہب و غیر خدا اور ہر مفہوم ماسوا اللہ پر اطلاق ہوتا ہے اور راہ معرفت میں، ”انانیت“ و ”خودی“ بھی، ایک محسوس، ایک سنگ راہ اور رکاوٹ ہے۔ چنانچہ شعر میں ”ہم“ یعنی ”خود می“ ہی کو سنگ گراں کہا گیا ہے۔ مطلب ہے کہ اگرچہ بت شکنی میں ہمارا ہاتھ صاف اور رواں ہو گیا ہے، لیکن جب تک ہم کو اپنی ہستی کا احساس باقی ہے اس وقت تک شرک کا خاتمہ نہ سمجھنا چاہئے!

(۴۶) ”ویدہ خونہا بہ فشاں“ خون روئے والی آنکھ۔

(۴۷) یعنی اس کی آواز ترغیب شہادت ہے۔

(۴۸) شعراء داغ کی آفتاب سے تشبیہ و پاکرتے ہیں، ہر روز تازہ داغ کھانے اور دکھانے میں، یہ تازگی ہے کہ آفتاب بھی ہر روز نکلتا ہے۔

(۴۹) یہ بہت لطیف تقریر ہے۔ ”لینا“ کو ربط ہے ”چہن“ سے

”کرتا“ مربوط ہے ”آہ و فغاں“ سے۔ عربی میں تعقید معنوی اور

لفظی دونوں معیوب ہیں۔ فارسی میں تعقید معنوی عیب ہے تعقید

لفظی جائز، بلکہ فصیح و ملج۔ یہ بیختہ، تقلب۔ ہے فارسی کی۔ مائل
 معنی مصرعین پر کہ۔ اگر ول تھیں نہ دیتا، تو کوئی دم چین لیتا، اگر
 نہ مرنے تو کوئی دم اور آہ و فغاں کرتا (ماخوذ از مکتوبہ اوستا و غالب)
 (۱) "راہ" "روانی" وغیرہ مناسبات لفظی ہیں، یعنی جب آہ،
 ٹھوگر ہوتی ہے، یا دم گھٹتا ہے تو نالے بلند ہوتے ہیں، اور
 جب طبیعت الجھتی ہے تو اضطراب برپا ہوتا ہے (راویہ طرب
 مماثل روانی ہے)

صفائے حیرت آئینہ ہے سامان رنگ آخر
 (۱) تغیر، آب بر جامانہ کا، پاتا ہے رنگ آخر
 نہ کی سامان عیش و بجاہ لئے تہ پیر وحشت کی
 (۲) ہوا جام زمرہ بھی مجھے داغ پلنگ آخر

(۱) "صفائے حیرت" آئینہ کی قلعی۔ آئینہ کا وصف شعراء، "حیرت"
 لکھا کرتے ہیں۔ اور حیرت کی خاصیت "جمود" و عدم حرکت ہے
 "آب بر جامانہ" ٹھیرا ہوا رکھا ہوا، غیر روان پانی۔ "تغیر"
 تبایلی۔ مطلب ہے کہ جس طرح رُکے ہوئے پانی پر، گاہی
 وغیرہ جم جاتی ہے، اُسی طرح آب آئینہ رنگ سے متبیل
 ہو جاتا ہے۔

(۲) وحشت و خوف سے وہیم شبہ کی تمثیل دی ہے۔ یعنی وحشت
 میں مجھے جام زمرہ چیتے کے داغ کی طرح معلوم ہوتا ہے۔

جنوں کی دستگیری کس سے ہوگر ہوئے دریانی
 (۱) گریباں چاک کما حق ہو گیا ہے میری گروں پر

برنگ کاغذ آتش زدہ نیزنگ بیتابی (۲)
 ہزار آئینہ دل پاندہ سے ہے بال یکتہ پیدن پر
 فلک سے ہم کو ہمیش رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے (۳)
 متاع بڑوہ کو سجھے بچھے ہیں قرض بہزن پر
 ہم اور وہ بے سبب پنج آشنا دشمن کہ رکھتا ہے (۴)
 شعلہ ہر سے تہمت نگر کی چشم روزن پر
 فنا کو سوئے گر مشاق ہے اپنی حقیقت کا (۵)
 فروغ طالع خاشاک ہے موقوف گلخن پر
 اسے پہلے کس انداز کا تامل سے کہتا ہے (۶)
 کہ مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر

(۱) گریبان چاک "باضافت مقلوب، چاک گریباں - یعنی
 چاک گریباں کا میں سنت کش ہوں اگر یہ باعث عریانی نہ بن
 جایا کرے، تو میرے دیوانگی کے سب ولولے مٹ جائیں۔
 (۲) "نیزنگ" مثل "کاغذ آتش زدہ" جلتا ہوا کاغذ۔ "نیزنگ" طرح
 طرح کے۔ یا شعبہ سے "آئینہ بند" چمکانا، یا فروغ دینا مراد
 ہے۔ آتش زدگی اور آئینہ بندی میں تشبیہ ہے بال "پر۔
 "ٹپیرن" تڑپنا۔ اور مبالغہ اڑنے سے تعبیر کیا ہے کاغذ
 جب چلتا ہے، تو ٹسکڑ جاتا ہے ٹسکڑنے کی تشبیہ "ٹپیرن"
 ہے۔ مطلب ہے کہ شرت سوز دل سے بے تابی اس طرح
 بڑھتی ہے، جیسے کاغذ سوزاں، جلنے سے بیچ و تاب میں
 آتا ہے۔

(۱۱) "عیشِ رفتہ" گذرا ہوا عیش۔ "متاعِ بروہ" بہ یاد شدہ،
 یا سہر وقہ مال۔ رہزن "مسافروں کو لوٹنے والا۔ یعنی عیش
 گذشتہ کو ہم نلک سے اس طرح واپس مانگ رہے ہیں۔
 جس طرح، کوئی نادان، اپنی مسرورہ دولت چور پر قرض
 سمجھتا، اور واپسی کا تقاضا کرتا ہو۔

(۱۲) "بے سبب رنج آشنا" بے وجہ رنج۔ ہو جانے والا
 "رکھتا ہے" تھمت "سے مربوط ہے" نگر سے عاشق کی نگاہ
 مراد ہے۔ دیوار دور کے "روزن" کی تشبیہ آنکھ سے دی
 گئی ہے۔ مطلب ہے، کہ ہم، اور ہزاروں قسم کے شوق و
 طلب، اور وہ ایسا فتنہ جو، کہ آفتاب کی شعاع، جو روزن
 دیوار میں سے چھنتی ہو، اس پر نگاہ عاشق کی تھمت رکھ کر
 خفا ہو جاتا ہو، (دیکھئے کس طرح بنتی ہے)

(۱۳) "فروغِ خاشاک" گھاس پھوس کی قسمت کا فروغ
 "گلشن" انگلیشی۔ یا آتش۔ ان گھاس پھوس ہستی انسان کی
 تہیل ہے۔ یعنی اگر اپنی حقیقت معلوم کر لیا تو وہ فروغِ اصلیت
 و معرفت تک پہنچانا چاہتا ہے تو خودی مٹا دے اور اپنے
 خاشاک ہستی کو آتشِ عشقِ الہی میں جلا دے، کیونکہ خاشاک
 کی قسمت انگلیشی ہی میں چلتی ہے!!

(۱۴) "خدا جانے"، "اگر" کس اداسے ناز کا دیوانہ ہے، کہ خود
 قاتل کو ترغیب دے رہا ہے اور دونوں جہاں قربان کئے
 رہتا ہے (سبحان اللہ کیا مضمون، اور کیا اسلوب بیان ہے)

(۱) شکش، مصلحت سے ہوں، کہ خواہاں تجھ پر عاشق ہیں
مکلف برطرف مل جائے گا تجھ سار قریب آخر

(۱) ”مکش“ بیدا پسند ہو مکلف برطرف ”آخر الامر، یا المختصر،
یا غرض کہ۔ یعنی میں مصلحتاً بیدا و عشق کو گوارا کر رہا ہوں۔ اس لئے
کہ تجھ پر اکثر حسین بھی ہوتے رہتے ہیں کبھی نہ کبھی تیری صورت
و جمال کا مجھے کوئی رقیب، مل جائے گا، تو اپنی دل بستگی
اسی سے ہو جائے گی!

۱	ہے داغ عشق زینت جیب کفن ہنوز	فارغ مجھے نہ جان کہ مانن۔ صبح ہر
۲	ہوں کف فروش شیفی داغ کہن ہنوز	ہے ناز مفلساں زرا ز دست رفتہ پر
۳	غیا زہ کھینچے ہے بیت بیدا دفن ہنوز	میخانہ جگر میں یہاں خاک بھی نہیں

(۱) ”فارغ“ بے علاقہ و بے فکر۔ سفید۔ نئی کفن سے صبح کی اور داغ
سے آفتات کی تسبیہ ہے۔ ”داغ دل“ کا مقام، گوشہ صدر ہے،
جیب کا لفظ اسی رعایت سے لائے ہیں۔ مطلب ہے کہ مجھے
مرنے کے بعد بھی دورہ لیل و نہار نے فرصت نہ دی اور صبح کفن
سے آفتاب داغ نکلا ہوا ہے اور مصروف کار و بار۔

(۲) ”زرا ز دست رفتہ“ ضائع شدہ، یا خرچ شدہ دولت
”داغ کہن“ پرانا داغ ”گل“ ”اشرفی“ ”وڈیم“ (دولت) اور
”زخم“ یا داغ، سب میں تشبیہ اور رعایت ہوتی ہے، بلکہ عام
طو پر، گل داغ اور داغ گل۔ گل زخم و شہیرہ لکھا کرتے ہیں۔
یہاں بھی یہ تمام رعایتیں ملحوظ ہیں۔ مطلب ہے کہ جس طرح
فضول کثر پیوں سے مفلس ہو کر لوگ مفاسی میں اپنی گزشتہ

دولتمندی پر فخر کرتے ہیں، میں بھی اپنے زخم کہیں کوتاہہ رکھتا، اور
اُس داغ کہیں میں نئی نئی شوخیاں نظر نہ کرتا ہوں!

(۴) ”خمیازہ“ کہیں ہے؟ انگڑائی لیتا ہے۔ خون و شراب میں
”رنگ“ وجہ مشہور ہے۔ اسی رعایت سے جگر کے ساتھ
میخانہ استعمال ہوا ہے۔ انگڑائیاں نشہ اترنے اور شراب کی
مزید طلب میں آیا کرتی ہیں ”خمیازہ“ سے یہاں راہ بچا کر نکلتا بھی
ظاہر ہوتا ہے، اور خود معشوقوں کی انگڑائی بھی ایک اولیٰ ناز
اور اشتیاق انگیز حرکت ہوا کرتی ہے۔ مطلب ہے کہ وہ
ابھی تک آمادہ ستم ہیں، اور یہاں طاقت ضبط ہی نہیں!
یا وہ آمادہ ایذا رسانی ہیں اور یہاں غم میں رہتے روتے
سب خون جگر ختم ہو چکا۔

۱	دعا قبول ہو یا رب! کہ عمرِ خضر دراز	حریفِ مطلبِ مشکل نہیں فسوںِ نیاز
۲	ہنوز تیرے تصویر میں ہے نشیبِ فراز	نہ ہو بہر زہِ بیاباں نورِ وہم و جود
۳	کہ دیجے آئینہ انتظار کو پرواز	وصالِ جلوۂ تماشا ہے پردماغِ کہاں
۴	گئی نہ خاک ہوئے پر ہوئے جلوۂ تاز	ہر ایک ذرۂ عاشق ہے آفتابِ پرست

نہ پوچھ وسعت سے خانہ جنوں غالب
(۵) جہاں یہ کاسۂ گریوں ہے ایک خاک انداز

(۱) ”حریفِ مطلبِ مشکل“ یعنی کسی مشکل کے حل پر آمادہ اور مقابل
”فسوں“ اثر و تاثیر ”نیاز“ عجز و الحاح۔ یعنی کسی دشواری میں
ہماری عاجزی کا تو کوئی اثر ہوتا ہی نہیں۔ تو، اے خدا، اب
ہم اس قسم کی دعا مانگا کریں گے جس میں کسی تاثیر کی ضرورت

ہی نہ ہو، اور گویا مقبول ہی ہو چکی ہو، مثلاً، اے خدا، حضور کی عمر دراز کر، یا اے خدا، کل صبح آفتاب نکلے، اور شام کو چھپ جائے۔ یا اے خدا آفتاب جب نکلے تو وہ چھپ بھی آس کے ساتھ ہو، وغیرہ۔

(۲) ”ہرزہ“ تافہی سے ”وجود“ ذات باری تعالیٰ ”پیایان ثور“ صحر اگر د، اور یہاں آوارہ گرد و یا وہ مناسب ہے ”وہم“ و خیال جو غیر واقعی امور، اور غیر موجودہ اشیاء کو واقعی اور موجود کی طرح ذہن میں پیش و نمایاں کر دے ”ثیب و فراز“ پستی و بلندی، یا تنزل و عروج، یا مراتب امکان و وجوب مطلب ہے کہ جستجوئے ذات باری میں، لوہام و خواطر کی آوارہ گردیوں میں مبتلا نہ ہو، یہ سب واہمہ کی صورت آفرینیاں ہیں، اور ابھی تک تیرے تصور میں، پستی و عروج، اور این و آن کا امتیاز باقی ہے۔ اور بیک رنگی و وحدۂ خیالی میسر نہیں!

(۳) ”تماشا“ دید۔ نظارہ ”دماغ کہاں“ ”تاپ کہاں“ ”انتظار“ محاورہ کے معنی میں استعمال نہیں ہوا بلکہ لغوی معنی، نظر کرنا، نظارہ کرنا وغیرہ مراد ہیں۔ ”غور و تحسس“ سے دیکھنے اور چاروں طرف نظر دوڑانے کا مفہوم، لفظ ”پرواز“ سے مترشح ہے۔ مطلب ہے کہ نظارۂ عام (تماشا) کرنے سے (یا مطالعہ و مشاہدہ کرنے سے) جلوہ سے وصل (یا حقیقت کا انکشاف) تو ہوتا ہے لیکن اتنی تاب و طاقت کہاں (یا اتنی قدرت و عقل کہاں) کہ چاروں طرف نظر دوڑائیں (یا عام موجودات و مطلقہ ہر قدرت پر۔

غور کر سکیں)

(۴) یعنی عاشق کا ہر ذرہ خاک آفتاب کے مقابل ہے، اور مرنے کے بعد اشتیاق نظارۂ جمال مٹا نہیں۔

(۵) "میخانہ جنوں" عالم جنوں و الہیت مراد ہے۔ اسی رعایت سے "آئل آف گرووں" کے ساتھ "کاسہ" (پیالہ) کی ترکیب ہے، لیکن پھر بھی اس کو جامِ شراب یا سیاغریس، نہ کہنا، شانِ مضمون پر دلالت کرتا ہے۔ "خاک انداز" کوڑا وغیرہ بھینکنے کا برتن۔ یعنی عالم جنوں اتنا وسیع ہے کہ آسمان کی عظمت خاک انداز کی برابر ہے۔

۱	گذر سے ہے آبلہ پا ابر گہریاں زہنوز
۲	نقش پائیں ہے تپ گرمی ز قنار ہنوز

(۱) "سستی" کے لغوی معنی دور سے دیکھنے کے ہیں۔ "سرتاسر" بلندی سے سطح زمین تک مراد ہے۔ قطراتِ باراں سے آبلہ پانی کی تشبیہ ہے۔ "وسعت" میں آبلہ پانی کی رعایت ملحوظ ہے۔ مطلب ہے کہ جوشِ کرم کی فراوانی دیکھئے کہ سارے جہان میں پھرتے پھرتے گویا ابر گہریاں آبلہ پا ہو گیا ہے۔

(۲) "یکلیم" بالکل۔ کاغذ و نقش کی لفظی رعایت ملحوظ ہے۔ "دشت" ریگستان تپ گرمی۔ مطلب ہے کہ ابھی تک گرمی ز قنار سے نقش پا جل رہے ہیں، اور صفحہ دشت، کاغذ آتشزدہ بن گیا ہے۔

۱	کیا نہیں ہے مجھے ایساں عزیز
۲	دل سے نکلا پر نہ نکلا دل سے

۳	تاب لائے ہی بنے گی غالب واقعہ سخت ہے، اور جان عزیز
<p>(۱) یعنی عشق ہمارا مذہب ہے، اور اس بُت سے عشق ہے تو اس پر ایمان ہے، ایمان، جان سے زیادہ عزیز ہوتا ہے ایمان کی راہ میں جان جاتی رہے، تو پروا نہیں! (۲) پیکان تیر کی آبی یا پیر یعنی گویا تیر دل کے پار لنگل گیا، لیکن اس کی یاد و نشانِ زخم باقی ہے۔ (۳) یعنی لطف زندگی، بلکہ زندگی کا انحصار تو عشق پر ہے، اگر عشق میں مصائب کا سامنا ہوتا ہے تو ہٹوا کرے، تمام سختیاں گوارا ہیں کیونکہ جان عزیز ہے، جو عشق سے وابستہ ہے۔</p>	
۱	نہ گلِ نغمہ ہوں نہ پردہ ساز
۲	تو اور آرائشِ خم کا کل
۳	لاف تمکین فریبِ سادہ دلی
۴	ہوں گرفتارِ الفتِ صیاد
۵	وہ بھی دن ہو کہ اس ستمگر سے
۶	نہیں دل میں مے وہ قطرہ فوں
۷	اے ترا جلوہ یک قلم انگیز
۸	تو ہوا جلوہ گر مبارک ہو
۹	مجھ کو پوچھا تو کچھ غصہ نہ ہوا
اسد اللہ خاں شام ہوا اے دریغا! وہ زند شاہد باز	
۱۰	

۱) ”گل“ کا استعمال بہت سے معنوں میں ہوتا ہے، اور مختلف لفظوں سے ترکیب پاکر ہر موقع پر، مناسبت کے اعتبار سے مختلف معنی دیتا ہے۔ لیکن اس سے یہ خیال نہ ہونا چاہئے کہ مفہوم وضعی بدل جاتا ہے، بلکہ یوں سمجھنا چاہئے کہ ”گل“ رنگ، بونہ، گفتگی وغیرہ رکھتا ہے، پس کہیں رنگ کی رعایت مقدم ہوتی ہے، کہیں بونہ کی مناسبت ملحوظ رہتی ہے۔ کہیں گفتگی مفقود و بیاں ہوا کرتی ہے۔ ”گل نغمہ“ میں گفتگی مطلوب ہے۔ کیونکہ کلی سے جب پھول ہوتا ہے، تو اس کھلنے کو چٹکنا کہتے ہیں، اور چٹکنا اسماء صوت میں سے ہے اور ”صوت“ ”نغمہ“ ایک ہی حقیقت رکھتے ہیں۔ ”ساز“ یا جار نغمہ کی رعایت سے استعمال ہوا ہے۔ ”پرودہ“ یا جے کے وہ آلات، جن کے دبانے یا ضرب کرنے سے نغمہ پیدا ہوتا ہے۔ ”شکست“ رنج و غم شراوہ ہے، اور نغمہ و صوت وغیرہ کی رعایت ہے۔ یہ مطلب ہے کہ نہ تو میں صدائے عیش و سرور ہوں نہ پرودہ ساز ہوں بلکہ اپنی شکستہ خاطر کی کانالہ زار اور اپنے رنج و غم کی صدائے فغاں ہوں۔

۲) ”آرائش“ سنوارنا۔ ”خیم کا گل“ زلفوں کے تیج، یا بالوں کے حلقے یا چھلے۔ درازی زلف شعرا کے یہاں مسلم ہے، اسی درازی زلف کی رعایت سے اندیشہ کا (خطرے اور افکار) استعمال ہوا ہے۔ یعنی خدا جائے آج کیوں، آرائش مد نظر ہے کیا کہیں وعدہ تو نہیں؟

(۳۱) لاف "دعویٰ، یا شیخی۔ تمکیں" ضبط، یا خودداری۔ "فریب
سادہ دلی" نادانی کے دھوکے میں رہنا۔ "راز ماستے سینہ گداز"
سینہ دل سے استعارہ ہے، وہ راز جو دل پگھلا دیں یا جن
رازوں کے تحمل کی طاقت نہ ہو۔ یعنی وہ ہمارے ضبط و
خودداری کے دعوے، سادہ دلی کے فریب پر مبنی تھے
ورنہ ہمارے دل میں تو سوزِ عشق کے ایسے راز ہیں جو دل
پگھلا دیں!

(۳۲) جب صیاد سے محبت ٹھیری تو صید ہو جانے کا ڈر ہی
کیا۔ اور گرفتارِ اُلفت، طاقت پر وار ہونے پر بھی نہیں
اڑ سکتا!

(۳۳) یعنی آب تو صرف، ناز برداری کی حسرت ہی حسرت ہے۔ خدا
وہ دن لائے کہ بھائے حسرت کشی کے ناز کشی میسر ہو۔

(۳۴) "گل بازی" پھول بکھیرنا یعنی میرے دل میں ایسے ناکارہ خون کا
کوئی قطرہ نہیں جس نے آنسوؤں کو رنگین نہ کیا ہو۔

(۳۵) "انگیز" اٹھا ہوا، یہاں غالباً انداز کی رعایت سے لائے ہیں
کہ "انداز" و "انگیز" انداختن و انگیزان سے ماخوذ ہیں جو متضاد
معنی رکھتے ہیں۔ مطلب ہے کہ تیرا غمزہ التفات اٹھا دیتا ہے
اور تیرا ظلم گرا دیتا ہے۔ یا تیرا غمزہ بیساختہ ہے اور تیرا ظلم بھی
ادا کے ساتھ ہے۔

(۳۶) سجدے ادا کرنے کو فارسی والے "ریزش" سجدہ لکھا کرتے
ہیں۔ "جین" پیشانی۔ "نیاز" عجز و منت۔ یعنی تو جلوہ فرما ہوا۔

اس نیا زمند کے سجدہ ہائے ملت تہجگو مبارک ہوں۔

(۹) (بے شک)

(۱۰) "اے دریغا" کلمہ ماتم و افسوس۔ شاہد باز حسن
یا معشوق پرست۔

مژدہ اسے فوق اسیری کہ نظر آتا ہے

(۱)

دام خالی قفس مرغ گرفتار کے پاس

جگر تشنہ آزار تسلی نہ ہوا

(۲)

جوتے خوں ہم لے بہائی، بے ہزار کے پاس

مزد گیش کھولتے ہی کھولتے آنکھیں ہے مہ

(۳)

خوب وقت آئے تم اس عاشق بیمار کے پاس

میں بھی رک رک کئے مرتا، جو رباں کے بدلے

(۴)

دشمن اک تیر سا ہوتا مرے غمخوار کے پاس

دہن شیریں جا بیٹھتے لیکن اسے لول

(۵)

نہ کھڑے ہو جتے خوبان دل آزار کے پاس

دیکھ کر تہجگو چمن، بس کہ نمو کرتا ہے

(۶)

خود بخود پہنچے ہے گل گوشہ دستار کے پاس

مرگیا پھوڑ کے سر غائب وحشی ہے ہے

(۷)

بٹھنا اس کا وہ آکر تری دیوار کے پاس

(۱) نیا طاثر بھانسنے کے لئے، چال کے پاس، ایک طاثر کا

پنجرہ بھی رکھ دیتے ہیں، تاکہ ہم جنس کو دیکھ کر طاثر آزاد چال میں

آجائے۔ یہی مطلب شعر کا ہے کہ ہم سام سامان گرفتاری

موجود ہے۔

(۲) ”جگر تشنہ آزار“ جگر ایذا طلب تسلی نہ ہوا۔ راحت یاب نہ ہوا
یعنی آیلہ پاٹی میں دشت توردی کر کے ہم نے ہر کاسے کے
قریب ایک جوئے خون، پہا بہا دی، مگر پھر بھی جسگر ایذا
طلب کی تشنگی خوں نشانی نہ بچھی۔

(۳) یعنی نظارہ و دیدار کے لئے آنکھیں کھولنے کا ارادہ کرتے
ہی کرتے، ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند ہو گئیں (یعنی موت
آگئی)

(۴) غنچوار کے سارے دلاسے اور تسلیاں مریض عشق کے لئے
بیکار نہ ہوتی ہیں ذرا اس کے دلاسوں سے طبیعت ٹھہرتی ہے
پھر بگڑ جاتی ہے، گویا سنبھلنا، پھر بگڑنا، رک رک کے مرنے
سے، اور ظاہر ہے کہ رک رک کے مرنے تک یہ وہ ہوتا ہے
مطلب ہے کہ میرے غنچوار کے پاس، بجائے اس زبان کے
جس پر الفاظ تسکین و تسلی جاری رہتے ہیں، تیز سی چھری
ہوتی، اور وہ چلتی تو آسانی سے موت آجاتی؛

(۵) ”شیر کے منہ میں جاتا“ محاورہ ہے، جس کے معنی، قضا کا سامنا
کرنے کے ہیں۔

(۶) شاعرانہ انداز بیان ہے، کہ سب اس کے شایق ہیں، اور
شوق کی تعبیر ٹوٹے کی ہے۔

(۷) ”ہے ہے“ کلمہ افسوس ہے۔ مصرعہ ثانی میں لفظ ”وہ“ محاورہ
کی کمال بیباختگی کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔

۱	نہ لیوے گزشتہ جو ہر طراوت سبزہ خط	۱	لگا دے خانہ آئینہ میں روشنی نگار آتش
۲	فرغ حسن سے ہوتی ہے حل مشکل عاشق	۲	نہ نکلیے شمع کے پائے نکالے گرنہ خارا آتش

(۱) ظاہر ہے کہ تروتازہ تنکے، یعنی سبز گھاس، جلتی نہیں جوہر کی تشبیہ تنکوں سے دی ہے اور روسے جاناں کی سُرخ جوا آئینہ میں منعکس ہے، آتشزدگی کے مشابہ ہے۔ مطلب ہے کہ خس جوہر آئینہ، خط جاناں سے تری حاصل کر لیتا ہے ورنہ آتش رخسار آئینہ میں آگ لگا دیتی۔

(۲) "کانٹا نکلنا" مشکل آسان ہو جانے کے معنی میں مستعمل ہے شمع کی ہٹی کی تشبیہ "خار" سے دی ہے۔ مطلب ہے کہ پائے شمع کا کانٹا آتش شمع نکال دیتی ہے۔ اسی طرح عاشق کے دل کے خار ہٹے حسرت، آتش جمال دوست سے نکل سکتے ہیں۔

۱	جہادۂ رہ خور کو وقت شام ہے تار شعلہ	۱	چرخ واکر تپے ماہ تو سے آغوش وداع
---	-------------------------------------	---	----------------------------------

(۱) "تار شعلہ" وہ خطوط ابھیں مُراویں جو غروب کے بعد آفتاب پر نمایاں ہوتے ہیں اسی کو جہادۂ راہ "ر نشان راہ"۔ خط راہ) آفتاب کہا گیا ہے، اور ہلال یا ماہ تو نصف دائرہ اور آغوش کی شکل کا ہوتا ہے، اُس کو آغوش وداع سے تعبیر کر کے سمندر آفتاب کو تمثیل کیا ہے۔ یعنی آفتاب کی راہ سفر تار شعلہ ہے اور آسمان کی آغوش وداع ماہ تو۔

۱	نرخ نگار سے ہے سوز جہادانی شمع	۱	ہوتی ہے آتش گل آب ز ندگانی شمع
۲	زبانِ اہل زبان میں ہے مرگ خاموشی	۲	یہ بات بزم میں روش ہوتی زبانی شمع
۳	کوسے صرف بایمانے شعلہ قصہ تمام	۳	بطر ز اہل فنا ہے فسانہ خوانی شمع

۴	غم اس کو حسرت پر دانہ کا ہے اے شعلہ	ترے لرزے سے ظاہر ہے ناتوانی شمع
۵	تسے خیال سے روح اہتر اڑ کرتی ہے	ہر جلوہ ریزتی باد و بہر پر فشانے شمع
۶	نشاط داغ غم عشق کی بہار نہ پوچھ	شگفتگی سے شہید گل خزانے شمع

جلے ہے دیکھ کے بالین یار پر محمد کو
نہ کیوں ہو دل پر سے داغ بدگمانی شمع

(۱) شمع، رُخ محبوب کی آتش حسد سے جلا کرتی ہے، شعراء کے مسلمات میں سے ہے، رُخ محبوب گل، اور شمع میں آب و تاب اور رنگ و چہ شبہ ہیں مطلب ہے کہ محبوب کے رُخ سے شمع کو سوز و دہائی حاصل ہے، اور یہی آتش گل، شمع کے لئے آب حیات ہے!

(۲) شمع کی لو کو زبان شمع کہتے ہیں۔ اور بجھی ہوئی شمع کو شمع کشتہ کہتے ہیں۔ گویا شمع کی زندگی زبان شمع پر منحصر ہے۔ ”روشن ہوئی“ محاورہ برجستہ ہے بمعنی ثابت ہوئی یعنی، یہ بات شمع کی زبانی ثابت ہوئی کہ خاموشی آثار موت میں سے ہے۔

(۳) ”ایمانڈ اشارہ“ کو اشارہ سے تعبیر کیا ہے۔ سوز شمع کو سوز عشق کہا جاتا ہے اور مصرعہ ثانی میں اہل فنا سے سوختہ جانان عشق مراد ہیں۔ ”قصہ تمام کرنا“ مٹانا یا فنا کرنا، اسی کا ترجمہ ”فسانہ خوانی“ استعمال ہوا ہے۔ مطلب ہے کہ جس طرح سوختہ جانان عشق کی فنا اور ان کی بربادی سے بزبان حال، فسانہ خوانی و داستان عشق ہوتی ہے۔ اسی طرح شمع با اشارات شعلہ سوز عشق کا قصہ بیان کرتے ہوئے اپنا حاتمہ کر لیتی ہے۔

(۴) کمزوری سے یکسو پیدا ہوتی ہے، اور یہ کیفیت، غم اور غصہ دونوں حالتوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ اور شعلہ کی حرکات کو لرزے پر محمول کیا ہے، مطلب یہ کہ اسے شعلہ ایتھرے کا اپنے اور تھر تھرانے سے معلوم ہوتا ہے کہ شمع، حال حسرت نال پر اندر پڑنا تو انی غم سے کانپ رہی ہے۔

(۵) "اہتراز" حرکت کرنا، پھر ٹکنا، رُوح کا پھر ٹکنا "دوا اعتبار سے" محاورہ میں مستعمل ہے، یا تو جوش طلب اور اضطراب تما میں پھر ٹکنا، یا مسرت حاصلہ پر پھر ٹک جانا یہاں جوش مسرت اور اضطراب تما دونوں کیفیات مترشح ہیں۔ اگر خیال کے معنی "یاد" کے لئے جائیں تو اضطراب تما مفہوم ہوگا، اور اگر خیال کے معنی "تصور" سمجھے جائیں، تو جوش مسرت سے پھر ٹک جانا مراد ہے۔ اور مصرعہ ثانی میں "جلوہ ریزی باد" کا قرینہ مقتضی ہے، کہ خیال یعنی تصور دل خوش کن، اور اہتراز بر بنائے جوش مسرت ہے۔ یہ دونوں جگہ قبیہ ہے۔ جس سے تاکید اثبات، اور شوکت کلام مقصود ہے۔

"یاد" (ہوا) چونکہ خیال (تصور) سے مربوط ہے، اس لئے "جلوہ ریزی" کہا گیا ہے (اور یہ نئی بات ہے) غالباً یہ مناسبت بھی ملحوظ ہے کہ "لو" جلوہ ہے، اور ہوا بھی اس کو متحرک و مشتعل کرتی ہے، اور ہوا کے بغیر اشتعال ناممکن ہے پس "جلوہ ریزی" ہوا ہی سے ہوتی ہے! پر فانی شمع کی ترکیب

تمثیل، دقیق و بلیغ ہے۔ "پریشانی" (طائر کا پرواز کے لئے
پر پھیلا دینا) ہوا کی شدت سے لو، سرعت کے ساتھ متحرک
اور زبردست ہوتی ہے، اسی کو "پریشانی" شمع سے تعبیر کیا ہے
پھر شمع، اس طرح پریشانیوں کے بعد، اکثر بجھ جاتی اور
اپنی حیات ختم کر دیتی ہے، تو ہو ہوا، یا عیش اشتعال
(حیات شمع) یا باعث جلوہ ریزی ہوتی ہے، اسی ہوا کی
زیادتی اس کو (شمع کو) پریشاں (لو کا زیر زبر کرنا) کرتی اور
بجھا دیتی ہے۔

"روح" اور "روح" (باد) ہوا، ایک ہی مادہ کے الفاظ اور
تقریباً ایک ہی خاصیت رکھتے ہیں مطلب ہے، کہ تیرا خیال
میری روح (چراغ حیات) انسانی کو اس طرح اہتراز میں لاتا
ہے، جس طرح ہوا شعلہ شمع کو، کہ باعث حیات بھی ہے۔
اور باعث ہلاکت بھی، یعنی تیرے خیال بغیر جی بھی نہیں سکتا۔

اور تیری یاد میں مرتا بھی ہوں !
(۱) "نشاط" خوشی۔ "داع" کو تشبیہاً گل لکھتے ہیں اس اعتبار سے
بہار و خزاں، لازم گل سے ہیں۔ پھر گل "شعلہ شمع" سے
استعارہ ہے اور چونکہ یہ گل شمع، ہستی شمع کو جلا دیتا ہے اس لئے
شمع کے لئے یہ گل باعث خزاں و بربادی ہے "غفلتگی" نتائج بہار
میں سے ہے "شہید" رنگ گل کی رعایت ہے اور معنی عاشق
اشتعال ہوا ہے۔ مطلب ہے کہ غم عشق نے گلہائے داع
کھلائے ہیں، ان کی بہار و غفلتگی گل شمع کے مانند ہے یعنی

ایسی بہار ہے جس سے خزان سوز نشوونما پاتی ہے۔
 (۷) ”بالیں“ سر ناتہ یعنی شمع جو جمالِ یار کے رشک و حشر میں
 جل رہی ہے یا سر بالیں یار، مجھ کو دیکھ کر جلتی ہے، مجھے یہ
 جلن ہوتی ہے، کہ یہ سر بالیں کیوں ہے؟ اس بدگمانی نے
 میرے دل پر داغ ڈال دیئے ہیں۔ کہ یہ رقابت کیسی؟

بیم رقیب سے نہیں کرتے وداع ہوش	۱	مجبوریاں تک ہونے لے اختیار حیف
جلتا ہے دل کہ کیوں نہ ہم کیا جل گئے	۲	لے ناتمامی نفس شعلہ بار حیف

(۱) ”بیم رقیب“ غیر کا خوف۔ ”وداع“ رخصت۔ ”حیف“ کلمہ
 ”تاسف“۔ ”مجبور و اختیار“ دو متضاد المعنی الفاظ ہیں، اُن کو
 مترادف المعنی طریقہ پر استعمال کیا ہے، اور یہ حسن استعمال
 ہے، یعنی رقیب کے اندیشہ سے ہمارے ہوش و حواس
 (خود دارانہ) رخصت نہیں ہوتے اور ہم باوجود اضطراب
 عشق، طبیعت پر اختیار اور قابو رکھتے ہیں، کہ وہ ہمارے غیر
 حال کا مضحکہ نہ کر سکے، پس افسوس ہے کہ مجبوراً ہم اختیار کا
 عمل کرتے ہیں!

(۲) ”ناتمامی“ عدم کمال ”نفس“ سانس ”شعلہ بار“ سانس کی وہ
 مسئلہ صفت ہے جو اہل سوز و درد کے یہاں تسلیم کی جاتی ہے
 یعنی نفس شعلہ بار کی اس ناتمامی پر دل جلا جاتا ہے کہ
 اس نے ہم کو ایک مرتبہ ہی میں کیوں نہ خاک کر دیا!

زخم پر چھڑکیں کہاں طفلانِ بے پروا تک
 کیا مژہ ہوتا اگر پتھر میں بھی ہوتا نمک

(۲) گردِ راہِ یار ہے سامانِ نازِ زخمِ دل
ورنہ ہوتا ہے جہاں میں کس قدر پیدا نمک

بجوارِ زانی رہے تھکو مبارک ہو جیو
(۳) نالہ بلیل کا درد اور خندہ گل کا نمک

(۴) شورِ جولاں تھا، کنارِ کھر پر کس کا کہ آج
گردِ ساحل ہے، بزخمِ موجہ دریا نمک

داد دیتا ہے مرے زخمِ جگر کی واہ واہ
(۵) یاد کرتا ہے مجھے دیکھ کے وہ جس کا نمک

(۶) چھوڑ کر جانا تن مجروح عاشق حیف ہے
دل طلب کرتا ہے زخم اور رائیگیں ہیں اعضا نمک

غیر کی منت نہ کھینچوں گھاپے تو فیر درد
(۷) زخمِ مثلِ خندہ وصال ہے سترِ پانمک

یاد ہیں غالب تجھے وہ دن کہ وہ درِ ذوق میں
(۸) زخم سے گرتا تو میں پلگوں سے چلتا تھا نمک

(۱) لوازمِ دیوانگی میں سے لڑکوں کا پتھر مارنا بھی ہے۔ شعرا کے

یہاں زخم پر نمک پاشی کی ایذا طلبی بھی عام ہے یعنی پتھر سے
زخم تو ہوتا ہے۔ لیکن نمک پاشی کی کمی رہ جاتی ہے، طفلانِ
بے پروا، بھلا اس زحمت کو کیوں گوارا کریں، کاش کہ پتھر میں
قدرتِ نمک کا ذخیرہ قرار ہم کر دیتی!

(۲) یعنی اگر چہ دنیا میں نمکسنگی کمی نہیں، لیکن میں اس سے
مستغنی ہوں، کیونکہ وہ گزیرِ یار کی ناک نہ باورِ پیرِ لطیف ہوتی ہے۔

اور میرے زخموں کے لئے بہترین نمک کا کام دیتی ہے۔
(۳۷) حاصل یہ کہ میری قسمت میں ہی عاشقانہ ستم کشی رہے، اور
تمہیں معشوقانہ جفا پروری مبارک۔

(۳۸) ”شور“ شور و غل۔ اور نمک کو بھی کہتے ہیں اور سمندر کا پانی
بھی شور (کھاری) ہوتا ہے۔ اور یہی لفظی قائدہ شعر میں
اٹھایا گیا ہے۔ ”جولاں“ دوڑنا۔ جوش و تموج دریا کو بھی جولانی
کہتے ہیں۔ ”گردِ ساحل“ دریا کے کنارے کی خاک ”بزخیم موجہ دریا“
موج، زخم کے مشابہ ہوتی ہے، یعنی آج کس کے جولانی
اسپ کا ”شور“ چھا ہوا تھا، کہ جس نے تمام گردِ ساحل کو
نمکیں (پروٹن) کر دیا، پھر یہ گردِ جو اڑ کر موج زخیم دریا میں
پڑی تو اس نے یہ نمک پاشی کی، تیری (موج کی) جولانی
پیچ ہے، جولانی ایسی ہوتی ہے!

(۳۹) یعنی وہ جو نمک، دیکھ کر مجھے یاد کر لیتا ہے، گویا نمک پاشی کے
ضمن میں میرے زخموں کی یاد واد ہو جاتی ہے۔

(۴۰) یعنی ابھی تو بہت کچھ ستم باقی ہیں، تم نے صرف جسم کو
مخیر ورج کر دیا، دل کے لئے زخم اور نمک پاشی باقی رہے، اور
افسوس تم خاتمہ سمجھ کر چل دیے!

(۴۱) ”توفیر“ زیادتی۔ ”خندہ“ ہنسی۔ معشوق نمکیں کی ہنسی بھی نمکیں
ہوتی ہے، زخم کے شگاف کی خندہ سے تشبیہ کرتے ہیں پھر
جب خندہ زخم، خندہ قاتل کے مماثل ہو تو ظاہر ہے کہ نمکیں
بھی ہو گا۔ یعنی مجھے اضافہ درد و راز کے لئے کسی اور کے

احسان کی کیا ضرورت، میرے رخم خود نمکین ہیں۔
(۸) ”وہ ذوق“ غویت شوق، ”نمک“ پلکوں سے چلنا، ”تعطیل“
مشہور ہے۔

- آہ کو چاہتے اک عمر اثر ہونے تک
(۱) کون جیتا ہے قری زلف کے سر ہونے تک
- دام ہر موج میں ہے، حلقہ صد کام نہنگ
(۲) دیکھیں کیا گزرتے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک
- عاشقی صبر طلب اور تمت ابیتاب
(۳) دل کا کیا رنگ کروں خون جگر ہونے تک
- ہم نے مانا کہ تعفافل نہ کرو گے لیکن
(۴) خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک
- پر تو غور ہے شہنم کو فنا کی تعلیم
(۵) میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک
- یک نظر بیش نہیں فرصت ہستی غافل
(۶) گرئی بزم ہے اک رقص شر ہونے تک
- غم ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج
(۷) شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

(۱) ”اک عمر“ ایک زمانہ دراز۔ سر ہونا جس کے معنی فحتمندی اور
مستحضر کرنے ہیں۔ لذت تاثیر آہ کی رعایت سے ”زلف“ استعمال
کیا ہے، کیونکہ درازی زلف بھی مسلم ہے! (انداز بیان بہت
دل کش ہے)

وہاں) شوق کی ڈام سے تشبیہ دیکر، ہر موج میں ڈام لکھا ہے۔
 "حلقہ صدمہ کام ننگ" صدمہ حلقہ ہائے کام ننگ یا حلقہ کام
 صدمہ ننگ، یعنی وہ ننگ کے پیشکاروں حلقے صدمہ ہیں طلب
 ہے تاکہ وہ صدمہ موجوں کا جال ہے، جس کے حلقے، وہ ننگ ہائے
 ننگ ہیں، دیکھئے، قطرہ عیسان پر گرنے والے تاک، کیا گزرتی
 ہے یا اس عالم حادث وابتلا کا ذرہ ذرہ انسانی مسرت کا
 ڈھن ہے اگر ان الجھنوں سے نکل گیا تو کامیاب ہو گیا۔ یا اس
 پھر کثرت کی، ایک ایک موج ڈام ہے، جس میں وہ ننگ صدمہ
 اس دامن کے پیشکاروں حلقے ہیں، ان سے ایمان بچ جائے
 تو گو ہر مقصود پاس ہے، مگر دیکھئے عرفان "قیامت تاک" پڑھئے
 میں اس پر کیا گزرتی ہے؟

(۳) "صبر طلب" حالت طلب، طوالت طلب، وہی حکیمانی
 عشق کا، متعارف ہے، اور چونکہ دل کی چارہ طلبی تھی، اس کے
 مقابلہ میں خون جگر لائے ہیں۔ قریب قریب اسی مشہورم کا
 ایک شعر اس سے پہلے گزر چکا ہے، یعنی، دل ہوا کشمکش
 چارہ زحمت میں تمام ہاں مٹ گیا، جسے میں، اس عقدہ کا وادہ
 جانا، یہاں زحمت چارہ دل نے دل کو تمام کر دیا، اور یہاں
 صبر طلبی سے خون جگر ہونا، اور خون جگر ہونے تک، دل کی
 حالت کی طرف متوجہ کیا ہے۔

(۴) یعنی جب تک آپ کو خیر ہوگی، ہماری جان جائے۔ یہ ہے
 گی، مانا کہ آپ تغافل نہ فرمائیں گے، کیا آپ کو ہمارے

حال کی خبر بھی تو ہو۔

اھا پر تو غور "فوز آفتاب" آفتاب کی تشبیہ بھی آنکھ سے کب
کھٹے ہیں، عاشق کی ہستی بے ثبات کی تمثیل بے ثباتی شبنم
سے کی ہے۔ چونکہ آفتاب کا وجود، کائنات کے لئے منبع
فیض ہے، اسی رعایت سے چشمِ کرم یا رے سے تشبیہ دی گئی ہے
یعنی جس طرح چشمِ آفتاب باوجود فیض، شبنم کو فنا کر دیتی ہے،
اسی طرح عاشق کو نگاہِ کرم بھی ہلاک کر دیتی ہے۔ دوسرے
الفاظ میں شعر کا یہ مطلب ہوگا کہ فنا سے وہ مقہور
معرفت و سلوک مراد ہے، جو عشقِ الٰہی میں پیش آتا ہے۔
میں بھی ہوں۔ کے معنی زبانِ اہل عرفان میں "انانیت" اور
مخودی کے ہیں، اور اسی میں بھی ہوں کہ "مٹنے کو فنا" کہتے
ہیں، اسی کو دوسرے الفاظ میں یہ خودی و خود تراوشی کہہ
سکتے ہیں، معشوق کی نگاہ اور خصوصاً نگاہ التفات کا اثر
بے خودی مسلم ہے، یعنی میری جہان گاہ ہستی، یا خودی، یا انانیت
تو تیری نظرِ کرم ہونے تک باقی ہے، جو وقت نگاہِ عنایت مجھ پر لگی
میری ہستی، فنا ہو جائے گی، جس طرح تابشِ آفتاب شبنم کو
بخاراتی حالت میں متحول کر دیتی، اور شبنم کو فنا کر دیتی ہے! (۱)
(۱) "ایک نظر پیش نہیں" ایک لمحہ سے زیادہ نہیں فرصت ہستی
مدتِ زندگی "گر می بزمِ رونق و آرایشِ محفل" "شر" (پیشنگاہ)
سے چکراتا ہوا شاہکنا اور بچھ جاتا ہے، اس کے نکلنے کو
رقص سے تعبیر کرتے ہیں، یعنی مدتِ عمر اس سے زیادہ

نہیں کہ عالم موجودات کا صرف ایک نقطہ نظر دوسری کر لیا جائے جس طرح شر کے لئے سارا لطف محفل اس کی ایک گردش تک ہے، محفل، سہی، کہ تا قیامت رہے، لیکن اس کو اس سے زیادہ ہمدت بقا نہیں۔

(۱) موت کو شہرِ صبح فنا کہتے ہیں، اور شمع بھی صبح کو، شمع کشتہ کھاتی ہے۔ یعنی غم ہستی کے سوز و گداز کا علاج سوائے فنا کے کچھ نہیں، جس طرح شمع کو رات بھر جلنا ہی پڑتا ہے، بالآخر صبح جو اس کے لئے فنا ہوتی ہے اس کے سوز کا علاج کرتی ہے۔

گر تجھ کو یہ یقین اجابت، دعا مانگ	۱	یعنی بغیر ایک دل سے دعا مانگ
آتا ہے داغِ حسرتِ دل کا شمار یاد	۲	مجھ سے مرے گنہ کا حساب و خزانہ مانگ

(۱) "اجابت" اصطلاحاً، قبولیت و "ع" بے دعا "بے طلب"۔

یعنی اگر تجھ کو یہ یقین ہو جائے کہ دعا قبول ہو جائے گی، تو یہ دعا مانگ کہ اے خدا، مجھے ایسا دل عنایت فرما جس میں کوئی خواہش و طلب نہ ہو، تاکہ یہ استغناء و زمانہ پھر سے فارغ کر دے!

(۲) حسرت کا مفہوم، آرزو مندی ہے، آرزو پوری نہ ہونے سے داغ ہوتا ہے، مطلب ہے کہ اے خدا مجھ سے مزید گناہوں کا مواخذہ نہ فرما، کیونکہ ناکردہ گناہوں کی حسرتوں نے میرے دل میں جو داغ دیئے ہیں وہ بھی یاد آتے ہیں، اور مجھے اور زیادہ شرمندگی ہوتی ہے۔ اسی مضمون کو دوسری جگہ، دوسرے عنوان سے اس طرح بیان فرمایا ہے:-

ناگروہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے اور

پایہ پاؤں اگر زمین یا کروہ گناہوں کی ستر ہے

۱	بیل کے کارو بار پہ ہیں نہ ہائے گل	۱	کس قدر پاک فریب و وفا کے گل
۲	لوٹے چمکے ہیں حلقہ و ارم ہوائے گل	۲	از ادنیٰ قہم مبارک کہ ہر طرف
۳	اے دل نہ نالہ لب و خوں نہ ہائے گل	۳	جو تھا سو سوچ رنگ کے جوہر میں گیا
۴	رکتا ہو شل سایہ گل سر پہاڑے گل	۴	خوش حال اس ہر لہیز سیہ صفت کا کیو
۵	میرا قہیب ہے نفس خطرناکے گل	۵	ایچا کر فی ہے لہے قہر سے لئے بہار
۶	ہینا کے لبہ شرا پناہ دل ہے ہوائے گل	۶	شربت نہ کھیتے ہیں جھے پاؤ بہار سے
۷	خون ہے پیری نگاہ میں رنگ ہائے گل	۷	سلاو کے تیرے جلد ہر خور کی
۸	پاؤں خفا و شہ ہے گل در قلعے گل	۸	نہیں ہیں ہارو سے کاہی و سرکار آیت

حالت مجھ سے جس سے ہم آغوشی آرزو

ہیں کہ خیال ہے گل جیب قبا سے گل

۱) پتلی نگوں سے وفا اور قیام، نگاہ تو فتح کیے دھوکے میں

بیل کسی آئی ہوئی ہے، اس پر پھول مٹا کر گئے ہیں۔

۲) شیم، نگہ کی راہ ہے۔ گل جیب تک کھلی کی صورت میں

تھا گویا و ارم ہوائے حلقوں میں جکڑا ہوا تھا ر خود کھلی کی شکل

۳) لہذا تھا کو و ارم ہوا، کہا ہے، یعنی اب حلقہ ہائے و ارم ہوا

لوٹ گئے ہیں (اور پھر کھل گئے ہیں) (شگفتگی، گل، حلقہ ہائے

و ارم ہوا کی شکستہ سے تصویر کیا ہے) اور پوسے گل، اور

نگہ کی کو آواز ہے جیسر ہوئی ہے۔

۸) "نہیں رنگ" "لب و خوں" "نوا" کی رعایت سے اور معیج رنگ

و گویا شوقینِ نوا پھولوں کی شکستہ ٹپوں سے استعارہ دے رہے ہیں۔
 رنگ "نورِ شوق" کی تشبیہ لائے ہیں۔ یعنی جس کو دیکھتے ہی شوق
 کی شعلہ زنی رہے۔ پتہ چلتا ہے، حالانکہ یہ شکستہ ٹپاں، زبان
 حالی ہیں، مگر یہ رنگ نالہ خیز نہیں ہے!

مگر آخر لکھتے ہیں "مست" رہا وہ شوق و پادِ مست، مراد "مست" پائے
 گل "مست" پائے "مست" مضمون "مست" یعنی "مست" اشتعال "مست" کا
 گویا گستاخاں کہ "مست" ہے جس کے سر کو شوق کے قندوں پر ڈال دیا ہوا
 (مست) "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر
 "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر
 "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر

لہذا "مست" طرف سے کے نقوش۔ بجا ہے طرف سے پادِ مست
 "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر
 "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر
 "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر

رہے "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر
 "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر
 "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر
 "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر

میر جی "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر
 "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر
 "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر
 "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر "مست" ہو کر

۱۵) گل زیب قبائے گل پیروں گل کی جیب کا پھول یا معشوقوں
کا معشوق یا معشوق حقیقی۔ مطلب یہ ہے کہ مجھے اس سے وصال
ہونے کی آرزو ہے جو معشوقوں کا معشوق ہے۔

- (۱) غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از یک نفس
برق سے کرتے ہیں روشن شمع ماتم خانہ ہم
(۲) محفلیں برہم کرے سے گنجفہ باز خیال
ہیں ورق گردانی نیزنگ یک بست خانہ ہم
یا جو دیک جہاں ہنگامہ پیانی نہیں
(۳) ہیں چراغان شبستان دل پروانہ ہم
خف سے ہے نے قناعت سے یہ ترک جستجو
(۴) ہیں وہاں تگسیہ گاہ ہمت مروانہ ہم
دامم الجیس اس میں ہاں لاکھوں تمنا میں اسد
(۵) چاہتے ہیں سینہ پڑخوں کو زنداں خانہ ہم

(۱) بزم کے التزام سے شمع کا ذکر ہے "برق سے روشن
کرتے ہیں" یعنی برق کی شمع روشن کرتے ہیں۔ "بیش از یک نفس"
برق کی سرعت نمود کی تو صیح ہے مطلب یہ کہ آنا و منشا لوگوں
کو ایک لمحہ سے زیادہ کوئی غم نہیں ہوتا۔ ان کی بزم ماتم صرف
اتنی دیر پر پامرتی ہے جتنی دیر میں بجلی چمک جاتی ہے۔
(۲) محفل سے مراد محفل حسینان ہے حسینوں شاعرانہ زبان
میں بہت بھی کہتے ہیں اس لیے بزم حسینان اور بہت خانہ
مراد مفہوم ہیں۔ مشاعری محفل کی رعایت سے گنجفہ باز

اور گنجفہ باند کی رعایت سے "دیرنگ گردانی" استعمال ہوئے ہیں۔
 "دیرنگ" انقلا بات و عجائب گنجفہ باز خیال معشوق متلون
 مزاج سے استعارہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ شورش متلون مزاج
 محفل آرائیاں اور محفلیں برہم کرتا رہتا ہے۔ گویا ہم بھی انقلا بات
 بہت خانہ کے تختہ مشق ہیں۔ گویا مشیت الہی کی طرف اشارہ
 ہے کہ اسکی مشیت نے ہم کو حوادث کا تختہ مشق بنا رکھا ہے۔

(۴) "باوجودیکہ جہاں ہنگامہ" باوجودیکہ اتنا ہنگامہ اور
 ہچکل ہے کہ ایک جہاں معلوم ہوتا ہے۔ یا باوجودیکہ ہنگامہ نے
 ایک دنیا بنا دی ہے۔ "پیداہی" نمود و وجود چراغ یا شمع کے
 فلور و جلوہ کی یہ ہنگامہ آرائی ہے کہ پروانوں کو فریفتگی اور آرزو
 سوز کی شورش پتھر ہے۔ لیکن حقیقتاً ان چراغوں اور شمعوں
 میں یہ قدرت کہاں کہ کسی میں کوئی فریفتگی پیدا کر سکیں۔

یہ تو خالق و صانع کائنات نے جہالت و خفاقت میں اس
 قسم کے خواص مطبوع فرما دیئے ہیں کہ پروانہ شمع کا عاشق
 ہوتا ہے اور وہ اور ہی چراغان قادر ہے جو دل پروانہ میں
 ہے۔ اور محسوس عشق شمع ہے یعنی وہ اصل ہنگامہ فرما چراغ دل
 پروانہ میں روشن ہے۔ اور پروانہ عام چراغوں کو وہی چراغ
 سمجھ کر سوز عشق میں جلتا ہے۔ یہی کیفیت تمام موجودات عالم
 کی ہے کہ وجود تو نظر آتا ہے۔ لیکن وہ وجود حقیقی کا صرف
 پرتویا عکس ہوتا ہے اور یہی مثال ہمارے وجود کی حقیقت
 کی ہے کہ ہم گو شمع کی طرح ظاہر و پیدا ہیں لیکن ہماری

حقیقت بھی یہی چراغ ہے جو شبستانِ دل پر روشنی میں روشنی ہے
 (میں) ضعف، بے بسی، مراد ہے "تناقضات" ایک روحانی کیفیت
 ہے کہ جو پیشتر آجائے، پہلے کے کاشی و ضروری یقین کر لیا
 جائے نہ اوروں کی پس و خواہش نہ ہو "چیت" تلاش - تنگی
 ہو "چیت" مراد ہے "قنایت" کے مقابل میں ایک عقلی
 کیفیت ہے کہ انکشاف یا بار کے لئے ہمیشہ مسرگرم کر رہا
 رہتا ہے یعنی ہمارا ترک خواہشات کرنا مجبوری نہیں آتی اور
 عجز و کسر نہ ہی کی وجہ سے یہ قنایت کی وجہ سے اور
 اس لئے ہم نے یہاں تک کہ "تنگ" و "پس" ہیں
 اور "تنگ" و "پس" کے قیدی یعنی ہمارے دل میں
 تنگی اور پس و خواہش نہیں ہو سکتیں گویا یہ دوا لگ کر

<p>یہ دوا لگ کر</p>	<p>مترادف</p>
<p>۱۔ دوا لگ کر ۲۔ دوا لگ کر ۳۔ دوا لگ کر ۴۔ دوا لگ کر ۵۔ دوا لگ کر ۶۔ دوا لگ کر ۷۔ دوا لگ کر ۸۔ دوا لگ کر ۹۔ دوا لگ کر ۱۰۔ دوا لگ کر</p>	<p>۱۔ دوا لگ کر ۲۔ دوا لگ کر ۳۔ دوا لگ کر ۴۔ دوا لگ کر ۵۔ دوا لگ کر ۶۔ دوا لگ کر ۷۔ دوا لگ کر ۸۔ دوا لگ کر ۹۔ دوا لگ کر ۱۰۔ دوا لگ کر</p>
<p>۱۔ دوا لگ کر ۲۔ دوا لگ کر ۳۔ دوا لگ کر ۴۔ دوا لگ کر ۵۔ دوا لگ کر ۶۔ دوا لگ کر ۷۔ دوا لگ کر ۸۔ دوا لگ کر ۹۔ دوا لگ کر ۱۰۔ دوا لگ کر</p>	<p>۱۔ دوا لگ کر ۲۔ دوا لگ کر ۳۔ دوا لگ کر ۴۔ دوا لگ کر ۵۔ دوا لگ کر ۶۔ دوا لگ کر ۷۔ دوا لگ کر ۸۔ دوا لگ کر ۹۔ دوا لگ کر ۱۰۔ دوا لگ کر</p>

راجہ رام چندر نے پختہ خاندان کے لئے جو کچھ کر دیا ہے
 اس کی تمجید یہاں احتیاج ہی نہیں یہاں جواب و مال ہی نہیں
 ہوتی نسبت سے ایک "تقرض" تو ہے یوں کہیں ہوگا
 جسے تمہاریس جاگ کر کھانا لکھا ہے اس فقر و غنہ نہیں کوئی
 کہوں سے دعا کروں گا۔

وہ فریق اور وہ وصال کہاں
 فرصت کا وہ پارِ شوق کسے
 بول تو دل وہ دماغ بھی نہ رہا
 گنجی وہ اک شخص کے تصور سے
 ایسا آسمان نہیں اور رونا
 ہم سے چھوٹا قمار خانہ عشق
 تکر و شب یہ سر کیا آہوں

مجلس ہونے کے لیے خالی

وہ عوام میں اختیار کیا

یہ تمہارا شہر ہے اس کی طرح ایک ایسی مشنوں کا دارا ہے جس کا شمار ہے

لکھی ہے اور عہد شباب کے فراق و وصال دونوں کی یاد اور
 نوک و پر موچو و کے حسرت و شوق پر مشتمل ہے۔ غزل نہایت مختصراً
 عام فہم اور ریاں ہے۔

(۱) کی وفا بیٹھنے تو غیر اس کو جفا کہتے ہیں
 ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو بڑا کہتے ہیں

(۲) آج ہم اپنی پریشانی خاطر ان سے
 کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھئے کیا کہتے ہیں

(۳) اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو
 چومے و نغمے کو اندر وہ رُبا کہتے ہیں

(۴) دل میں آجائے ہے ہوتی ہو جو فرصت غش
 اور پھر کون سے نلے کو رسا کہتے ہیں

(۵) ہے پر سے سرحد اور اک سے اپنا مسجود
 قبائے کو اہل نظر قبائیس کہتے ہیں

(۶) پاسے افکار پہ جب سے تجھے رحم آیا ہے
 خار رہ کو تیرے ہم مر گیا کہتے ہیں

(۷) اک شرر دل میں ہے اُس سے کوئی گیارہ گاہ کیا
 آگ بہ طلب ہے ہم کو جو ہوا کہتے ہیں

(۸) دیکھئے لاتی ہے اُس شمع کی نجات کیا رنگ
 اُس کی ہر بات پر ہم نام خدا کہتے ہیں

(۹) وحشت و شہیدیت ہے مرثیہ کہو میں شاید
 مر گیا تو لب آشفستہ نوا کہتے ہیں

(۱۱) یعنی جب ہم سے وفا کی توفیقاً غیروں سے پیدا ثانی ہوئی اس لئے وہ بُرا کہتے ہیں لیکن ہم سے وفا کرنا خوبی ہے اور اختیار اُن کی وفا کے مستحق نہ تھے۔ اس لئے اُن کا بُرا کہنا ایسا ہی ہے کہ اچھوں کو اکثر بُرا ہی کہا کرتے ہیں۔

(۱۲) مصرعہ اولیٰ عام مجاورہ سا ہے۔ جو اگلے زمانہ کے لوگوں کے لئے کہا گیا ہے۔ دورِ موجود کے لوگ اس خیال سے کہ زمانہ ترقی کر رہا ہے اور ہر ماضی ہر حال سے نسبتاً تاریکی اور جہل میں گذرا ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس کے اگلے وقتوں کے لوگوں کو ان کی بزرگی و اولیت کا لحاظ کرتے ہوئے بُرا نہیں کہتے۔ مصرعہ ثانی کا مطلب ہے کہ شراب اور راک سے غم غلط نہیں ہوتا کیونکہ غم غلط ہونے والی چیز نہیں پھر غم عشق تو ان سے اور ترقی کرتا ہے۔

(۱۳) نالہ کی یہ رسائی کیا کم ہے کہ جہاں غش سے فرصت ملی کہ دل میں آہنچا۔

(۱۴) ”اوراک“ فہم۔ اور سمجھ۔ ”سجود“ مقبوض جس کو سجدہ کیا جاتا، قبلہ“ مرجع عبادات و سجود۔ جس کے سامنے یا جس کو سامنا بنا کر سجدہ اور عبادتیں ادا کئے جائیں۔ اور چونکہ نماز وغیرہ کعبہ کی طرف پڑھتے ہیں اس لئے اُس کو قبلہ کہتے ہیں۔ لیکن مقصود بالذات جو قبلہ عبادت ہے وہ وحدہ لا شریک لہ ہے پس قبلہ اول سے مقصود عبادات، اوقات باری تعالیٰ مراد ہے اور قبلہ ثانی سے کعبہ عربستان جس کو عرف عام میں قبلہ کہتے ہیں

مطلب ہے کہ ہمارا بیوی و صاحبہ تو مسرور ہو رہی ہیں۔ ہمارا گھر بھی آگے

یا پھر سے یہ کہیہ تو صرف ہمارے گھر کا قیام تھا۔

وہاں پاس کے انگارے زخمی پاؤں اور ہیرا ہیرا چھوٹے چھوٹے پائوں

سراویں۔ ہر گیارہ سو ایک سو تیس گھنٹے گزراں بہت بڑے ٹھوں کو

منزل کی گزرتی ہے۔ لیکن جو سب سے زیادہ ہمارے گھر کے قیام پر

تھی وہ ہم آگیا ہے ہم پوری راہ کے گاہنوں کو گیارہ سو تیس گھنٹے

گھنٹے گزرتے ہیں۔ ہم سب سے زیادہ ہمارے گھر کا قیام تھا۔

وہاں کے گھر میں آگے ہوئے۔

وہاں کے گھر میں آگے ہوئے۔

وہاں کے گھر میں آگے ہوئے۔

وہاں کے گھر میں آگے ہوئے۔

وہاں کے گھر میں آگے ہوئے۔

وہاں کے گھر میں آگے ہوئے۔

وہاں کے گھر میں آگے ہوئے۔

وہاں کے گھر میں آگے ہوئے۔

وہاں کے گھر میں آگے ہوئے۔

وہاں کے گھر میں آگے ہوئے۔

وہاں کے گھر میں آگے ہوئے۔

وہاں کے گھر میں آگے ہوئے۔

آج کے دن ایک دن کی گزرتی ہے۔

(۱)

سب سے زیادہ ہمارے گھر کا قیام تھا۔

وہاں کے گھر میں آگے ہوئے۔

(۲)

رنگ ہیکر اڑ گیا، پوئوں کہ دامن میں نہیں

ہو گئے ہیں جمع اجڑائے نگارہ آفتاب

(۱۳)

دڑتے اس کے گھر کی دیواروں کی روئیں نہیں

کیا کہوں تار پٹی زندان غم فدا پیر ہے

(۱۴)

پنچ لودی صبح سے کم چس کے روشن ہیں نہیں

روشن ہستی ہے عشق خاٹہ میراں ساز سے

(۱۵)

انجن پے نہیں ہے اگر بستی غم میں نہیں

زخم سلوا نے سے بھیر چارہ جونی کا ہر طہون

(۱۶)

غیر مچھا ہے کہ لذت زخم سوزن میں نہیں

ہیں کہ ہیں ہم اک بہار تار کے سائے ہوئے

(۱۷)

جلوہ گل کے سوا اگر واسطے مدفن ہیں نہیں

گھڑا تیرا اک ہیوولی ہے۔ نئے ناسور کا

(۱۸)

توں کی روتی درد سے تار پٹی سے تریں ہیں نہیں

لے گئی ساڈی کی نوست قدیم آشا می سری

(۱۹)

موج سے کی آج رنگ بیٹا کی گروئیں نہیں

ہر ذرا صنعت میں کسیا نا لوانی کی نمود

(۲۰)

تار کے چمکنے کی بھی گنجائش سر سے تن میں نہیں

تھی وطن پریشان کیا تار کتب ہو غریب میں قمار

(۲۱)

بچے گھٹت، ہوں وہ مسرت جس کے گلشن میں نہیں

(۲۲) یہی وہ گریبان لباس کیسے با عرش رنگ زکار ہے۔

جس کا چاک دامن تک نہ پہنچ گیا ہو۔

(۲) چہرہ وغیرہ پر سُرخی اور رونق و رنگ، خون اور دورانِ خون ہی کی وجہ سے ہوتے ہیں اور رنگ اڑ جائے۔ سے مراد یہی ہے کہ خون رنگ ہو ہو کر اڑ گیا اور خون جب باقی ہی نہ رہا تو اشکوں میں کیا نکل سکتا ہے اور دامن پر رنجلین دھبے کہاں سے آسکتے ہیں۔

(۳) روزِین دیواریا رکے چمک اڑے گویا نگاہِ شوقِ آفتاب کے اجڑا ہیں۔

(۴) ”غَمِ دالم“ سے عالم تاریک ہو جانا عام طور پر کہا جاتا ہے اور غم سے چٹھکارتا نہ پانا گویا غم، زنداں ہے۔ ”انارِ صیر“ کی تاکید و رعایت نہایت پاکیزہ ہے۔ ”پنپنہ“ روٹی۔ خدا اور مقابلہ کی نہایت سے غمِ حالات کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جہاں رومی کی سفیدی نورِ صبح کی مثل معلوم ہوتی ہو وہاں تاریکی کا کیا عالم ہو گا۔

(۵) ”رُزوقِ ہستی“ زندگی کی چہل پہل اور ہستی میں رونق نہ ہو تو انجن بے شمع ہے۔ ”عشقِ خانہ ویراں ساز“ برقِ نغمین سہی لیکن زندگی کی چہل پہل اور ہنگامہ اسی سے قائم ہے یہاں ”رونق اور خانہ ویراں ساز“ متضاد سے معلوم ہوتے ہیں لیکن اول تو ”ہستی“ اور ”خانہ“ دو علیحدہ باتیں ہیں و دوسرے یہ کہ رونق ہنگامہ بر بادی سے ہو سکتی ہے۔ اگرچہ عرفِ عام میں رونق انتظام و انتظام اور صنعت سے متعلق ہے۔

(۶) یعنی سوئی چھیننے سے جو درد ہوتا ہے اس کی لذت حاصل

کرنے کے لئے میں زخم سلواتا ہوں۔ اور خیر یہ سمجھتا ہے کہ چارہ
زخم مقصود ہے۔

(۷) "تھار ناٹ" جس میں گوناگوں ناز و انداز کے پھول کھلتے
ہوں معشوق سے استعارہ ہے۔ یہاں ناز کی لفظی رعایت
سے جلوہ گل کہا گیا ہے۔

(۸) "ہیو پائی" کا لہجہ۔ مادہ۔ یعنی ہر ایک قطرہ میں ناسور ہو جائے
گیا مادہ موجود ہے۔ اور میرے جسم کا خون بھی ذوق درد کی
ملا حیت رکھتا ہے۔

(۹) "نخوت" زخم مراد ہے۔ قلم آشامی۔ کثرت سے نوشی
قلم کی رعایت سے موج اور خط یا نشان سے کو غرور و نخوت
کے تلازمہ ہیں "رگ" کہا گیا ہے۔ "ہینا" صراحی سے اور
گردن میں رعایت ہے۔ یعنی ساقی کو تنہی شراب پر بہت
ناز تھا۔ لیکن میں سب پی گیا۔

(۱۰) "فشا" دبانا یا جکڑنا۔ مبالغہ ہے۔ یعنی جھکنا بھی محال ہے۔
(۱۱) "مشت خس" مٹھی بھر تھکے یا تھکے "خن" انگلیٹھی۔ تنکوں کی ان
سے وطن جنگل میں پڑسٹش ہی کیا۔ پھر جنگل سے باہر غربت
میں مشت خس کی حیثیت کوڑے کی ہوتی ہے۔ البتہ گلخن کو
تھوڑی دیر روشن کر دینے کے کام آسکتے ہیں۔ یہی مطلب
شعر کا ہے کہ وطن اور غربت دونوں جگہ ہماری شان و قدر
ہی کیا ہاں تشکرہ عشق میں ڈال دیئے جاتے تو بہتر تھا
کہ ہم اس قابل ضرور ہیں۔

(۳) آگمان "بمعنی سوئے ظن استعمال ہوا ہے" منفعل "شر مشدہ خدا" نکر وہ محاورہ ہے۔ جیسے خدا نخواستہ اپنی میرے ساتھ ایسا پر تاؤ نہ کر کہ خدا نخواستہ میں زبان سے تجھے بیوفا کہنے پر مجبور ہو جاؤں۔ کیونکہ ابھی تک میں اپنی بدگمانی سے یہ مقابلہ بھی کرتا ہوں کہ تو بیوفائی نہ کرے۔

۱	مہرباں ہو کے بلالو مجھے چاہو جس وقت	۱	میں گیا وقت نہیں ہوں کہ کچھ بھی سکوں
۲	ضعف میں طعنہ اغیار کا شکوہ کیا ہے	۲	بات کچھ سرتو نہیں ہے کہ اٹھا بھی سکوں
۳	زہر ملتا ہی نہیں مجھ کو ستمگور نہ	۳	کیا قسم ہے تیرے ملنے کی کہ کھا بھی سکوں

(۴) وقت جا کر نہیں آتا۔ شدت ضعف میں سر اٹھانا مشکل ہوتا ہے معشوق سے ملنے کی قسم کھانا عاشق سے ناممکن ہے۔ تینوں اشعار میں یہ تینوں باتیں نہایت بے ساختگی سے با محاورہ لکھی گئی ہیں اور محاسن استعمال قابل داد ہیں۔

۱	ہمے کھل جاؤ وقت سے پرستی ایک دن	۱	ور نہ ہم چھڑینگے رکھ کر عذرِ مستی ایک دن
۲	غرہ اورچینا سے عالم امکان نہ ہو	۲	اس بلندی کے نصیبو نہیں ہے پرستی ایک دن
۳	قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ	۳	رنگ لائینگے ہماری فاقہ مستی ایک دن
۴	نغمہ ہائے غم کو بھی ایدلِ فینیت جانے	۴	بے صدا ہو جائیگا یہ سازِ ہستی ایک دن
۵	دعویٰ دھپا اُس سر پا ناز کا شیوہ تھا	۵	ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیشِ دستی ایک دن

(۱) "کھل جاؤ" بے تکلف ہو جاؤ۔ یعنی مے خواری کے وقت ہم سے کسی دن بے تکلف ہو جاؤ ورنہ ہم نشہ کا بہانہ کر کے کبھی نہ کبھی خوب چھڑیں گے اور یوں بے تکلف ہو جانے میں تمہاری شان میں بھی فرق نہ آئیگا کیونکہ نشہ کا عذر معقول ہے۔

(۱۲) ”عزۃ“ گھمنڈ۔ ”اوج“ عروج۔ ”عالم امکان“ دنیا یعنی اس عالم کے اسباب پر یا بنا پر کسی عروج و کمال کا گھمنڈ نہ ہو جائے کیونکہ یہاں ساری ترقیوں اور بلندیوں کے لئے پستیاں اور تنزل ہیں اور ایک دن ہی اس عالم کا حشر ہو جائیگا۔

(۱۳) ”رنگ لائے گی“ فساد و فتنہ پیدا کرے گی یعنی مفلسی میں شراب پیتا رنگ لائے گا۔

(۱۴) ”ساز ہستی“ جسم انسانی سے استعارہ ہے۔ اور ساز کی رعایت سے ”صد اور نغمہ“ استعمال ہوئے ہیں۔ ”خاموشی“ خاصہ موت ہے۔ اس لئے آواز خواہ درد و غم ہی کی کیوں نہ ہو لوازمات زندگی میں سے ہے۔ اس لئے نغمہ ہائے غم کو بھی غنیمت سمجھنا چاہئے۔

۱	ہم پر حقائق ترک و قافا کا گماں نہیں	۱	اک چھپر ہے وگرنہ مراد امتحان نہیں
۲	کس ثمن سے شکر کیجئے اس لطفِ خاص کا	۲	پرستش ہے اور پائے سخن درمیاں نہیں
۳	ہم کو ستم عزیز ستمگر کو ہم عزیز نہ	۳	نامہرباں نہیں ہے اگر مہرباں نہیں
۴	بوسہ نہیں نہ دیجئے دشنام ہی ہی	۴	آخر زباں تو رکھتے ہو تم گردن نہیں
۵	ہر چند جاں گدازی قہر و عتاب ہے	۵	ہر چند پشت گرمی تاب و تواں نہیں
۶	جہاں مطرب ترانہ ہل من مزید ہے	۶	لب پر وہ سنج زمرۃ الاماں نہیں
۷	خنجر ہے چیر سینہ اگر دل نہ ہو و نیم	۷	دل میں چھری چھو مژہ گر خنجر کاں نہیں
۸	سہمے تنگ سینہ دل اگر آتشکدہ نہ ہو	۸	ہے عارِ دل نفس اگر آذر فشاں نہیں
۹	آفتماں نہیں جنوں میں ٹپتے ہو گھر خراب	۹	سو گز زمیں کے پٹے لے بیا باں گراں نہیں
۱۰	کہتے ہو کیا اکہا ہے تری ہر نوشت میں	۱۰	گویا جہیں پہ سجدہ مبت کا نشان نہیں

پاتا ہوں اُس نے اد کچھ اپنے کلام کی ۱۱ روح القدس اگرچہ مرا ہمزباں نہیں

جاں ہے بہانے بوسہ کے کیوں کہے بھی

(۱۲)

غالب کو جانتا ہے کہ وہ تمجاں نہیں

(۱) ہم پر انہیں ترک وفا کا گمان نہیں ہے۔ بلکہ وہ جفا کے امتحان کا نام لیتے ہیں یہ ایک قسم کی چھیڑ ہے۔

(۲) یعنی ہم سے تو بات چیت ہوتی نہیں دوسروں سے ہمارا حال پوچھ لیتے ہیں یہ خاص معشوقانہ انداز ہے۔ اور یہ پرسش حال لطف خاص ضرور ہے لیکن اس کا شکر کون ادا کرے۔ خود ہم پوچھتے ہو تو ہم ہی شکر ادا کرتے۔

(۳) ہم ستم پسند ہیں اور وہ جفا پسند۔ وہ چونکہ جفا پسند ہے اس لئے لطف و عنایت نہیں کرتا۔ اور ستم کرتا ہے جو ہمیں عزیز ہے پس ہمارے لئے وہ نامہربان نہیں ہے۔

(۴) معشوق کی صفت بے دہانی (مبالغہ تنگی دہن) ہے پھر بوسہ دہن کا مطالبہ بھی ہوا کرتا ہے۔ اور طلب بوسہ پر گالیاں کھانے میں بھی مزہ آتا ہے۔ مطلب یہی ہے کہ بوسہ نہ سہی۔ گالیاں تو دے دیجئے۔ دہن نہیں ہے زبان تو ہے۔

(۵ و ۶) "جانگدازی" بیقراری و بے چینی مراد ہے پشت گرمی ہمت برداشت۔ "تاب و توان" طاقت و ضبط "مطرب" گانے والا "ہل من مزید" کچھ اور زیادتی۔ "پروہ سنج" مطرب کی رعایت سے یہ لفظ بمعنی جیش لب استعمال ہوا ہے "زمزمہ" نغمہ۔ یعنی اگرچہ قہر و عتاب یا جفا و ستم سے بے چینی و اضطراب ہیں

اور ضبط و تحمل کی طاقت نہیں لیکن جان ہے کہ ترانہ ہر بل میں مزید
گواہی ہے اور نہ لبوں پر لفظ الا مان ہے۔ دونوں شعروں میں
ایذا طلبی ظاہر کی گئی ہے۔

(۸) ”آذر“ اس آتشکدہ کے بانی کا نام ہے جس میں ابراہیم
خلیل اللہ ڈالے گئے تھے۔ آذر فشاں کی ترکیب اسی تلخ سے
بہتی آتش افشانی و شر افشانی ماخوذ ہے اور نہایت پُر شوکت
ترکیب ہے۔ یعنی اگر زخم عشق سے دل پارہ پارہ نہ ہو تو سینہ
خجھر سے چیر ڈالو۔ اور دل کو دو نیم کر لو۔ اور پٹکوں سے اگر دم گرم
خون نہ ٹپکتا ہو تو دل میں چھری چھو کہ خون تابد فشاں کرے۔
دل میں اگر آتشکدہ عشق نہیں تو سینہ کے لئے ایسا سرد و
مروہ دل ننگ و عار ہے۔ اور ہوساں شر فشاں نہ ہو وہ
دل کے لئے باعث شر ہے۔ ایذا طلبی کا ایسا پُر لطف اسلوب
بیان یہی دوا کا سزاوار ہے اس کا لطف کچھ زخمی دلان عشق
اور سوختہ جاناں الفت ہی اٹھا سکتے ہیں۔

(۹) یعنی گھر کا رقبہ دشت و حشت و جنوں کے بالمقابل ناقابل لحاظ
ہے۔ گھر کی بریادی کے عوض اہل جنوں کو اتنی وسعت بیاں
میں سر جاتی ہے تو جنوں میں کچھ نقصان نہیں۔

(۱۰) یعنی آپ کے در پر جو بھرہ کرتے کرتے پیشانی پر داغ پڑ گیا ہے
یہ اسی کو قیمت کا لکھا سمجھ لیجئے۔ اب یہ کیا پوچھتے ہو کہ
تیرے قیمت میں کیا لکھا ہے۔

(۱۱) ”روح القدس“ حضرت جبریل مراد ہیں۔ گور روح القدس میرا

ہمزیاں نہیں لیکن وہی دادِ سخن دے سکتا ہے کیونکہ وہ تلامذہ
غیب سے واقف ضرور ہوتا ہے۔

(۱۲) بوسہ کی قیمت ایک جان ہے۔ لیکن وہ ابھی قیمت ظاہر
نہیں کرتا کیونکہ جانتا ہے کہ جان دیکر بوسہ لیا جاسکتا ہے قیمت
اُس وقت ظاہر کرے گا جب میں نیم جاں ہو جاؤں گا اور قیمت
ادا کرتے کے قابل نہ رہوں گا۔

۱	ایک چکر ہے میرے پاؤں میں زنجیر نہیں	۱	مالع دشت نوردی کوئی تدبیر نہیں
۲	جادو غیر از نگہ دیدہ تصویر نہیں	۲	شوق اُس دشت میں دوڑا ہے مجھ کو کہ جہاں
۳	جادو راہ فنا جز دم شمشیر نہیں	۳	حسرت لذت آزار رہی جاتی ہے
۴	خوش ہوں گزرا لہ زبونی کس تاثیر نہیں	۴	ریخ تو میری جاوید گوارا رہو
۵	لذت سنگ باندازہ تقریر نہیں	۵	سر کھجاتا ہے جہاں زخم سر چھپا ہو جاتے
۶	کوئی تقصیر بجز خجالت تقصیر نہیں	۶	جب گرم رخصت میا کی وگستاخی ہے

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ

آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ تمیر نہیں

(۱۱) دشت نوردی سے باز رکھنے کی کوئی تدبیر بھی نہیں۔ زنجیر جو
میرے پاؤں میں ہے وہ بھی میرے پاؤں کو جو چکر لگا ہوا ہے
اُس کے مماثل ہے۔

(۱۲) ”جادو“ ”خط راہ“ ”دیدہ تصویر“ ”تصویر کی آنکھ“ ”تصویر ہمہ تن
حیرت ہوتی ہے۔ گویا تارِ نگاہ حیرت خط راہ ہے۔ یا جہاں کی
راہ حیران کن یا حیرانی ہے۔ یا جہاں ہمہ تن حیرت ہو کر چلتا پھرتا
ہے یعنی شوق مجھ کو عالم حیرت میں دوڑاتا ہے اور یہ ہلکڑی عرفت

الہی کا وہ مقام گوگوشے جہاں سے سالک پر آغاز قناری
ہونے شروع ہوتے ہیں۔

(۱۳) وہاں پرستانِ عشق کے لئے تلوار کی یاڑہ راہِ فنا ہے۔
لیکن یہ وہ راستہ ہے کہ ایک لمحہ میں طے ہو جاتا ہے۔ اس لئے
رک رک کر جان دینے اور ستم ہائے گونا گوں کے مرنے لینے کی
حسرت باقی رہ جاتی ہے۔

(۱۴) ”تربونی کش“ لذت کش۔ یعنی نالہ کو تاثر کے احسان اٹھانے کی
ذلت تو دہوتی۔ میں خوش ہوں بہتر ہے کہ دائمی ناامیدی کا
رنج ہی میرے لئے گوارا ہے۔

(۱۵) ”باندرۃ لغیر نہیں“ یعنی حد بیان سے باہر ہے۔
(۱۶) ”کرم“ معلومی کا التفات، اس کی رواداری۔ ”تقصیر“ قصور
کرنا۔ یہاں دست درازیاں اور اطہارات شوق مراد ہیں مطلب
ہے کہ جب محبوب کی رواداری بیباکی کی اجازت دے اور
اس کا کرم گستاخ دستیوں سے نہ روکے تو قصور کرنے سے
شرمانا یا جھجکنا سب سے بڑا گناہ ہے۔

مرد مک دیدہ میں سمجھو نہ نگاہیں ۱ | ہیں جمع سویدائے دل چشم میں آپس

(۱) ”مرد مک“ آنکھ کی پتلی۔ ”سویدہ“ دل کا لفظ سیاہ۔ سویدہ اور
مرد مک اور دیدہ و دل اور تارنگاہ اور آہوں میں تشبیہ ہے۔
یعنی پتلی میں نگاہیں نہیں ہیں۔ بلکہ سویدہ میں آپس ہیں۔

برشکال دیدہ عاشق نہ پیکھا چاہئے ۱ | کھل گئی مانند گل سوچا سے دیوار چین
الفن گل سے غلط ہے دعویٰ وارستگی ۲ | سرو ہے یا وصفِ آزادی گرفتار چین

(۱) "برسکال" (بارش) شاعرانہ مبالغہ نگاری ہے۔
 (۲) "وارثگی" آزادی۔ سرو کی بھی صفت آزادی ہے۔ لیکن سرو
 باغوں ہی میں ہوا کرتا ہے۔ گویا وہ باوصف آزادی الفت
 گل کے باعث زنداں خانہ نگلشن سے باہر نہیں نکل سکتا اور دعویٰ
 آزادی غلط ثابت ہوتا ہے۔

عشق تاثیر سے نومید نہیں	۱	جان سپاری شجر بید نہیں
سلطنت دست بدست آتی ہے	۲	جام سے خاتم جمشید نہیں
ہے تجلی تری سامان وجود	۳	ذرہ بے پروا خورشید نہیں
راز معشوق نہ رسوا ہو جاتے	۴	ورنہ مرجانے میں کچھ بھید نہیں
گردش رنگ طرب سے ڈر ہے	۵	غم محرومی جاوید نہیں
کہتے ہیں جیتے ہیں امید پر لوگ	۶	ہم کو جینے کی بھی امید نہیں
سے کشی کو نہ سمجھ بے حاصل	۷	یادہ غالب عرق بید نہیں

(۱) "جان سپاری" جان دینا۔ شجر بید بید کا درخت جو برگ سے
 محروم پیدا ہوتا ہے یعنی عشق تاثیر سے مایوس نہیں ہے چونکہ
 عشق میں جان بھی جاتی ہے اور جان جیسی شے دینا بے نتیجہ و
 بے ثمر نہیں ہو سکتا جیسا کہ شجر بید۔

(۲) "دست بدست" ہاتھوں ہاتھ۔ یعنی یکے بعد دیگرے۔ خاتم
 جمشید جمشید کی انگوٹھی۔ یہاں مقصود یہ ہے کہ جام شراب
 سلطنت ہے یہ ہاتھوں ہاتھ جمشید سے ہم تک پہنچا ہے لیکن
 جام انگشتی جمشید نہیں کہ اسی کا نام کندہ تھا اسی کے ہاتھ میں
 رہی اور کسی کو دستیاب نہ ہو سکی۔ اگر وہ بھی جام کی طرح

الٹی کا وہ مقام گوگوشہ جہاں سے سالک پر آثارِ قناری
ہونے شروع ہوتے ہیں۔

(۱۳) وفا پرستانِ عشق کے لئے تلوار کی پاڑہ راہِ فنا ہے۔
لیکن یہ وہ راستہ ہے کہ ایک لمحہ میں طے ہو جاتا ہے۔ اس لئے
رک رک کر جان دینے اور ستم ہائے گونا گوں کے مزے لینے کی
حسرت باقی رہ جاتی ہے۔

(۱۴) "زبونی کش" لذت کش۔ یعنی نالہ کو تاثیر کے احسان اٹھانے کی
ذلت کو نہ ہونی۔ میں خوش ہوں بہتر ہے کہ دائمی ناامیدی کا
رنج ہی میرے لئے گوارا ہے۔

(۱۵) "باندازہ" تصور نہیں یعنی حد بیان سے باہر ہے۔
(۱۶) "کرم" معشوقی کا التفات، اس کی رواداری۔ "تقصیر" قصور
کرنا۔ یہاں دوست درازیاں اور اطہارات شوق مراد ہیں مطلب
ہے کہ جب محبوب کی رواداری بیباکی کی اجازت دے اور
اس کا کرم گستاخ دستیوں سے نہ روکے تو قصور کرنے سے
شرمانا یا جھجکنا سب سے بڑا گناہ ہے۔

مرت مردِ یک دیدہ میں سمجھو یہ نگاہیں | ۱ | ہیں جمع سویدائے دل چشم میں آہیں

(۱) "مردِ یک" آنکھ کی پتلی۔ "سویدہ" دل کا لفظ سیاہ۔ سویدہ اور
مردِ یک اور دیدہ و دل اور تارنگاہ اور آہوں میں تشبیہ ہے۔
یعنی پتلی میں نگاہیں نہیں ہیں۔ بلکہ سویدہ میں آہیں ہیں۔

پرشکال دیدہ عاشق نہ پیکھا چاہئے | ۱ | کھل گئی ماتند گل سو جا سے دیوار چین
الفٹ گل سے غلط ہے دعویٰ و استغلی | ۲ | سرو ہے باوصف آزاد و زرقا رہیں

(۱) "بزرگمال" (بارش) شاعرانہ مبالغہ نگاری ہے۔
 (۲) "دارنگی" آزادی۔ سرو کی بھی صفت آزادی ہے۔ لیکن سرو
 باغوں ہی میں ہوا کرتا ہے۔ گویا وہ باوصف آزادی الفت
 گل کے باعث زنداں خانہ نگلشن ہے یا ہر نہیں نکل سکتا اور دعویٰ
 آزادی غلط ثابت ہوتا ہے۔

۱	عشق تاثیر سے نوید نہیں	۱	جان سپاری شجر بید نہیں
۲	سلطنت دست بدست آتی ہے	۲	جام سے خاتم جمشید نہیں
۳	ہے تجلی تری سامان وجود	۳	ذرہ بے پروا خورشید نہیں
۴	راز معشوق نہ رسوا ہو جاتے	۴	ورنہ مرجانے میں کچھ بید نہیں
۵	گردش رنگ طرب سے ڈر ہے	۵	غم محسوس می جاوید نہیں
۶	کہتے ہیں جیتے ہیں امید پہ لوگ	۶	ہم کو جینے کی بھی امید نہیں
۷	سے کشتی کو نہ سمجھ بے حاصل	۷	یادہ غالب عرق بید نہیں

(۱) "جان سپاری" جان دینا۔ شجر بید "بید کا درخت جو برگ ٹہرے
 محروم پیدا ہوتا ہے یعنی عشق تاثیر سے مایوس نہیں ہے چونکہ
 عشق میں جان بھی جاتی ہے اور جان جیسی شے دینا بے نتیجہ و
 بے ثمر نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ شجر بید۔

(۲) "دست بدست" ہاتھوں ہاتھ۔ یعنی یکے بعد دیگرے۔ خاتم
 جمشید جمشید کی انگوٹھی۔ یہاں مقصود یہ ہے کہ جام شراب
 سلطنت ہے یہ ہاتھوں ہاتھ جمشید سے ہم تک پہنچا ہے لیکن
 جام انگشتی جمشید نہیں کہ اسی کا نام کندہ تھا اسی کے ہاتھ میں
 رہی اور کسی کو دستیاب نہ ہو سکی۔ اگر وہ بھی جام کی طرح

سلطنت ہوتی تو متواتر ہوتی رہتی۔

(۳) تجلی پر تو جمال عکس نور سامان وجود "باعث تکوین" وجہ تخلیق آفتاب کے مقابلہ میں جس ذرہ کا تذکرہ ہوا کرتا ہے وہ وہ ذرہ ہوتا ہے جو آفتاب سے اکتساب نور کر کے خود منور ہو چکا ہو ورنہ آفتاب کے ساتھ عام ذرات خاک و ریگ کا کبھی تذکرہ نہیں ہوتا۔ مطلب یہی ہے کہ جس طرح ذرہ بے پروا نور شہید نہیں ہوتا اسی طرح یہ ظہور کائنات و شہود عالم خلق بغیر تیرے نور جمال کے کائنات موجود کے حیثیت نہیں رکھتے۔ گویا یہ خود تیری تجلی کے سامان ہیں۔ یا معمل اور محل ہیں۔

(۴) مرجانے میں کوئی راز دوسرا تو ہے نہیں خیال یہ ہے کہ لوگ کہیں گے اُس کے عشق میں مر گیا اور یہ اُس کی رسوائی کا باعث ہو گا۔

(۵) گردش انقلاب رنگ طرب حال مسرت و عیش و بھوری و محرومی کا علم و یقین ہونے کے بعد نہ کوئی تمنا ہو سکتی ہے اور نہ کوئی نصیب باقی رہتی ہے جس میں مبتلا ہونے کا اندیشہ و خوف ہو۔ لیکن مسرت و عیش کی حالت میں ہر وقت خوف رہتا ہے کہ کہیں یہ زمانہ انقلاب پذیر نہ ہو جائے۔

(۶) یعنی عرق بید میں نشاط و سر نہیں ہوتا اور سہمے میں ہوتا ہے۔

جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں	۱	خیابان خیابان ارم دیکھتے ہیں
دل شفق گاہاں شال کنج و ہن کے	۲	سویدا میں سیر عدم دیکھتے ہیں

<p>۳ قیامت کے قتنے کو کم دیکھتے ہیں</p> <p>۴ تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں</p> <p>۵ کہ شب رو کا نقش قدم دیکھتے ہیں</p>	<p>ترے سرقامت اک قد آدم</p> <p>تماشا کر لے محو آئینہ داری</p> <p>سرخ تفت نالہ لے داغ دل سے</p>
<p>۶</p>	<p>بنا کر فیروں کا ہم بھیں غالب</p> <p>تماشا ئے اہل کرم دیکھتے ہیں</p>
<p>(۱) خیاباں "باغچہ تکرار لفظی سے قدم قدم پر خیابان ارم مترشح ہے۔ معشوق کی نقش قدم کی تشبیہ گل و گلزار سے عام ہے۔</p> <p>(۲) "دل آشفنگاں" پریشاں دلین عشق "خال" تل "کنج دہن" گوشتہ دہن مراد ہے۔ سویدا (نقطہ قلب) اور خال میں تشبیہ ہے۔ سویدا سے قلب وہ نقطہ ہے جہاں الوار باطنی پر تو افنگن ہوتے ہیں اور یہی نقطہ تماشا ئے معرفت کے لئے بصیرت ہے۔ دہن معشوق کو معدوم لکھتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دہن (چونکہ معدوم ہوتا ہے) کے خال میں ہم سیر عدم کرتے ہیں۔</p> <p>(۳) ایک قد آدم کم ہونا گویا قتنہ قیامت تیر قدموں میں پڑا ہوا ہے۔ طرز بیان بہت بدیع ہے۔</p> <p>(۴) "تماشا کر" یعنی تماشا دیکھ "محو آئینہ داری" آئینہ کے سامنے بناؤ سنگھار کرنے میں محو۔ یعنی لے بناؤ سنگھار میں محو ہو جائیو الے ذرا اوہر دیکھ کہ ہم تجھے کس تمنا و شوق سے دیکھ رہے ہیں گویا تیرا بناؤ سنگھار کامیاب ہے کہ شوق و پسندیدگی کی نظر میں</p>	

پر رہی ہیں۔۔۔ یا جس قدر تو آئینہ کے سامنے بناؤ سنگھار
 کرنے میں محو ہے اسی قدر ہم تیرے جلوے سے متحیر ہیں۔
 (۵) "سُراغِ پتہ۔ نشان۔" "تف نالہ" نالہ کا نشانِ سوزِ یادہ گرمی
 جو داغِ دال دینے والی ہو، شبِ رو" مسافر شبِ گرمی کے
 موسم میں اکثر مسافرات کو سفر کرتے ہیں۔ اور نالے بھی
 رات ہی کو کھینچے جاتے ہیں۔ یعنی نالہ ہائے شبِ ہجر کی گرمی کا
 داغِ دل سے پتہ چلا جس طرح رات میں سفر کر جانے والے
 مسافر کا سُراغِ نقشِ قدم سے ملتا ہے۔ گویا داغِ دل نالہ
 شبِ رو کا نقشِ قدم ہے۔

ہلتی ہے خوتے یار سے نارِ التباب میں (۱)
 کافر ہوں گرنہ ہلتی ہو راحتِ عذاب میں

کب سے ہوں کیا بتاؤں جہانِ خراب میں (۲)
 شبِ ہائے ہجر کو بھی رکھوں گرجاں میں

تا پھر نہ انتظار میں نیند آئے غمِ بھر (۳)
 آنے کا عہد کر گئے آئے جو خواب میں

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں (۴)
 میں جہانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

مجھ تک کب آن کی بزم میں آتا تھا دورِ جام (۵)
 ساتی نے کچھ ملانہ دیا ہو شراب میں

جو مُنکر وفا ہو فریبِ اُس پہ کیا چلے (۶)
 کیوں بدگماں ہوں دوستِ دشمن کے یاب میں

- میں مضطرب ہوں وصل میں خوفِ رقیب کے
(۷) ڈالا ہے تم کو وہ ہم نے کس بیچ و تاب میں
- میں اور خطرِ وصلِ حسدِ سازِ باغ ہے
(۸) جاں نذرِ دینی بھول کیا اضطراب میں
- ہے تیوری چڑھی ہوئی اندر نقاب کے
(۹) ہے اک شکن پڑی ہوئی طرفِ نقاب میں
- لاکھوں لگاؤ ایک چسپاں نازِ گاہ کا
(۱۰) لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں
- وہ نالہ دل میں خس کے برابر جگہ نہ پائے
(۱۱) جس نالے سے شکاف پڑے آفتاب میں
- وہ سحرِ مدعا طلیبی میں نہ کام آئے
(۱۲) جس سحر سے سفینہ رواں ہو شراب میں
- غالب چھٹی شرابِ پیاب بھی کبھی کبھی
(۱۳) پیتا ہوں روزِ ابرو شبِ ماہِ تباب میں

(۱) "نارِ آگ" - "التهاب" سوزش یعنی دوست کی آتشِ مزاحی سے آگ بھی ملتی جلتی ہے۔ اس لئے عذابِ دوزخ سے اگر لذت و راحت حاصل نہ کروں تو کافرِ عشق ہوں۔

(۲) شعراء و عشاق کے یہاں ہجر کی مدت برسوں کی ہوتی ہے اگر شبِ ہجر کا حساب کیا جائے تو ایک ایک ات کئی سو برس کی ہوگی اور یہ اندازہ مشکل ہو جائے گا کہ جہاں خراب (دنیا) میں آتے ہوئے کتنی مدت ہوتی۔

(۳) یعنی خواب میں آکر اس لئے آنے کا وعدہ کر گئے کہ انتظار میں عمر بھر نیند نہ آئے ان کی یہ کیسی شوخی ہے اور عاشق کی کتنی سادگی ہے کہ خواب کے وعدہ پر سچ سچ عمر بھر انتظار میں جا گئے پر تیا ہے۔

(۴) یعنی ہمارے سوالات کا اپنی عادت کے مطابق وہ جو جواب دیں گے معلوم ہے اس لئے ایک خط اور ان کے جواب میں لکھ رکھوں۔

(۵) یعنی آج مجھے خلاف عادت جام دیا جا رہا ہے۔ سیاق سے کچھ ملا تو نہیں دیا۔

(۶) یعنی معشوق سے بدگمانی بحث ہے کہ اُس نے رقیب سے پیمان محبت کیا ہو۔ کیونکہ وہ تو دنا ہی سے مُنکر ہے چہ جائیکہ جھوٹے اظہارِ عشق کے دھوکے میں آجائے۔

(۷) ”وہم“ خیال باطل۔ اور رقیب کے خیال کو عاشق خیال باطل ہی سے تعبیر کر سکتا ہے۔ مصرعین کے تقدیم و تاخیر سے شعر کے معنی صاف ہو جاتے ہیں یعنی تم کو وہم نے خدا جاسنے کس اکھن میں ڈال دیا ہے مجھے تمہاری خاموشی دیکھ کر بے چینی ہے اور یہ خوف ہوتا ہے کہ کہیں رقیب کا خیال تو تمہارے دل میں نہیں ہے۔

(۸) ”ہیں اور حقیقہ وصل“ بندش مقام تعجب کی ہے۔ یعنی بھلا مجھے اور ایسی کیفیت میسر آجائے۔ ”خدا ساز“ محاورہ ہے ایسا امر جس کی ظاہر میں کوئی توقع نہ ہو محض غیب سے نامعلوم

اسباب کی بناء پر واقع ہو جائے۔ اور اسی کثرتِ تعجب کی وجہ سے اور یک لخت یہ لطف یسر آجانے سے مجھ میں اس قدر اضطراب ہوا کہ جان نذر نہ کر سکا۔ ورنہ موقع تو جان دینے کا تھا۔

(۹) "طرفِ نقاب" گوشہ نقاب یعنی نقاب کے ایک گوشہ میں جو شکن پڑ گئی ہے غالباً نقاب کے اندر آن کے تیور پر بل ہے۔

(۱۰) اس شعر کی خوبی حد بیان سے باہر ہے اور ان اداؤں کے نظارہ ہی سے محسوس ہو سکتی ہے۔ کیونکہ بیگانوں سے نگاہ نہیں چھرایا کرتے اور غیروں سے اظہارِ برہمی نہیں ہوا کرتا۔

(۱۱) شکاف اور خش کی تشبیہ ہے۔ اور خش کے برابر جگہ نہ پانا محاورہ ہے۔

(۱۲) "سحر" استعارہ ہے عشق سے "سفینہ" کشتی "شراب" ریگ رواں جس پر پانی کا دھوکا ہوتا ہو۔ یا سحر سے محبوب کی قدرت تمام مراد ہے کہ باوجود اس قدرت کے کہ کائنات کے ذرہ ذرہ پر محبوب کا کرشمہ حکمرانی کرتا ہے، ہمارا مقصد پورا کرنے میں اس کی ساری کار سازی بے کار ثابت ہو رہی ہے۔

۱	یہ سو وطن ہے ساقی کوثر کے باب میں	۱	کل کیلئے کہ آج نہ خست شراب میں
۲	گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں	۲	ہیں آج کیوں لیل کہ کل تک تھی پسند
۳	گروہ صدا سمانی ہے چنگ و باب میں	۳	جان کیوں نکلنے لگتی ہے تن سے دم سماع
۴	نہ ماتھ ہاگ پر ہے نہ پاپے رکاب میں	۴	رو میں ہے رخ عمر کہاں دیکھتے تھے
۵	جتنا کہ وہم غیر سے ہوں بیچ و تاب میں	۵	اتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت کے بعد ہے

۶	اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے	۶	جیراں ہوں پھر شاہد ہے کس حساب میں
۷	ہے مشتعل نمود و صورت پر وجود و جسم	۷	یاں کیا دھڑ ہے قطرہ و موج و جباب میں
۸	شراب اک اداسے ناز ہے اپنے ہی سے ہی	۸	ہیں کتنے بے حجاب کہ ہیں لیں حجاب میں
۹	آرایش جمال سے فانی نہیں ہنوز	۹	پیش نظر ہے آئینہ و ائیم نقاب میں
۱۰	ہے غیب غیب شکوہ ہے ہم شہود	۱۰	ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

غالب ندیم دوست آتی ہے بونے دست
مشغول حق ہوں بندگی بو تراب میں

۱۱

(۱) شعر میں "کل" ذو معنی ہے۔ ایک تو آٹے والی کل۔ دوسرے
فردائے قیامت۔ پھر اگر ہم آج مر گئے تو کل ہی ہم ساری
قیامت ہے۔ یعنی شراب میں نچست و بخل نہ کر اور کل کے لئے
باقی نہ رکھ۔ کیونکہ کل تک جینے ہی کی کیا امید۔ کل کی
فکر کرنا ساقی کو شرکی شان میں سوئے زنی و گستاخی ہے۔
کیونکہ "کل" شراب عطا کرنے کا منصب صرف اسی ساقی
عالی جناب کو ہے۔

(۲) "کل" کا اشارہ یوم تخلیق آدم کی جانب ہے جب فرشتوں سے
جناب باری نے سجدہ آدم کا حکم دیا تھا وَاذْ قُلْ سَرَّيْكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ
اِنِّیْ جَاعِلٌ فِیْکَ خَلِیْفَۃً ۙ قَالُوْۤا اَجْعَلْ فِیْہَا مِنْ یُّقُۡسٍ فِیْہَا
وَفِیْہَا مِّنَ الَّذِیْنَ مَنَعُوْۤا وَتَحْنُوْنَ ۙ تَسْتَمِیْعُ یٰۤاٰدَمُ فَقَدْ سَمِعْتَ لَکَ ۙ قَالِ اِنِّیْ
اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۙ ارشاد فرمایا کہ ہم زمین پر آدم کو اپنا خلیفہ
بنانے والے ہیں تو انہوں نے عرض کیا کہ کیا تو ایسوں کو خلیفہ
بناتا ہے جو زمین میں فساد پھیلائیں گے اور خوش مزینیاں کریں گے

اور ہم تو تیری حمد کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں گویا ہم مستحق
خلافت ہیں تو ہماری حمایت میں ارشاد ہوا کہ ہم خوب
جانتے ہیں تم نہیں جانتے۔ یعنی انسان کے متعلق فرشتوں نے
جو محبت پیش کی تھی اس سے اُن کی زبان بندی کر دی گئی، اور
خلافت ارضی کی قابلیت ہم ہی میں ثابت رہی۔ پھر آج کیوں
ذلیل ہیں۔

(۳) ”دم سماع“ گانا یا ساز سننے کے وقت ”وہ“ کا اشارہ معشوق
حقیقی کی جانب ہے۔ ”چنگ وریاب“ یا جوں کے نام ہیں۔ یعنی
دم سماع جو جان سی ٹکلی جاتی ہے یہ کیا بات ہے۔ اگر چنگ
وریاب میں معشوق کی آواز سہانی ہوتی ہے تو وہ صدا جانفزا
ہونی چاہئے۔ نہ کہ جان گدار۔

(۴) ”رخش“ گھوڑا۔ ”رویں ہے“ سرگرم رفتار ہے۔ یعنی جان پر
کوئی اختیار نہیں نہ معلوم کس وقت نکل جائے۔
(۵) یہ ایک اصول تصوف ہے کہ غیریت اور کثرت مد نظر رکھنے سے
توحید حاصل نہیں ہوتی۔ اور اپنی حقیقت جو گو وحدت ہے
توحید سے بعید ہو جاتی ہے پس ان تمام مظاہر میں جن کو
کثرت سے تعبیر کیا جاتا ہے اپنی ہستی بھی شامل کر کے ایک ہی
عینیت کا مشاہدہ کرنا چاہئے۔ یہی شعر کا مطلب ہے کہ
جس قدر غیریت اور غیر سے مجھے وابستگی ہے اتنی ہی اپنی
حقیقت سے دوری ہے۔

(۶) ”شہود“ ”شاہد“ مشہود یہ سب تصوف کی اصطلاحیں ہیں۔

شہودِ عالم وجود و ظہور اور ہی عالمِ شہود، شاہد یعنی دیکھنے والے کے شاہد سے شہود ہوتا ہے، نظر آتا ہے تو گویا شہود و مشہود اور شاہد تو ایک ہیں لیکن مشاہدہ وہ شے جس سے شاہد کو شہود و مشہود ہوتا ہے یعنی وہ قوتِ بصر کیا ہے۔
ظاہر ہے کہ ہمہ اوست۔

(۷) "مثیل" شامل "صور" صورتیں اور شکلیں یعنی وجودِ دریا کا ظہور صورتوں اور شکلوں کی بنا پر ہوتا ہے۔ قطرے موج اور حباب دریا کی مختلف شکلیں ہیں جو دریا سے علیحدہ وجود و ہستی نہیں رکھتیں و رآں حالیکہ دریا کی نمود انہیں اشکال پر منحصر ہے۔ اگر دریا میں روانی نہ ہو۔ موجیں نہ اٹھیں تو ایک سطح سا کن کی طرح دریا کی ہستی متاثر رہے۔ اسی طرح یہ کائنات اور یہ عالم صور و اشکال خالقِ حقیقی کے وجود کے مظاہر ہیں۔

(۸) شرم کو اداسے ناز یا ایک اندازِ تمکنت کہا ہے۔ اور کسی اندازِ تمکنت و ناز کے لئے بیباکی اور بے حجابی ضروری ہے گویا یہ شرم خود بے حجابی ہے۔ اپنے ہی سے سہی۔ یعنی خود بخود۔ آپ ہی آپ۔ خود اپنے آپ سے۔ شعر میں شاعرانہ انداز میں متصوفانہ نتیجہ نکالا گیا ہے۔ یعنی شرم اداسے ناز ہے اس لئے بے حجابی ہے۔ گویا اس جمالِ حقیقت کا ظہور، خفا اور خفا ظہور۔
(۹) "آرایش جمال" حسن کا بناؤ سنگھار۔ یہ عالم خلق و دنیا صفت خالقیت کا منظر ہے۔ گویا اس کی خالقیت اس کے جمالِ صفت

کا آئینہ ہے۔ لیکن یہ کائنات مخلوقات خود اس کے جمال ذات کے لئے
حجاب و نقاب بھی ہے۔ اور چونکہ اس کی صفت و قدرت خالقیت
پر کبھی تعطل وارد نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ بنائے اور سنوارنے
سے فارغ نہیں ہو سکتا۔ گویا حجاب کائنات و مخلوقات کے
اندر آئینہ خالقیت لئے ہوئے وہ شاہد حقیقی آرائش ذات میں
مصرف ہے۔

(۱۰) ”غیبِ غیب“ کی ترکیب تصوف کی اصطلاح غیب الغیب سے
ماخوذ ہے۔ اور یہ ذات الہی کی صفت یا مرتبہ ہے۔ اس دنیا کو عالم
شہود کہتے ہیں۔ اور شہود بھی اس کی ایک صفت یا مرتبہ ہے
گویا ظہور ذات کا دوسرا نام شہود ہے۔ لیکن اس ظہور سے کہہ
ذات پر اور خفا وارد ہوتا ہے۔ اس لئے غالب نے ہکمال بلاغت
و دقیقہ رسی مرتبہ ظہور کو غیب الغیب سے تعبیر و ثابت کیا ہے۔
اور جس کی نہایت بدیہہ تمثیل اس طرح کی ہے کہ جو لوگ خواب میں
بیداری کا خواب دیکھتے ہیں وہ بیدار نہیں بلکہ خواب میں خواب
دیکھتے ہیں۔

(۱۱) ”نایم“ مقرب ”بو تراب“ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی کنیت
ہے یعنی میں حضرت علی کی پرستش سے خدای کی عبادت کرتا ہوں
کیونکہ مقربان دوست سے دوست ہی کی بو آتی ہے۔

جیسا ہوں دل کو رووں کہ پیٹوں جگر کو میں (۱)
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں
(۲) چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں

ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کہ بھر کو میں

جانا پڑا قریب کے در پر ہسینا ر بار
(۳) اے کاش! جانتا نہ ترے رہ گذر کو میں

ہے کیا جو کس کے باندھے میری بلا ڈر سے
(۴) کیا جانتا نہیں ہوں تمہاری کمر کو میں

لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے شک و نام ہے
(۵) یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

چلتا ہوں تھوڑی دُور ہر اک تیر رو کیساتھ
(۶) پہچانتا نہیں ہوں ابھی رہبر کو میں

خواہش کیا محقوں نے پرستش دیا قرار
(۷) کیا پوچھتا ہوں اُس بت بیدا و گر کو میں

پھر بے خودی میں بھول گیا راہ کوئے یار
(۸) جانا اگر نہ ایک دن اپنی خبر کو میں

اپنے پہ کر رہا ہوں قیاس اہل و ہر کا
(۹) سمجھا ہوں دلپذیر مستاع ہنر کو میں

غالب خدا کرے کہ سوارِ سمندار
دیکھوں علیؑ بسا در عالی گھر کو میں

(۱۰) یعنی میں دل یا جگر دونوں میں سے کسی ایک ہی کا ماتم کر سکتا
ہوں۔

(۱۱) یعنی رشک سے تو یہ گوارا ہوا نہیں کہ میرے گھر کا نام لوں اور تلاش
تیرے گھر کو کرتا رہوں۔

تھا کہ گھر جاؤں۔

(۳۲) تیری راہ گزار تو دیر رقیب کی جانب سے تھی۔ اور مجھے معلوم ہو گیا تھا اس لئے ہزاروں مرتبہ تیرے اشتیاق میں رقیب کے دستک جاتا پڑا۔ کاش تیری رہگدہ معلوم نہ ہوتی تو دیر رقیب پر جانا نہ پڑتا۔

(۳۳) یعنی آپ جو کر سکتے ہیں۔ یہ محفل قتل کی دھمکی ہی دھمکی ہے۔ میں کیا تمہاری کمر جانتا نہیں ہوں کہ یہ یعنی معشوق کی کمر ہوتی ہی نہیں، یہ کمر کسنا جھونٹ مونٹ کا ہے۔ پھر میں کیوں ڈروں۔

(۳۴) یعنی میں تو یہ سمجھتا کہ وہ میری رفاہی اور قربانیوں کی قدر کریں گے لیکن وہ بھی مجھے بے نام و ننگ کہنے لگے۔ اگر یہ خبر ہوتی تو گھر بار کیوں لٹا دیتا۔

(۳۵) یعنی رہبر کی کوئی شناخت تو ہے نہیں۔ تیز روی باعث ترغیب تھی اور ہر تیز رو کے ساتھ ہولیتا تھا۔ بعد میں معلوم ہوتا تھا کہ یہ رہبر اور اپنی منزل مقصود کا عنصر راہ نہیں ہے۔ یعنی تیز روی دلیل رہبری ہے۔

(۳۶) یعنی بے خودی و عالم خود فراموشی اس قدر بڑھ گئی کہ کسٹے یار کا پتہ یاد نہ رہا۔ اگر بے خودی نہ ہوتی تو اپنے آپ کے کی تلاش میں ایک دن وہاں جاتا۔ کیونکہ میں وہیں جا کر کھو سا جاتا ہوں۔ یا یہ کہ خود میری ہستی کوئے یار کا پتہ ہے۔ اعداب چونکہ کوئے یار کا پتہ نہیں رہا۔ میں اپنے سے بھی بے خبر ہوں اور یہی میری بے خودی ہے۔

(۹۱) ”دلپذیر“ پست رسیدہ اور قابل قدر۔ یعنی میں جنس ہنر سے متوقع ہوں کہ اسی میں مقبولیت عامہ۔ گویا اہل دنیا کو بھی اپنے جیسا سمجھتا ہوں۔ دوراں حاسے کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔

۱	غیر کی بات پگڑ چائے تو کچھ دور نہیں	۱	ذکر میرا بہ بدی بھی اسے منظور نہیں
۲	مردہ قتل مقدر ہے چونکہ کور نہیں	۲	وعدہ سیر گلستان ہے خوش طالع شوق
۳	لوگ کہتے ہیں کہ ہے پر ہمیں منظور نہیں	۳	شاہد ہستی مطلق کی کمر ہے عالم
۴	ہم کو تقلید تنگ ظرفی منحصر نہیں	۴	قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے وریا لیکن
۵	عشق پر عہدہ کی گویں تن رنجور نہیں	۵	حسرت اسے فوق خرابی کہ وہ طاقت نہیں
۶	کس رعونت کا وہ کہتے ہیں کہ ہم حور نہیں	۶	میں تو کہتا ہوں کہ ہم لینگے قیامت میں نہیں
۷	تو ثقافت میں کسی رنگ سے معذور نہیں	۷	ظلم کر ظلم اگر لطافت دریغ آتا ہو
۸	واسے وہ یادہ کہ افشردہ انگور نہیں	۸	صاف دردی کش پیمانہ رحم ہیں ہم لوگ

ہوں نظوری کے مقابل میں خفائی غالب
میر سے دعوے پر یہ نچت ہے کہ مشہور نہیں

۹

(۱۰) یعنی غیر حسب دستور میری برائیاں ان کے سامنے بیان کرتا ہے اور ان کو مجھ سے اس قدر نفرت ہے کہ کسی عنوان سے میرا ذکر سننا منظور نہیں۔ کچھ عجیب نہیں کہ رقیب سے بھی وہ ناراض ہو جائیں۔

(۱۱) ”خوش طالع شوق“ شوق کی خوش قسمتی، یعنی انہوں نے سیر گلستان کا وعدہ کیا۔ گویا مردہ قتل اس وعدہ میں مقدر ہے کیونکہ سوائے ارادہ قتل اور وہ سیر گلستان میں میری ہمراہی کیوں پسند

کرنے لگے تھے۔ خوش طالع شوق کہ آرزوئے قتل پوری ہونے والی ہے۔

(۳۴) "ہستی مطلق" وجود مطلق، معشوق حقیقی، منظور نہیں، یعنی نظر نہیں آتی۔ اس عجیب و غریب فلسفہ اور تصوف میں استاد نے شاعری کی روح پھونکی ہے۔ تصوف کا مسئلہ ہے کہ یہ عالم کون و خلق، عین ذات و وجود ہے۔ فلسفہ کہتا ہے کہ امکان وجود بین العالَمین کا نام ہے۔ یعنی ممکن عدم سے آتا ہے۔ اور عدم کو چلا جائے گا۔ گویا معدوم ہو جائیگا۔ یہ عالم امکان بھی عدم سے ممکن ہوا ہے اور معدوم ہو جانے والا ہے۔ لیکن اگر فنا و عدم اس کی حقیقت ہے تو تصوف کا دعویٰ باطل ہو جاتا ہے۔ کہ عین وجود ذات یا ہمہ اورست یا وحدت الوجود کے لئے عدم لاحق ہوگا۔ غالب کی شاعری اس کا فیصلہ کرتی ہے۔ کہ یہ کائنات ممکن بھی ہے اور واجب بھی عین وجود بھی ہے۔ گویا یہ عالم معشوق حقیقی کی کمر ہے کہ ہے اور نہیں ہے۔ اور ہے تو ابھی کی ہے۔ کیونکہ شعر اد کے یہاں محبوب کی کمر بھی ایسا ہی ٹھہر ہے۔

(۳۵) "یعنی منصور کے آوازہ انا الحق جو توحید وجودی کے اصول پر مبنی تھا کہ موافق ہم بھی وجود الہی سے درہی نسبت رکھتے ہیں۔ لیکن ہم تنہا نظر فی منصور کی تقلید کرتا نہیں چاہتے۔

(۳۶) "عشق پر عریذہ" "عشق جنگجو"۔ گویا "قابلیت و طاقت تیز رنجور۔ جسم بیمار و زار یعنی اسے فوق بربادی پخت حسرت و

افسوس ہے کہ عشق پر عہدہ کے قابل میرا جسم زار نہیں ہے اور اب وہ قوت مقابلہ اور برداشت ستم باقی نہیں۔

(۶) گویا وہ خود کو غور سے بڑھ چڑھ کر سمجھتے ہیں۔ اور پھر کیا معقول برجستہ اور شوق جواب ہے۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ جو میں معاوضہ طاعت و عبادت الہی میں اور یہاں خود اوجھا لھائی ہے۔

دے "لطف دریغ ہوتا ہو" لطف کرنے میں اگر دریغ ہے تو ظلم سمجھئے۔ اور تغافل سے تو آپ کسی طرح معاف دے رہے ہیں۔ وہی کرو۔ کہ وہ بھی ظلم ہے۔

(۸) "ورجی کش" تلچٹ پینے والے۔ اور یہاں مقلد مراد ہے۔ "صاف" دُر کے مقابلہ کا لفظ ہے۔ نیز تاکید و تصریح محکمہ معنی میں آتا ہے۔ "افشردہ انگور" انگوروں سے پھوڑی ہوئی یا انگوری شراب۔ اس شراب پر افسوس ظاہر کر کے جو انگوری نہ ہوا اپنا مشرب ظاہر کیا ہے۔ کہ ہم بھی ہمیشہ کی طرح انگوری شراب پیتے ہیں۔

(۹) "ظہوری" شاعر مشہور۔ اور لفظ ظہوری کے معنی ظاہر اور شہیر کے ہیں۔ اس کے مقابلہ کا لفظ خفائی یعنی پوشیدہ وغیرہ نمایاں ہے۔ مطلب ہے کہ میں اور ظہوری ہم مرتبہ ہیں۔ لیکن وہ چونکہ مشہور ہے اس لئے ظہوری ہے اور میں چونکہ گمنام ہوں اس لئے خفائی۔ اور دلیل تقابل یہ ہے کہ میں مشہور نہیں ہوں۔

۱	نالہ جز حسن طلب اے ستم ایسا دہیں	۱	ہے تقاضائے جفا شکوہ بیاد نہیں
۲	کم نہیں وہ بھی خرابی میں یہ وسعت معلوم	۲	دشت میں ہے مجھے وہ عیش کہ گھیرا دہیں
۳	عشق و مزدوری عشرت کہ خضر کیا خوب	۳	ہم کو تسلیم نہ کو نامی دسرا دہیں
۴	اہل بینش کو ہے طوفانِ حوادث کشمکش	۴	سطحِ موج کم از سیلی استاد نہیں
۵	ولائے محرومی تسلیم و بیا حال و وفا	۵	جانتا ہے کہ ہمیں طاقتِ ثریا دہیں
۶	رنگِ تمکین گلِ ولالہ پریشاں کیوں ہے	۶	گر چراغانِ سرِ سہل گذر باد نہیں
۷	سبِ گل کے تلے بن کرے ہے گلچیں	۷	شرودے مرغ کہ نگزار میں صفا دہیں
۸	نفی سے کرتی ہے اثبات تراوش گویا	۸	دی ہے جائے دہن اسکو دمِ بجا دہیں
۹	کم نہیں جلوہ گری میں ترے کو چہ و بہشت	۹	یہی نقشہ ہے ولے اس قدر آہا دہیں

کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالب
تم کو بے مہرے یا رانِ وطن یاد نہیں

(۱) یعنی اے ستمگر میرا نالہ شکوہ جفا نہیں ہے بلکہ حسن طلب ہے
اور جفا کا تقاضا ہے۔

(۲) یعنی گھر بھی اگر چہ صحرائے ویرانی اور خرابی میں کم نہیں لیکن گھر
کی وسعت ہی کیا تھی۔ اس لئے صحرائیں مجھے ایسی آسودگی ہے کہ گھر
یاد نہیں آتا۔ اسی مضمون کا ایک شعر اس سے پہلے گذر چکا ہے۔

نقصاں نہیں جنوں میں بلا سے ہو گھر خراب

سو گز نہیں کے بارے بیاہاں گراں نہیں

(۳) "خسرو" فرہاد کا مہیا ب رقیب۔ اس شعر میں محلِ سراے

خسرو و شیریں کی تعمیر سے تلخی ہے کہ فرہاد کی شہرت ہمارے

نزدیک مسلم نہیں۔ کجا عشق۔ کجا عشرت گاہ خسرو کی مزدوری۔

(۴) ”اہل بیت“ صاحب بصیرت۔ عقلاء ”حوادث“ آفات ارضی و سماوی مراد ہیں۔ ”لعلہ“ پتھر ”مروج“ طوفان کی رعایت سے استعمال ہوا ہے۔ ”سُیالی“ پتھر۔ یعنی اہل عقل کے لئے طوفان مصائب بھی گویا مکتب عبرت و استغفال ہے۔ جس کی موجوں کے پتھر استاد کی تادیب و تنبیہ کی مثل ہیں۔

(۵) ”ولئے“ افسوس ”ہذا“ کس قدر بڑا یعنی افسوس ہے۔ تسلیم و رضا کی محرومی پر اور کس قدر بڑا حال ہے و فاداری کا کہ ہمارے ضبط سے وہ سمجھتا ہے کہ فریاد کرنے کی طاقت نہیں ہے۔

(۶) ”تمکین“ خود داری۔ اور یہاں مجموعہ اوراقی گل و لالہ مراد ہے اور اسی جمعیت پر گل و ہار کی مناسبت سے۔ ”پریشانی“ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ”سیر رنگز باد“ ہوا کی گذرگاہ میں۔

”چراغوں“ اور گل و لالہ کی تشبیہ ظاہر ہے۔ اور ہوا چراغ اور خزاں و بہار کے لئے مشترک ہے۔ یعنی اگر یہ پھول و غیرہ ہوا کی رنگدہر کے چراغ نہیں ہیں تو گل و لالہ کا رنگ تمکین کیوں پریشاں ہے۔ یا باد خزاں سے اور اوراق گل و لالہ کیوں بکھرے پڑے ہیں۔

(۷) ”سید گل“ پھولوں کی ٹوکری۔ یعنی گلچیں پھولوں کی ٹوکری کے نیچے بند کرتا ہے۔ اور پھولوں سے وصل کا موقع مل جاتا ہے۔ مشورہ اسے باغ کہ باغ میں سیاد نہیں ہے کہ شکار کر کے باغ سے لیجائے۔ اور بتلائے دام و قفس کر کے پھول سے پڑا دے۔

(۸) یعنی صانع ازل نے اس کو بجائے ”وہن“ کے لفظ ”نہیں“ دیا یا

ہے۔ تو گویا یہ نفی یعنی انکار اور نہیں ثابت کرتی ہے کہ معشوق کے
 وہن ہے کیونکہ اگر وہن نہ ہو تو نہیں کہاں سے نکلتے۔
 (۹) یعنی عشاق کا ایسا جھگڑا وہاں نہیں ہے۔

۱	یاں آپڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں	دو دنوں جہاں جیکے وہ سمجھے یہ خوش رہا
۲	ہو غم ہی جاں گزار تو غنچہ ار کیا کریں	کیا شمع کے نہیں ہیں ہوا خواہ اہل بزم
۳	تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں	تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے

(۱) "دو دنوں جہاں" دین و دنیا۔ وہ کا اشارہ خدا کی جانب ہے۔

(۲) یعنی اہل بزم تو چاہتے ہیں کہ شمع کو شبات ہو۔ لیکن جلتے جلتے
 بالآخر وہ ختم ہو ہی جاتی ہے۔

(۳) گویا مسرت کی منزل مقصود تک رسائی میسر نہ آئی۔

عشق کا اس کو گماں ہم بے زبانوں میں	ہو گئی ہے غیر کی شیریں بیانی کا رگڑ
------------------------------------	-------------------------------------

(۱) یعنی غیر کی شیریں زبانی کا اثر ہے اور ہم کم گوئی کی وجہ سے
 محروم ہیں۔

قیامت ہے، کہ سن لیلیٰ کا دشت قیس میں آنا
 تعجب سے وہ بولالوں بھی ہوتا ہے زمانے میں (۱)

دل نازک پہ اُس کے رحم آتا ہے مجھے غالب
 نہ کر سرگرم اُس کا فر کو الفت آزمائے میں (۲)

(۱) یعنی جذبِ عشق پر تعجب ہوا۔

(۲) یعنی اپنے جذب و کششِ الفت سے اُس کے دل نازک پر
 تکلیفاتِ عشق و وفا عائد ہو جائیں گی۔ اس لئے اس کے دل پر
 رحم آتا ہے۔

دل لگا کر لگ گیا ان کو بھی تنہا بیٹھنا

(۱)

بارے اپنی بیگسی کی ہم نے پانی وادیاں

ہیں زوال آمادہ اجزاء آفرینش کے تمام

(۲)

مگر گردوں سے چراغ رہ گندار بادیاں

(۱) یعنی اب معشوق کو بھی عشق ہو گیا ہے۔ شک ہے کہ ہماری بیگسی کی پانی

وادیاں کہ ثوبہ دولت بھی تنہا پسٹ ہو گئے ہیں۔

(۲) "زوال آمادہ" زوال پذیر۔ "عزوبہ انحطاطہ" اجزاء آفرینش "اجزاء

کائنات" چراغ رہ گندار باد" وہ چراغ جو کہ ہول کے جھونکیوں میں جل

رہا ہو۔ موجودہ دور کے حکماء آفتاب کو مرکز کائنات مانتے ہیں

ان کے عقیدہ میں کہہ ارض اور کہہ ارض کی تمام موجودات کی بقا کا

انحصار آفتاب کی حرارت و کشش اور نور وغیرہ پر ہے۔ پھر

یہ بھی عقیدہ ہے کہ آفتاب کی حرارت روز بروز کم ہوتی جاتی ہے

غالب کا شاعرانہ تخیل اس جدید علمی تحقیق یعنی زوال حرارت

آفتاب سے زوال اجزاء آفرینش پر است۔ لال کرتا ہے۔

اور علمی اعتبار سے دلیل ایسی راست اور صحیح ہے۔ کہ موصوف

کے شاعرانہ تخیل کو اعجاز و کرامت کے مرتبہ تک پہنچا دیتی ہے۔

یعنی اجزاء آفرینش کائنات زوال پذیر ہیں۔ اور آفتاب بھی گویا ہوا

کے جھونکیوں میں رکھا ہوا چراغ ہے۔

۱	یہ ہم چہ بچہ ہیں دیوار و در کو دیکھتے ہیں	کبھی صبا کو، کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں
۲	وہ آتش گھر ہیں ہمارے خدا کی قدرت ہے	کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں
۳	نظر لگے نہ کہیں ان کے دست بازو کو	یہ لوگ کیوں سے زخم جگر کو دیکھتے ہیں

	ترسے جو اہر طرف کلمہ کو کیا دیکھیں ہم اور ج طالع لعل و گہر کو دیکھتے ہیں	(۳)
<p>(۱) صبا کے لئے دیوار اور نامہ بر کے لئے در۔</p> <p>(۲) غیر متوقعہ آمد۔ خدا کی قدرت ہے اور مصرعہ ثانی میں جمع صندل پر اظہار تعجب ہے۔</p> <p>(۳) اپنی زخم کے کاری ہوئے پر ان کے ہاتھ اور قوت کو نظر نہ لگ جائے۔</p> <p>(۴) یعنی ہم جو اہرات کو کب دیکھتے ہیں۔ ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ ان کا نصیب ہے کہ تیرے ستر تک پہنچ گئے۔</p>		
<p>ہمیں کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں ۱ شب فراق سے روزِ جزا زیاد نہیں کوئی کہے کہ شبِ مہ میں کیا بڑائی ہے ۲ بلا سے آج اگر دن کو ابرو باد نہیں جو آؤں سانسے ان کے تو مرجان کہیں ۳ جو جاؤں والے کہیں کو، تو خیر یاد نہیں کبھی جو یاد بھی آتا ہوں میں، تو کہتے ہیں ۴ کہ آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں علاوہ عی کے ملتی ہے اور دن بھی شراب ۵ گدائے کوچہ بیخانہ، نامراد نہیں جہاں میں ہو غم و شادی ہم ہیں کیا کام ۶ دیا ہے ہم کو خدا نے وہ دل کہ شاد نہیں</p>		
	تم ان وعدے کا ذکر ان سے کیوں کرو غالب یہ کیا کہ تم کہو اور وہ کہیں کہ یاد نہیں	(۷)
<p>(۱) یعنی میں جو شب فراق کی طوالت اور تکالیف بیان کرتا ہوں تو اُس کا یہ مطلب نہیں کہ قیامت کا منکر ہوں۔ لیکن ہاں شب فراق کے طول اور مصائب سے روزِ جزا کی طوالت اور پیشانی زیادہ نہیں۔</p>		

(۲) یعنی دن کو ہوا داہر نہ تھتھے۔ تو ظاہر ہے کہ چاندنی زیادہ صاف ہوگی۔ اس لئے مے کے لئے محض ابرو باد کا التزام صحیح نہیں شب ماہ بھی میخوری کے لئے موزوں ہے۔

(۳) یعنی میرے آنے اور رزم میں رہنے نہ رہنے کی وہ کچھ پرواہ ہی نہیں کرتے۔

(۴) اگو یا مجھ کو کس بڑائی اور شوخی سے یاد کرتے ہیں۔

(۵) یعنی گدلے میخانہ عام وریوزہ گروں کی طرح نامراد نہیں ہے کہ خاص خاص ہی موقع پر کچھ ملے۔

(۶) یعنی دنیا میں باری باری کبھی غم کبھی خوشی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن ہمیں اس سے کیا فائدہ۔ ہمارے پاس تو مہی ایک دل محروم ہے جسکو خوشی سے کوئی سروکار ہی نہیں۔

(۷) یہ تو ظاہر ہے کہ وعدہ خلافیاں ہوتیں لیکن اب اس کا فکر ان سے عبث ہے۔ اس سے فائدہ ہی کیا۔ کہ وہ ”یاد نہیں“ کہہ کر

نکر جائیں تو یہ حجاب بھی باقی نہ رہے گا۔ پھر وہ اول تو وعدہ ہی نہ کرینگے اور کر بھی لیں گے تو دلیری اور بیباکی سے وعدہ خلافی کر گزریں گے۔

۱	تیرے تو سن کو صبا باندھتے ہیں	ہم بھی مضمون کی ہوا باندھتے ہیں
۲	آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے	ہم بھی اک اپنی ہوا باندھتے ہیں
۳	تیری فرصت کے مقابل اے عمر	برق کو پا بہ حنا باندھتے ہیں
۴	قیہ ہستی سے رہائی معلوم	اشک کو بے سرو پا باندھتے ہیں
۵	نشہ رنگ سے ہے واشیا گھل	مست، کب بند قبا باندھتے ہیں

	۱۔ لوگ ماننے کو رسا، باندھتے ہیں	غلطیہائے مضامین مت پرچھ	
	۲۔ آبلوں پر بھی حنا باندھتے ہیں	۳۔ اہل تہذیب کی داماندگیاں	
	سادہ چمکار ہیں خوبیاں غالب	ہم سے پیمان وفا باندھتے ہیں	
<p>(۱) شاعرانہ قافیہ پیمائی ہے ”صبا باندھنا“ اور ہوا باندھنے کا ثبوت ہے۔</p> <p>(۲) یعنی یہ تو معلوم ہے کہ آہ میں اثر نہیں ہوتا۔ مگر معشوق پر ہوا باندھتے ہیں کہ شاید وہ دھوکے میں آجائے۔</p> <p>(۳) ”برقِ پابہ حنا“ یعنی جس کی سرخیت رفتارِ عقوڑ دیر کے لئے موقوف ہو گئی ہو وہی حالِ وفقہ و مدتِ عمر کا ہے۔</p> <p>(۴) ”قیہ ہستی مصائب و آلامِ زندگی سے استعارہ ہے۔ اور گریہ و اشک بھی لوازمِ بیخ و بوم سے ہیں۔“ ”قید“ اور باندھنے میں رعایتِ لفظی ہے۔ ”بے سرو پا“ جس کی ابتلا نہ اٹھا اور جو انتقال و انقلاب کی گنجائش سے محروم ہو۔ یا عقدہ لا ینحل لیکن شاعر اشک کو بے سرو پا لکھا کرتے ہیں۔ مطلب ہے کہ جس طرح اشک بے سرو پا ہے اسی طرح قیہ ہستی مصائبِ زندگی جو اسبابِ اشک ریزی ہیں۔ وہ بھی بے سرو پا اور غیر انقلاب پذیر ہونے چاہئیں۔ یا قیہ ہستی بھی اشک بے سرو پا کی طرح عقدہ لا ینحل ہے۔</p> <p>(۵) ”واش“ کھل جانا۔ گویا رنگ کے نشہ سے گریبان گل چاک ہو گیا ہے۔ کیونکہ مست بنیہ قبا نہیں باندھا کرتے۔ یعنی رنگ، شوق و غیرہ کی شدت، باعثِ شگفتگی ہے۔</p>			

(۴) یعنی بھلا نالہ رنسا کہا ہوتا ہے۔ اس کو رنسا یا ندرھنا مضمون کی غلطی ہے۔

(۵) ”واماندگیاں“ مجبوریوں۔ یعنی اہل عقل کی مجبوری تو دیکھو اوّل تو آبلے خود چلنے سے مانع ہوتے ہیں۔ اُن پر حنا یا ندرھنا ایک مانع رفتار، اور اضافہ کر لیتے ہیں۔ جس سے چلنے کے لائق ہی نہیں رہتے۔ اہل جنوں کو دیکھو کہ اُن کے آبلوں کا علاج کانٹوں پر دوڑنا ہے۔ اور ذرا مجبور و پابن۔ نہیں ہوتے۔

(۶) ”سادہ“ عقلی طور پر نشیب و فراز سے ناواقف۔ ”پرکار“ بدچالاک و پُر فریب“ یعنی معشوق لوگ چالاک تو کرتے ہیں لیکن عقلمندی اور ہوشیاری سے نہیں کیتے۔ کہ ہم سے عہد وفا کرتے ہیں اور دل میں یہ جانتے ہیں کہ ہم نے جھوٹ موٹ عہد کیا ہے۔ اور یہ سچ سمجھا ہے یا یہ کہ اس عہد کو پورا کون کرتا ہے۔ اور یہ نہیں سمجھتے کہ ہم خود ان کو بدعہد جانتے ہیں۔ یا اُن پر تقاضہ کرتے کرتے پیمان وفا کو پورا ہی کر لیں گے۔

زمانہ سخت کم آزار ہے بجانِ استاد | مگر نہ ہم تو توقع زیادہ رکھتے ہیں

(۱) یعنی ہم تو زمانہ کو اس سے بھی زیادہ مصائب و آلام کا مجموعہ سمجھتے ہیں۔

۱	خاک ایسی زہریلی ہے کہ پتھر نہیں مٹو نہیں	۱	دائم بڑا ہوا ترسے در پر نہیں ہوں ہیں
۲	انسان ہوں پیالہ ساغر نہیں ہوں نہیں	۲	کیوں گردشِ بزم سے نکھیرا جائے دل
۳	روح جہاں پہ حیرت مگر نہیں ہوں نہیں	۳	یا رب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لیے

۴	آخر گنگا ر ہوں ہوں کافر نہیں ہو نہیں	حد چاہیئے مزا میں عقوبت کے واسطے
۵	نعل و زمرہ و زر و گوہر نہیں ہو نہیں	کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے
۶	رتبے میں مہر و ماہ سے کمتر نہیں ہو نہیں	رکھتے ہو تم قارم میری آنکھوں سے کیوں دلیخ
۷	کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہو نہیں	کرتے ہو مجھ کو منع قارم ہوس کس لئے

نائب و طیفہ غوار ہو، دو شاہ کو دھا
وہ دن گئے کہ کہتے تھے نو کر نہیں ہو نہیں

(۱) یعنی کاش میں پتھر ہوتا تاکہ سنگِ آستانِ یار ہوئے گی امید ہو جاتی۔

(۲) گردشِ مدام، متواتر بد نصیبیوں کا ظہور اور گردشِ پیالہ و ساغر ہی کے لئے ہے۔ انسان کیوں نہ گھبرائے۔

(۳) تحریف مکرر، جو عرفِ غلطی سے دو مرتبہ تحریر میں آگیا ہو جسکو مٹا دیا جاتا ہے۔ یعنی زمانہ مجھے عجبٹ مٹاتا ہے۔

(۴) تاکہ "حد" یعنی تعین و اندازہ شرعی اصطلاح میں مزا کو حد کہتے ہیں۔ "عقوبت"، تکلیف و عذاب۔ قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان چاروں اشعار میں یار کاہ رسالت سے مخاطب ہے۔

(۵) حضورِ مہر و برکات نے دولت و اسبابِ جاہ کی تحفہ فرمائی ہے تو استاد کہتے ہیں کہ میں لال و جواہر نہیں پھر مجھ پر کرم کیوں نہیں فرمایا جاتا۔

(۶) آنکھوں اور مہر و ماہ میں تشبیہ ہے۔ پھر انسان کے مرتبہ کی تزیین شعر میں بیان کی گئی ہے۔

۱۷۱ یعنی آپ نے آسمان کو تو شبِ معراج پا بوسی کی عزت بخشا ہے

آرزوئے قدس کیوں محروم ہے۔
(۸) بادشاہ کا اشارہ شاہ دہلی کی جانب ہے۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
(۱) خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہو گئیں
یا وہ محض ہموک بھی رنگارنگ، بزم آرائیاں
(۲) لیکن اب نقش و نگار طاقِ نسیم ہوں گئیں

تھیں نباتِ النعش گردوں، دیکھ پٹے میں نہاں
(۳) شب کو ان کے جی میں کیا آئی کہ عریاں ہو گئیں
قیام میں یقیناً نے لی گو نہ یوسفؑ کی خبر
(۴) لیکن آنکھیں روزِ دیوارِ زنداں ہو گئیں

سب قیدیوں سے ہوں ناخوش پر زنانِ مصر سے
(۵) ہے نہ لیتا خوش کہ مچو ماہ کنجاں ہو گئیں
جئے خوں آنکھوں کے بہنے دو کہ ہے شامِ فراق
(۶) میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں، دو فروزاں ہو گئیں

ان پریزاؤں سے لینگے، غلام میں ہم انتقام
(۷) قدرتِ حق سے یہی حوریں اگر واں ہو گئیں
نہیں اس کی ہے دماغ اس کا ہے رایتیں اسکی ہیں
(۸) تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں

میں چمن میں کیا گیا، گویا دبستان کھل گیا
(۹) بلبلیں سن کر مرے نالے غزلِ خواں ہو گئیں
وہ نکلا ہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں یارِ دل کے پار
(۱۰)

جو مری کوتاہی قسمت سے مرگیاں ہو گئیں

بسکہ روکائیں نے اور سینہ میں پھر پیسے بپے

(۱۱)

میری آپں بھجیہ چاک گریباں ہو گئیں

داں گیا بھی میں، تو ان کی گالیوں کا کیا جواب

(۱۲)

یا دھنیں جتنی دعا ہیں صرف دریاں ہو گئیں

جالقز ہے باوہ، جس کے ہاتھ میں جام آ گیا

(۱۳)

سب لکیریں ہاتھ کی گویا رگ جاں ہو گئیں

ہم موصد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم

(۱۴)

ملتیں جب مٹ گئیں اجڑائے ایماں ہو گئیں

سچ سے خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج

(۱۵)

مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پہ کہ آساں ہو گئیں

یونہیں گر روتا رہا فاکب، تو اسے اہل جہاں

(۱۶)

دیکھنا ان بستیوں کو تم، کہ ویراں ہو گئیں

(۱) یعنی خدا جانے وہ کیسی صورتیں ہو چکی جو خاک میں پنہاں ہوئیں

اور سب کی سب لالہ دگل بنکر ظاہر ہوتی ہیں یا لالہ و گل حسینوں کی

خاک سے پیدا ہوتے ہیں۔ خدا جانے وہ کیسے حسین ہو گئے

جن کی خاک ایسے گل کھلاتی ہے۔

(۲) رنگا رنگ "طرح طرح کی" بزم آرائیاں "احباب کی صحبتیں

اور عیش و نشاط کی محفلیں برپا کرنا۔ بزم کی رعایت سے نسیاں کو

طاق سے ترکیب دیا اور رنگ کی رعایت سے نقش و نگار لکھا

ہے یعنی کبھی ہم بھی محفل آرائی کرتے تھے مگر اب سب بھول گئے۔

(۳۳) "بنات النعش" شمال کی جانب ستارے ہیں جن کا یہ عربی نام ہے یعنی دن میں ستارے خداجانے کہاں چلے جاتے ہیں اور رات کو نکل آتے ہیں۔ بنات النعش کی رعایت سے "عُریاں" خوب استعمال کیا ہے۔

(۳۴) "روزن دیوار" اور آنکھوں میں تشبیہ ہے۔ روزن خالی ہوتا ہے۔ آنکھوں کا روزن دیوار ہو جانا۔ آنکھوں کا بے نور ہو جانا مراد ہے۔

(۳۵) جس طرح محبت میں جوش رقابت اس درجہ ہوتا ہے کہ دنیا کی ہر شے رقیب۔ نخل۔ اور باغیچہ دہم و بدگمانی ہوتی ہے حتیٰ کہ خود بھی ناگوار ہو جاتی ہے بقول استاد سے

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پر شک آجائے ہے

میں لُسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

اسی طرح یہ بھی جاذب ہوتا ہے کہ محبوب کو کائنات کی ہر شے محبوب رکھتی ہو۔ اور یہ اس قدر ترقی کر جاتا ہے کہ خودی اور غیر میں ایک ہی جلیوۃ حبیب ہو جاتی ہیں۔ پس زنان مصر کی محویت سے زلیخا کی خوشی ظاہر ہے۔

(۳۶) آنکھ اور شمع میں مشترک نور ہے۔ خوفشالی چشم اور نور شمع میں وجہ شبہ رنگ ہے۔ شمع سے موج در موج روشنی نکلنے اور آنکھوں سے خون بہنے میں روانی وجہ شبہ ہے۔

(۳۷) یعنی اُن کی جفاؤ کی تلافی کرائیں گے۔

(۳۸) اس شعر کا مفہوم صاف اور خیال بین ریش اعجاز ہے۔

(۹) "اوبستان" اوبستان۔ مکتب یا مدرسہ۔

(۱۰) نگاہوں کا مشرگاں ہونا "نگاہوں کا اس قدر کوتاہ ہو جانا کہ مشرگاں سے باہر نہ گذریں اور یہ شرمیلی نگاہوں کے لئے استعفاء ہے۔ پھر ان شرمیلی نگاہوں کو لفظی رعایت سے اپنی کوتاہی قسمت پر محمل کیا ہے جس سے نگاہیں پار ہونے کا حسرت ٹپکتی ہے۔ اور کمال یہ ہے کہ اپنی بد سمجھی سے انظار اور شرمیلی نگاہوں کے تذکرے کے ساتھ کس انداز بد سامنے سے ان کی آبرو کی کمی ہے کہ دل کے پار کیوں ہوئی جاتی ہیں۔

(۱۱) آپہیں کو رشتہ (تائیکے) سے تشبیہ دے کر ان کے ابھرنے کو تشبیہ چاک گریبان سے تمثیل کر دیا ہے۔

(۱۲) بھی معشوق کی گالیوں کا جواب، تو صرف دعائیں ہو سکتی ہیں اور وہ پھر جبر و جبر اور بھقیں وہ سب دربان کی خوشامد ہیں صرف ہوئیں۔ اب اگر دربان نے دیر جانے کا اجازت بھی دے دی تو ان کی گالیوں کا کیا جواب دورنگا۔

(۱۳) ہاتھ لگائیں کہ رنگوں سے تشبیہ دی ہے۔ اور شراب کے جانفزا ہونے کی رعایت سے یہ رنگ جان نکھا ہے۔

(۱۴) "تک رسوم اور عقائد متعدد دے گئے تھے ہی تو حید کمال حاصل ہوتی ہے۔

(۱۵) یعنی متواتر خواہش اور پیہم مصائب سے تحمل کی عادت ہو جاتی ہے۔

(۱۶) (شہزادہ کاگر یہ ہمیشہ طوفان خیز ہوتا ہے)

دیوانگی سے دوش پہ زنا بھی نہیں ۱ یعنی ہماری جیب میں اک تار بھی نہیں
 دل کو نیاز حسرت دیدار کر چکے ۲ دیکھا تو ہم میں طاقت دیدار بھی نہیں
 بلنا ترا اگر نہیں آساں تو سہل ہے ۳ دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں
 بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی ہے اور یہاں ۴ طاقت بقدر لذت آزار بھی نہیں
 شوریدگی کے ہاتھ سے سر پہ وہاں دوش ۵ صحر میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں
 گتیا کش عداوت اغیار اک طرف ۶ یاں دل میں صفت ہو س یا رہی نہیں
 ڈرنا لہائے زار سے میرے خدا کو مان ۷ آخر تو اے مرغ گرفتار بھی نہیں
 دلیں ہے یار کی صفت مڑگان سے کشی ۸ حالانکہ طاقت خلش خار بھی نہیں
 اس ساوگی پہ کون نہ مچائے اے خدا ۹ اٹھے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

دیکھا اس کو خلوت و جلوت میں بارہا
 بولہ اند گر نہیں ہے تو ہشتیار بھی نہیں

۱۰

(۱) یعنی دیوانگی اور جوش جنوں میں گریبان و حیب کے پرزے
 اڑاتے اڑاتے رشتہ بقدر زنا تک باقی ہے۔

(۲) یعنی دل تو حسرت و ارمان دیدہ ہی میں صرف ہو گیا اب معلوم
 ہوا کہ ہم میں دیدار کی طاقت بھی نہیں۔

(۳) یعنی اگر تیرا بلنا آسان نہیں تو یہ امر عجیب پر آسان ہے۔ شیر تیرا
 بلنا آسان نہیں نہ سہی۔ نہ ہم مل سکیں گے نہ کوئی اور مل سکیگا۔
 مشکل تو یہ ہے کہ وہی تیرا ملنا دشوار بھی نہیں یعنی جس سے
 تو چاہتا ہے مل بھی سکتا ہے۔ پھر کو تو ہم نے سہل سمجھ لیا تھا۔ مگر
 رشک کو اپنے اوپر آسان نہیں کر سکتے۔ از مکتوب غالب موبہ

قاضی عبدالجلیل صاحب بریلوی

(۴) بے عشق بھی نہیں کٹتی۔ اور ستم کے مزے لینے کی طاقت بھی نہیں۔ سخت کشمکش ہے۔

(۵) پہچان و اضطراب جنوں یا جوش و دیوانگی سے سر دوش پر وبال ہو گیا ہے۔ خدایا صبر! میں کوئی دیوار بھی نہیں سمجھتا کہ پھوٹ رہی ڈالیں۔

(۶) رقیبوں کی عداوت کی گنجائش کجا۔ یہاں دل میں اشتیاق حبیب کی بھی تاب نہیں

(۷) یعنی میرے نالہ ہائے الم سے ڈر۔ یہ مرغان اسیر کے چھپے نہیں ہیں، خدا کو مان وہ ستم زدوں کی فریاد سنتا ہے۔

(۸) ”رودکشی“ مقابلہ۔ یعنی طاقت تو ایک کاٹے کی خلش کی بھی نہیں اور مڑگان کی صف کی صف سے مقابلہ۔

(۹) (کیا ادائے ناز ہے)

(۱۰) ”خلوت“ تنہائی ”جلوت“ مصاحبت۔

نہیں ہے زخم کوئی بخیمہ کے درخورد سے تن میں

(۱)

ہوا ہے تارِ اشک یا س ارشہ چشم سوزن میں

ہوئی ہے مانع ذوق تماشا خانہ ویرانی

(۲)

کشف سیلاب باقی ہے بزمِ گنبدِ پنبہ روزن میں

و دیعت خانہ پیدا د کاوش ہائے مڑگان ہوں

(۳)

نگین نام شاہ ہے، مے ہر قطرہ خوں تن میں

بیاں کس سے ہو ظلمت گستری میرے شبستان کی

(۴)

شبِ مہ ہو جو رکھیں پنبہ دیواروں کے روزن میں

نکو ہنس مانع ہے۔ بطحی شور جنوں آئی (۵)
 ہوا ہے خندہ اجباب بخیہ جیب و دامن میں
 ہوئے اس ہروش کے جلوہ تمثال کے آگے
 پرافشاں جوہر آئینہ میں مثل ذرہ روزن میں (۶)
 سخاؤں نیک ہوں یا بد ہوں پر صحت مخالف ہے
 جو گل ہوں تو ہوں گلشن میں جو خس ہوں تو ہوں گلشن میں (۷)
 ہزاروں دل دیئے جو شس جنوں عشق نے مجھ کو
 سیہ ہو کر سویدا ہو گیا ہر قطرہ خون تن میں (۸)
 اسد زندانی تاثیر الفت ہائے خواباں ہوں
 خیم دست نوازش ہو گیا ہے طوق گردن میں (۹)

(۱) "تارا شک" آنسوؤں کے تار۔ تار و رشتہ (تار) میں تشبیہ
 ہے اور اسی مناسبت سے سوزن کے ساتھ زخم سوزن کہا
 ہے۔ یعنی میرے جسم میں کوئی زخم ٹانگوں کے قابل نہیں ہے
 گویا نامیہ کے آنسوؤں کا تار چشم روزن کا ڈورا ہے
 یعنی زخم سلنے سے نامیہ ہی ہے۔

(۲) روزن سے بیرونی سیر و تماشا کر لیا کرتے ہیں "کف سیلاب"
 کے قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیل گریہ باعث خانہ خرابی ہوا
 ہے۔ مطلب ہے کہ روتے روتے گھر تو برباد ہوا ہی تھا وہ
 بربادی بیرونی تماشا اور سیر سے بھی باز رکھتی ہے۔ کیونکہ کف
 سیلاب سے روزن کو بھرا کر دیا ہے۔ چھپے ہوئے وغیرہ ہی بنا ہوا ہے
 (۳) "وہ بیت خانہ" وہ مکان جہیں ماتیں رکھی ہوں "یہ یاد" ظلم

یہاں کاوش بچہ مراد ہے۔ "نگین" "نگینہ" "شاہد" معشوق۔ یعنی
ایک ایک قطرہ کا بھجے دینا پڑا حساب
خون جگر و ولایت مرثگان یا رختا
دہم "ظلمت گستری" چھائی ہوئی تاریکی "شبستان" میں شب کی رعنا
ملحوظ رکھتے ہوئے سیاہ خانہ معنی ہو جاتے ہیں اسی مضمون
کا شعر یہ ہے:-

کیا کہوں تاریکی زندانِ غم اندھیر ہے
پنبہ نور صبح سے کم جس کے روزن میں نہیں
(۱۵) "نکوہش" طرز و ملامت۔ "بے ربطی" بے ترتیبی۔ یعنی شور و
جنوں کی بے ربطی کے لئے احباب کی ملامت مانع ہوئی اور
اُن کا خندہ ملامت گویا بخیمہ حبیب و دامن ہو گیا۔
(۱۶) "مہروش" آفتاب جمال "تمثال" عکس مراد ہے "پڑ افشاں"
پڑ تو لٹا۔ "ناندرگی" اس مہروش کے جمال سے آئینہ میں جو ہر مائل
پر دازہ ہیں جس طرح شعاع آفتاب سے ذرے۔

(۱۷) یعنی اپنے متعلق اچھائی اور برائی کا ثبوت تو نہیں دیا جاتا تاہم
گروہ پیش اور صحبت مخالفت ہے۔ اگر گل ہوں تو گلخن میں ہو گیا
اور اگر تنیکا ہوں تو گلستاں میں ہوں۔

(۱۸) یعنی جنوں عشق کے جوش دگرگی سے ہر قطرہ خون سیاہ ہو کر
سویا کے مثل ہو گیا ہے۔ گویا ہزاروں سویاے دل بن گئے ہیں۔
(۱۹) "زندانی" قیدی گرفتار۔ غم و حسرت نوازش "گلے میں باہیں ملو
ہیں۔ اعدان ہاتھوں کی طوق سے تلبیہ دے کر زندانی القہت خواہاں

ہونے کا ثبوت دیا ہے۔

۱	سوائے خونِ جگر، سو جگر میں خاک نہیں	۱	مرے جہان کے اپنی نظر میں خاک نہیں
۲	وگرنہ تاب و توالی پال و پر میں خاک نہیں	۲	مگر خیار ہوئے، پودہ ہوا اڑا لے جاتے
۳	کہ غیر جلوہ نگار رہ گزریں خاک نہیں	۳	یہ کس بہشتِ شمائل کی آمد آمد ہے
۴	اثر مرے نفس نے اثر میں خاک نہیں	۴	بھلا اُسے نہ سہی کچھ بھی کو رحم آتا
۵	شرابِ خانہ کی دیوار و در میں خاک نہیں	۵	خیالِ جلوہ نگار سے شراب میں سے کش
۶	سوائے حسرتِ تعمیر گھر میں خاک نہیں	۶	ہوا ہوں عشق کی غارتگری سے شرمندہ

ہمارے شعر میں اب صرف دل فلی کے است
کھلا کہ فائدہ عرض و ہنر میں خاک نہیں

(۱) مرے کے لفظ سے سوائے خونِ جگر کا مطلب ادا ہو جاتا

ہے کہ سوائے خونِ جگر کھانے کے جگر میں خاک نہیں۔

(۲) یعنی مرتے کے بعد خاک کو شاید ہوا اڑا لے جائے، ہمیں

تو طاقت پر وار ہے نہیں۔

(۳) بہشتِ شمائل کی ترکیب نہایت اعلیٰ اور پر کیفیت ہے۔

یعنی راہ میں صرف پودہ تو ہمال ہے، خاک باقی نہیں۔

(۴) یعنی معشوق کو نہ سہی میں ہی آہوں پیا پیر پیدا کر کے اپنے

اوپر رحم کرتا۔

(۵) شراب نے اور میکشی کے ساتھ اس لفظ کے معنی مستی و نشاط

ہوتے ہیں یعنی خیالِ جلوہ نگار سے نشاط ہے در نہ میخانہ کی

دیوار و در میں کیا رکھا ہے "شراب" دیوار و در "اور خاک" رعایا

لفظی ہیں۔

(۱) یعنی گھر میں سوائے حسرت و تعمیر کے اور کچھ باقی نہیں رہی شرمندگی ہے کہ عشق کی بربادی کے لئے کچھ باقی نہیں۔
 (۲) "معرض ہنس" اظہار ہنس۔ سخن سخن یعنی لوگ کمال کا مضحکہ کرتے ہیں بھلا ہنس سے فائدہ ہی کیا۔

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درو سے پھر نہ آئے کیوں
 روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں (۱)

دیر نہیں حرم نہیں، در نہیں آستان نہیں
 تھکتے ہیں رہ گزر پہ ہم کوئی ہمیں اٹھائے کیوں (۲)

جب وہ جمال و لفروز، صورت مسرور و
 آپ ہی ہوں نظارہ سوز، پر وہ میں منہ چھپائے کیوں
 دہشتہ غمزہ جانتاں، ناک تاز بے پناہ
 تیرا ہی عکس رُخ سہی، سامنے تیرے آئے کیوں (۳)

قیدِ حیات و بنائے غم اصل میں دونوں ایک ہیں
 موت سے پہلے آدمی، غم سے نجات پائے کیوں (۴)
 حسن اور اس پہ حسن ظن، رہ گئی بلالہوس کی شرم
 اپنے پہ اعتماس و ہے غیر کو آزمائے کیوں (۵)

ہاں وہ نہیں خدا پرست، جاؤ وہ بے وفا سہی
 جس کو ہو دین و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں (۶)
 واں وہ غرور و عز و نازیاں یہ حجاب پاس وضع
 راہ میں ہم ملیں کہاں، بزم میں وہ بلائے کیوں (۷)

غالب خسرتہ کے بغیر کون سے کام بن رہیں (۸)
 (۹)

روئے زار زار کیا، کیجئے ہائے ہائے کیوں

لا پیرایہ بیان اور اصرار گر یہ کیا خوب ہے

(۲) اپنی خاک افتادگی کے حق کو ثابت کیا ہے

(۳) جمال دلفروز "دل منور کر دینے والا حسن اور یہ حسن الہی کی شان خاص ہے۔ مہر نیروز کا الشمس فی نصف النهار۔

"نظارہ سوز" خیرگی نظر مراد ہے۔ یعنی جب شدت تاب حسن سے نگاہیں خیرہ ہو جاتی ہیں تو یہ خیرگی خود حجاب و پردہ کا کام کرتی ہے۔ پھر اس کو منہ چھپانے کی کیا ضرورت ہے۔ یعنی جب اس برقی جمال کو دعوئے لن ترانی ہے تو چھپنے کی کیا ضرورت ہے۔

(۴) "دشنہ غمزہ" خنجر گردش چشم "ناوک" پتھر۔ یعنی جب غمزہ اور ناز کا یہ عالم ہے تو آئینہ میں عکس کس طرح مقابل ہو سکتا ہے۔

(۵) گویا اس ہستی کی حقیقت موجودہ ہی غم ہے۔

(۶) حسن عارض اور حسن ظن دو صفتیں محبوب میں جمع ہیں۔ یعنی

صورت اچھی ہے اور گمان اس کا صحیح ہے۔ کبھی خطا نہیں کرتا

اور یہ گمان اس کو بہ نسبت اپنے ہے۔ کہ میرا مارا کبھی پہتا نہیں

اور میرا تیر غمزہ کبھی خطا نہیں کرتا۔ پس جب اس کو اپنے پر ایسا

بھروسہ ہے تو رقیب کا امتحان کیوں کرے۔ اس حسن ظن نے

رقیب کی شرم رکھ لی۔ ورنہ یہاں معشوق نے مغالطہ کھایا تھا۔

رقیب عاشق صادق نہ تھا۔ ہوسناک آدمی تھا اگرچہ امتحان

درمیان آتا تو حقیقت کھل جاتی (راخوڈ از مکتوبات غالب)۔

(۷) خدا پرستی کے لئے دین اور بیوقوفائی کے لئے دل استعمال ہوا ہے۔

(۸) یہی افسوس بے وجہ ہے۔

نہیں، نا شکستہ کو دوسرے سے مت دیکھا کہ یوں
(۱) بوسہ کو پوچھتا ہوں میں، منہ سے مجھے بتا کہ یوں

پس سسش طرزِ دلبری، کیجئے کیا کہ بن کے
(۲) اس کے ہر اک اشارہ میں نکال رہے یہ ادا کہ یوں

رات کے وقت منہ پہنے، ساتھ رقیب کو لئے
(۳) آئے وہ یاں خدا کرے پر نہ کرے خدا، کہ یوں

غیر سے رات کیا بنی، یہ جو کہا تو دیکھئے
(۴) سامنے آن بیٹھنا، اور یہ دیکھنا کہ یوں

بزم میں اس کے روبرو کیوں نہ غموش بیٹھئے
(۵) اس کی تو خاموشی میں بھی، ہے یہی عدا کہ یوں

میں نے کہا کہ بزم ناز چاہیے غیر سے تھی
(۶) من کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں

مجھ سے کہا جو یا رہے، جاتے ہیں ہوش کس طرح
(۷) دیکھ کہ میری بیخودی چلنے لگی ہوا کہ یوں

کب مجھے کیئے یا رہیں، بیچنے کی وضع یاد تھی
(۸) آئینہ وار بن گئی، خیرت نقشِ پناہ کہ یوں

گرتے دل میں ہو خیال، وصل میں شوق کا زوال
(۹) موجِ خبطِ آب میں ماسے ہے دستِ دہا کہ یوں

	جو یہ کہے کہ ریشہ کیونکہ ہو رہا شک فارسی گفتہ غالب ایک بار پڑھ کے اُسے ہٹا کر یوں	(۱۰)
--	--	------

(۱) غنیہ نامہ شگفتہ کی تشبیہ دہن محبوب سے ظاہر ہے۔
یعنی دور سے نظارہ تو کرا دیتے ہیں مگر بوسہ لب کی اجازت
زبان سے نہیں دیتے۔

(۲) پرسش طرز و لہری "دل لینے کا طریقہ معلوم کرنا۔ یعنی ہر
انداز کہتا ہے کہ یوں دل لے لیتے ہیں۔
(۳) یعنی خدا کو ہے وہ آئے ضرور لیکن نشہ میں رقیب کو ساتھ
لے کر نہ آئے۔

(۴) یعنی یہ پوچھا تو سامنے بیٹھے۔ اور غصہ سے دیکھ کر فرمانے
لگے کہ ہاں آپ کی یہ جرات ہوئی کہ ہماری پرسش حال کریں۔
(۵) یعنی اُس کی خاموشی خاموشی کا اشارہ کرتی ہے۔

(۶) "ستم ظریف" ہنسی میں قیامت ڈھانے والا۔ میں نے
غیر کے متعلق کہا تھا انہوں نے مجھے محفل سے اٹھا کر تمثیل کیا۔
(۷) شاعرانہ خیال ہے کہ بے خودی دیکھ کر ہوا بھی چلنے لگی
اور ہوا سے ظاہر ہوا کہ ہوش بھی اسی طرح اڑتے ہیں۔

(۸) آئینہ وار "مثل" یا ہم مراد ہے۔ یعنی حیرت نقش پا کی طرح
بزم یار میں غیر متحرک و خاموش بیٹھنا چاہئے۔

(۹) "وصل" فنا "شوق" طلب۔ محض آپ سے دریا ہے پایاں
مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بھر معرفت میں فنا ہونے سے طلب
بھی اس طرح فنا ہو جاتی ہے جیسے موجیں ہاتھ پیرا تے مارتے

سطح آب میں غائب ہو جاتی ہیں۔
 (۱۰) ”ریختہ“ اردو شاعری ”گفتہ غالب“ اشعار غالب یعنی جو
 شخص کہے کہ اردو شاعری فارسی سے بہتر کیسے ہو سکتی ہے اسکو
 غالب کے اشعار سنا کر کہہ دے کہ اس طرح ہو سکتی ہے۔

حسد سے دل گرافسرد ہے گرم تماشا ہو
 (۱۱) کہ چشم تنگ شاید کثرتِ نظارہ سے ہو
 بقدر حسرتِ دل چاہئے ذوقِ معاصی بھی
 (۱۲) بھروں یک گوشہ دامن اگر آبِ ہفت دریا ہو

اگر وہ سہر و قد، گرم خرام ناز آجاوے
 (۱۳) کہ ہر خاک گلشنِ شکلِ قمری نالہ فرسا ہو

(۱) یعنی حسد سے اگر تنگ دل ہو تو احوالِ عالم پر غور کرنا چاہئے
 تاکہ کثرتِ نظارہ سے تنگ ہوں میں وسعت پیدا ہو۔ یہ شعر
 فلسفہٴ نفس سے متجاوز ہو کر حکمتِ تبلیغی کی شان تک پہنچ گیا ہے
 (۲) انگہر گاری کو تر دامن لکھتے ہیں اور آلودگی دامن بھی اسی
 معنی میں آتا ہے۔ مصرعہ ثانی میں گوشہ دامن بھرنے سے وہی
 مراد ہے۔ اور اسی رعایت سے ہفت دریا بمعنی سارے
 جہان کے گناہ استعمال ہوا ہے

(۳) ”سہر و قد“ محبوب مراد ہے ”گرم خرام ناز“ ناز و انداز سے
 چلتا ہوا ”کہ ہر خاک گلشن“ گلشن کی ہر مشت خاک لینے
 زیرِ قدم میں نالہ ہائے عشق پیدا ہو جائیں۔

۱	کعبہ میں جا رہا، تو نہ دو طعنہ کیا کہیں	۱	بھولا ہوں، حق صحبت اہل کشت کو
۲	طاعت میں تارے نہ ہی دیکھیں کی لاگ	۲	دورخ میں ڈال دو کوئی لیکر ہشت کو
۳	ہوں مغرب نہ کیوں رہ درہم ٹوا جائے	۳	پلٹے کھانگاہے قط، قلم سر نوشت کو

۴	غائب کچھ اپنی سخی سے ملتا نہیں مجھے	۴	خرمن جلے اگر نہ ملخ کھائے کشت کو
---	-------------------------------------	---	----------------------------------

(۱) "اہل کشت" اہل شجائے یعنی میں کعبہ میں رہ پڑا، تو طعنہ نہ دو
 کیونکہ میں حق صحبت اہل کشت کو کعبہ بھولا ہوں۔
 (۲) "طاعت" عبادت الہی کے لئے دیکھیں، جنت کی شہرہ و شراب
 کی نہیں مراد ہیں۔ یعنی عبادت الہی میں تمہارے جنت کے الحج
 کی شرکت نہیں میں باقی نہ رہے۔ ایسی جنت جو نفس کو نفس
 عبادت سے اس طرف متوجہ کرے۔ وہ نہ ملخ میں بھونک دینے
 لائق ہے تاکہ عبادات میں صرف خلوص اور مشغولیت باقی رہ
 جائے۔

(۳) "سر نوشت" قسمت۔ پلٹے کھانگاہے سے آخر وقت اور صواب
 کی توجہ کی ہے گویا قسمت ہی میں رہیں لکھا ہے۔
 (۴) "ملخ" مسکین۔ پونا "ملخ" پلٹے کھانگاہے سے کہتی۔ یعنی
 بہر حال مجھے بڑا ہونا ہے۔

۱	وار نہ اس سے کہیں کہیں	۱	لکھتے ہمارے ہر سا فقر و عبادت ہی کیوں نہ
۲	چھوڑا دے تجھ میں غصہ نہ ہے نہ تارک و تارک	۲	بہشت میں پو پو پار، نقدی ہشت ہی کیوں نہ
۳	سے مجھ کو تجھ سے تارک، غیر کا کنگ	۳	ہر حق و سبیل شکایت ہی کیوں نہ
۴	پیدا ہوئی ہے کہتے ہیں ہر روز کی دوا	۴	یوں ہو تو چارہ دے غم الفت ہی کیوں نہ

۵	اپنے سے کھینچتا ہوں خجالت ہی کیوں نہ ہو	۵	ڈالائے بیکیسی نے کسی سے معاملہ
۶	ہم انجن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو	۶	سے آدمی بچائے خود، اک محشر خیال
۷	حاصل نہ کیجئے دھڑ سے عبرت ہی کیوں نہ ہو	۷	ہنگامہ زبونی ہمت سے انفعال
۸	پٹے سے کرنا غیر سے، وحشت ہی کیوں نہ ہو	۸	داریسنگی بہانہ بیگانگی نہیں
۹	عمر عزیز صرف عبادت ہی کیوں نہ ہو	۹	پلتا ہے فوت فرصت ہستی کا غم کہیں

۱۰ اس فتنہ خو کے در سے اب اٹھتے نہیں اس۔

اس میں ہمارے سر پہ قیامت ہی کیوں نہ ہو

(۱) ڈالائے، آزاد یعنی اس ضد اور خیال سے آزاد ہیں کہ آپ ہمارے

ساتھ محبت ہی کریں۔ نہیں بلکہ آپ کو کچھ کرنا ضرور چاہیئے۔

عبادت ہی کیوں نہ ہو۔

ترک کیجئے نہ تعلق ہم سے کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی مٹھی

(۲) ضعف سے رنگ اڑ جاتا عام بات یہ ہے۔ اسی رعایت سے

اختلاط (محبت) کا رنگ دکھایا ہے پھر رنگ کی مناسبت سے

نقش لائے ہیں۔

(۳) اس خیال کا دوسرا رخ یہ ہے کہ

ذکر میرا بہ بدی بھی اُسے منظور نہیں غیری بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں

وہاں ابکا ذکر انہیں نا منظور تھا۔ یہاں غیر کے ذکر کا ان کا گلہ ہے۔

(۴) یعنی یہ جو کہتے ہیں کہ ہر درد کی دوا ہے۔ غلط ہے۔ اگر ایسا

ہوتا تو غم الفت کا بھی علاج ہوتا۔ حالانکہ اس کی کوئی دوا نہیں۔

(۵) گویا اپنے آپ ہی منفعل ہو لیتا ہوں۔

(۶) خود آدمی کے داخل و باطن میں خیالات و تصورات کے ہنگامے

موجود ہیں۔ اور خارجی اشکال و صورت کی ضرورت ہی نہیں اس کی خلوت بھی انجمن ہے۔

(۷) "ذاتی ہمت" پستی ہمت۔ یعنی پستی ہمتی شرم کی باعث ہے اور کچھ حاصل نہ ہوتا ہو تو منٹے ہوئے آثار سے عبرت ہی حاصل کرو۔ یعنی اگر بنانے اور سنوارنے اور ایجاد و تعمیر پر قابو نہ ہو تو بگڑنے اور تخریب سے ہی بصیرت پیدا کرو۔

(۸) بیگانگی اور اجنبیت کا ہانہ و راستگی (آزادی) نہیں ہے اگر بیگانگی اور آزادی کا دعویٰ ہے تو اپنے نفس سے بے خبر اور آزاد بننا چاہیے۔

(۹) یعنی عمر کے گزرنے کا غم نہیں جایا کرتا۔ چاہے کیسے ہی اچھے کاموں میں دن کیوں نہ گزرے ہوں۔

(۱۰) "فتنہ شو" کی رعایت سے قیامت گزر جانا استعمال کیا ہے۔

نفس میں ہوں، اگر اچھا بھی نہ جانیں میرے شیون کو
(۱) میرا ہونا بڑا کیا ہے، تو اس سنجان کشش کو

نہیں گر ہمدی آساں، نہو، یہ رشک کیا کم ہے
(۲) نہ دی جاتی غذا یا آزر و سئے دوست دشمن کو

نہ بیکلا آنکھ سے تیری اک آنسو اٹھ جواحت پر
(۳) کیا سینہ میں جس نے خوچکا لڑگان سوزن

خدا شرمائے ہاتھوں کو کہ رکھتے ہیں کشاکش میں
(۴) کبھی میرے گریباں کو، کبھی جاناں کے دامن کو

ابھی ہم قتل گہ کا دیکھنا آسان سمجھ ہیں
(۵)

نہیں دیکھا شناور جوئے خوں میں تیرے تو سن کو

ہوا چرچا، جو میرے پاؤں کی زنجیر بننے کا
(۶) کیا بلیا ب کاں میں جہنیش جو ہر نے آہن کو

خوشی کیا کھیت پر میرے اگر دربارا بر آئے
(۷) سمجھتا ہوں کہ ڈھونڈے ہے ابھی سے برق خرمن کو

وفا داری بشرط استواری اہل ایمان ہے
(۸) مرے بتخانہ میں تو کعبہ میں گھاڑ ویرہن کو

شہادت تھی مری قسمت میں جو دی تھی یہ خوچھ کو
(۹) جہاں تلوار کو دیکھا جھکا دیتا تھا گردن کو

نہ لگتا دن کو تو کب رات کو یوں بے خبر ہوتا
(۱۰) رہا کھٹکا نہ چوری کا ڈعا دیتا ہوں رہزن کو

سخن کیا کہہ نہیں سکتے، کہ جو یا ہوں جوا ہر کے
(۱۱) جگر کیا ہم نہیں رکھتے کہ کھودیں جا کے معدن کو

مرے شاہ سلیمان جاہ سے سبوت نہیں غالب
(۱۲) فریدون و جم و کینسر و داراب و بہمن کو

۱۱) "قفس" قیدِ آلام سے استعارہ ہے۔ اسی رعایت سے خوش
حالان زمانہ نو اسجان گلشن سے تعبیر کیا گیا ہے مطلب ہے
کہ میں تو قیدِ آلام ہوں۔ میرے نالہ و شیون کو اگر وہ
اچھا بھی نہ سمجھیں تاہم میرے وجود سے کیوں نفرت کرتے ہیں۔
میں ان کی خوش حالیوں میں دخل در معقولات کے لئے
آزادی ہی نہیں رکھتا۔

(۲) یعنی اگرچہ رقیب کے لئے معشوق کی ہمدی شکل ہے تاہم میرے لئے یہ رشک کیا کم ہے کہ خود اس کے دل میں محبوب کی آرزو تو موجود ہے۔

(۳) یعنی جس زخم نے سوزن فولاد کو خونفشاں بنا دیا اس پر تیری آنکھ سے ایک اشک ہمدردی نہ نکلا۔

(۵) یعنی چونکہ ہم نے تیرے گھوڑے کو دریائے خون میں تیرے نہیں دیکھا ہے اس لئے قتل گاہ کا دیکھنا ہم آسان بات سمجھ رہے ہیں۔ گھوڑے کے دریائے خون میں تیرے سے معشوق کی قتل عام کی جانب اشارہ ہے۔

(۶) یعنی معدن سے جو ہر آہن کو میری زنجیر بننے کا شوق کھینچ لایا۔
(۷) یعنی ابر کے بار بار آنے سے باران کا یقین نہیں بلکہ یہ گمان ہے کہ پردہ ابر میں برق میرے کھیت کو تلاش کرتی پھرتی ہے۔

(۸) "استواری" استقلال و ثبات۔ یعنی وفا ایسی اعلیٰ صفت ہے کہ اگر برہمن سے بھی سرزد ہو تو اس کا پورا احترام کرنا چاہئے۔

(۹) یعنی میری خلعت و جبلیت میں یہ اہلیت اسی لئے شامل کر دی گئی تھی۔

(۱۰) یعنی اچھا ہٹوا کہ نخت نے یا فلک نے غیش دنیوی مجھ سے چھین لیا اگر ایسا نہ ہوتا تو ترک علائق کی راحت کیسے میسر آتی۔

(۱۱) یعنی ہم کلام ہی کو جو ہر سمجھتے ہیں۔ سنگرمزوں کی تلاش سے دماغی کمال بہتر ہے۔

(۱۲) شہزادے کی طرح ہے۔

دھوتا ہوں جب اپنے کو اُس مین کے پانوؤ (۱)
 رکھتا ہے صدر سے کپڑے کے باہر لگن کے پانوؤ
 دی سادگی سے جان پڑوں کوہ کن کے پانوؤ (۲)
 ہیہات بالیوں نہ ٹوٹ گئے پیرزن کے پانوؤ
 بھاگے تھے ہم بہت سو اسی کی سزا ہے یہ (۳)
 ہو کر اسیر دایتے ہیں راہزن کے پانوؤ
 مرہم کی جستجو میں پھرا ہوں جو دور دور (۴)
 تن سے سوا فگار ہیں اس خستہ تن کے پانوؤ
 اللہ سے ذوقِ دشت نور دی کہ بعد مرگ (۵)
 ہلتے ہیں خود بخود مرے اندر کفن کے پانوؤ
 ہے جوشِ گل بہار میں یاں تک کہ ہر طرف (۶)
 اُڑتے ہوئے اُچھتے ہیں مرغِ چمن کے پانوؤ
 شب کو کسی کے خواب میں آیا نہ ہو کہیں (۷)
 دیکھتے ہیں آج اُس بُتِ نازک بدن کے پانوؤ
 غالب مرے کلام میں کیونکر مزا نہ ہو (۸)
 پیتا ہوں دھوکے خسر و شیریں سخن کے پانوؤ
 (۹) یعنی قوتِ نامیہ ہوا میں دامِ رگ ہاتے گل بھی گشتی ہے۔

واں اُس کو ہوا چل ہے تو یاں میں ہوں شرمنا (۱)
 یعنی کہ میسرِ آہ کی تاثیر سے نہ ہو
 اپنے کو دیکھتا نہیں، ذوقِ ستم تو دیکھ (۲)
 آئینہ تاکہ دیدہ پنچیر سے نہ ہو

(۱) "ہول دل" دل نازک کا ڈرنا مراد ہے۔

(۲) "نچر" تیر میں چھدا ہوا شکار۔ "دیدہ" نچر "آئینہ" اور نگاہ میں

تشبیہ ہے وجہ شبہ انعکاس صورت و اشکال ہے مطلب ہے

کہ اس کے ذوقِ ستم کی یہ کیفیت ہے کہ اپنی صورت

اُس وقت تک نہیں دیکھتا جب تک کہ دیدہ نچر کا آئینہ نہ

بنائے یا جب تک کسی کو اپنے تیر نظر میں نچر نہ کر کے آرائش

جمال نہیں کرتا۔

۱	صدر آہنگ زیں بوس قدم ہے ہم کو	۱	واں پنچر جو غش آتا ہے ہم ہے ہم کو
۲	کس قدر ذوق گرفتاری ہم ہے ہم کو	۲	دل کو میں اور مجھے دل محو و فار کھتا ہے
۳	تیرے کوچہ سے کہاں طاقت ہم ہے ہم کو	۳	ضعف نقش ہے موسیٰ طوق گردن
۴	یہ نگاہ غلط انداز تو ستم ہے ہم کو	۴	جان کر کے تغافل کہ کچھ امید بھی ہو
۵	نالہ مرغ سحر تیغ دودم ہے ہم کو	۵	رشتک ہطرحی و درواثر بانگ حویں
۶	ہنس کے بولے کہ تیرے سر کی قسم ہے ہم کو	۶	سراڑانے کے جو وعدہ کو مکر چاہا
۷	پاس بے رولقی دیدہ اہم ہے ہم کو	۷	دل کے خوں کنٹکی کیا وجہ و لیکن ناچار
۸	ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہم کو	۸	تم وہ نازک کہ خموشی کو فغاں کہتے ہو
۹	ہوس سیر تماشا، سو وہ کم ہے ہم کو	۹	لکھو آنیکا باعث نہیں کھلتا، یعنی
۱۰	عزم سیر تحف و طوف حرم ہے ہم کو	۱۰	مقطع سلسلہ شوق نہیں ہے یہ شہر

لئے جاتی ہے کہیں ایک توقع غالب

جادہ رکشش، کافِ کرم ہے ہم کو

۱۱

(۱) "صدر" سینکڑوں طریقوں سے "آہنگ" ارادہ۔ یعنی وہاں پنچر

جو مجھے بار بار غش آتے ہیں گویا اپنے قدم چومتا ہوں۔ کہ انہوں نے

یہاں تک پہنچا دیا۔ یا اُن کی قدیموسی کا یہاں نہ مل جاتا ہے۔

(۲) مصرعہ ثانی میں ”ہم“ بمعنی غم والہم ہے۔ یعنی دل اور میں، ہم دونوں آپس میں ایک دوسرے کو غیبِ فانی سے کہتے ہیں۔

(۳) ”نقش پئے موڑ چو نیٹ“ کا نقشِ پاتمہ نام شعر میں، مبالغہ اظہارِ ضعف ہے۔

(۴) یعنی جان کر تغافل کیجئے۔ کہ جس سے لگاؤٹ معلوم ہوتی ہے بیگانہ و شنگا ہیں اچھی نہیں۔

(۵) ”ہم طرحی“ ہم آوازی مراد ہے۔ ہم طرحی کے رشک اور غمگینی آواز کے درد و اثر سے تیغِ نالہ کا دودم ہونا ثابت کیا ہے۔

(۶) سر اُڑانے کے وعدہ پر سر کی قسم کھانا کیسی بیجا خستگی ہے۔

(۷) ”اہم“ زیادہ ضروری و مرجح یعنی آنکھیں بغیر اشک ہاتھ خونیں کے بے رونق معلوم ہوتی ہیں۔

(۸) دونوں جانب شدت ہے یعنی وہ تو خاموشی کو فغاں سمجھتے ہیں

اور بات کرنا بھی قیامت ہے۔ اور ہم اس قدر عاجز ہیں کہ تغافل بھی ستم معلوم ہوتا ہے۔

(۱۰) ”مقطع“ خاتمہ۔ ”کششِ کافِ کرم“ سے جادہ راہ کی تشبیہ ہے۔

۱	تم جانو، غیر سے جو تمہیں رسم و راہ ہو	مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گستاہ ہو
۲	بچتے نہیں مواخذہ روزِ حشر سے	قاتل اگر رقیب ہے تو تم کو اہ ہو
۳	کیا وہ بھی بیگناہ کش و ناحق شناس ہیں	مانا کہ تم بشر نہیں خورشیدِ ماہ ہو
۴	ابھر اہوا نقاب میں اُنکے ہے ایک تار	مرتا ہوں میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو
۵	جب میگرد چھٹا، تو پھر آپ کیا جگہ کی قید	مسیر ہو درسم ہو، کوئی خائفانہ ہو

مُسْتَعْتِبِینِ جَوْہِشْت کی تعریف سب در ۶ لیکن خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ

غالب بھی گرنہ ہو، تو کچھ ایسا ضرر نہیں
دُنیا ہو یا رب اور مرا یا دشا ہو

(۱) یعنی کسی نہ کسی عنوان سے آپ سے میرے مظالم کا مواخذہ ضرور ہو گا۔

(۳) یعنی تم یا اعتبارِ حسن کے ہاتھ اب و آفتاب ہو، اور ہم ماسے لیتے ہیں کہ تم بشر نہیں ہو، لیکن کیا خورشید و ماہ بھی بیگناہ اکش او حق ناشناس ہیں، کیونکہ تم میں تو یہ دونوں صفتیں موجود ہیں۔

(۴) تارِ نقاب اور تارِ نگہ میں تشبیہ ہے۔ رشک یہ ہوتا ہے کہ کسی غیر کا تارِ نگہ تو نہیں ہے۔

(۵) سچ ہے جب کعبہ مقصود ہی چھٹ گیا، تو پھر کہیں بھی (ہیں) کوئی امتیازِ مقام باقی نہیں۔

(۶) نعمائے جنت میں سب سے بڑی نعمت دیدارِ الہی ہے۔
”جلوہ گاہ“ سے بھی اُسی کی طرف اشارہ ہے۔ خدا سے خدا کے دیدار کی استدعا دلپذیر ہی بیان ہے۔

۱	کے سے کچھ نہ ہوا پھر کہو، تو کیونکر ہو	گئی وہ بات کہ ہو گفتگو تو کیونکر ہو
۲	کہ گرنہ تو کہاں جاؤں، ہو تو کیونکر ہو	ہمارے ذہن میں اس فکر کا ہے نام وصال
۳	جیسا ہے اور یہی گو گو تو کیونکر ہو	ادب ہے اور یہی کشمکش تو کیا کیجے
۴	بتوں کی ہو اگر ایسی ہی ہو تو کیونکر ہو	تم ہی کہو، کہ گذارہ جنم پرستوں کا
۵	جو تم سے شہر میں ہیں رات کو تو کیونکر ہو	اچھتے ہو تم، اگر دیکھتے ہو آئینہ
۶	وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیونکر ہو	جسے نصیب ہو روزِ سیاہ میرا سا

ہیں پھر آنے امید اور انہیں ہماری قدر ۷
 نہ مانے دیدہ دیدار جو تو کیونکر ہو ۸
 یہ نیش ہو رگ جاں میں فرو تو کیونکر ہو ۹

مجھے جنوں نہیں لب و لہجہ حق
 فراق یار میں تسکین ہو تو کیونکر ہو

(۱) یعنی اب ان سے گفتگو کا ارمان بھی نہ رہا۔ کیونکہ کہنے سے کچھ
 ہوتا ہی نہیں۔ تو پھر کس توقع پر کہا جاتے۔

(۲) یعنی ہم تو اسی کشمکش خیال کو وصال سمجھتے ہیں۔ کہ نہ ہو تو کیا کریں
 اور نہ ہو تو کس طرح ہو۔

(۳) یعنی ہمیں گستاخ دستیوں میں ادب مانع ہے اور انہیں کچھ
 کہتے ہوئے حیا رکھتی ہے۔ دیکھئے آرزو کس طرح نکلے۔

(۴) یعنی اگر سب کے معشوق ایسے ہی نامہربان ہوں جیسے آپ ہیں
 تو کام کس طرح چلے۔

(۵) یعنی تمہیں اپنے عکس کا مقابلہ جمال گوارا نہیں اگر شہر میں دوچار
 آپ جیسے ہوں تو غالباً خونریزیاں ہو جائیں۔

(۶) ”روز سیاہ“ قسمتی سے تاریکی شب کی لفظی توجیہ ہے۔
 (۷) یعنی ہمیں ان سے امید کیونکر ہو اور یہ کس طرح معلوم ہو کہ

انہیں ہماری قدر ہے جب وہ ہماری بات ہی نہ پوچھیں۔
 (۸) یعنی خطرہ دل کی تسلی کا گمان غلط نہ تھا۔ لیکن آنکھیں بھی دیدار

طلب ہیں جن کی تسلی بغیر نظارہ جمال ناممکن ہے۔
 (۹) ”نیش“ نشتر مراد ہے۔ رگ جاں میں فرو ہوتا۔ رگ جاں میں اترنا

یعنی اُس کی ہڑکان دیکھ کر بتاؤ کہ جب ایسا اشتراکِ جاں میں
اُتر جائے تو مجھ کو کیونکر قرار ہو۔

(۱۰) مصرعہ ثانی غالباً یادِ شاہ کا دیا ہوا مصرعہ طرح ہوگا۔

(۱) کسی کو دے کے دل کوئی نواسیج فغاں کیوں ہو
نہو جب دل ہی پہلو میں تو پھر غم میں ہاں کیوں ہو

(۲) وہ اپنی خونہ چھوڑینگے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں
سبک سرینگے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

(۳) کیا غمخوار نے رسوائے آگ اس محبت کو
نہ لا دے تاب جو غم کی وہ میرا زواں کیوں ہو

(۴) وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھیرا
تو پھر لے سنگدل تیرا ہی سنگ آستان کیوں ہو

(۵) قفس میں مجھ سے رودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدِ م
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

(۶) یہ کہہ سکتے ہو ہم دل میں نہیں ہیں پر یہ بتلاؤ
کہ جب دل میں تمہیں تم ہو تو آنکھوں کے نہاں کیوں ہو

(۷) قلم ہے جذبے لکھا شکوہ دیکھو جرم کس کا ہے
نہ کھینچو گرتہ اپنے کو کشاکش درمیاں کیوں ہو

(۸) یہ فتنہ آدمی کی حسنا نہ ویرانی کو کیا کم ہے
ہوئے تم دوست جسکے دشمن اُس کا آسماں کیوں ہو

(۹) یہی ہے آزمانا تو ستانا کس کو کہتے ہیں
عدو کے ہوسے جب تم تو میرا امتحاں کیوں ہو

(۱۰) کہا تم نے کہ کیوں ہو غیر کے ملنے میرا
بجا کہتے ہو، سچ کہتے ہو، پھر کیوں کہ ہاں کیوں ہو

نکالا چاہتا ہے کام، کیا طعنوں سے تو غالب
(۱۱) ترے بے مہر کہنے سے وہ تجھ پر مہرباں کیوں ہو

(۱) ”نوا سنج فغاں“ صدامائے درد یا بیان درد مراد ہے یعنی دل
دے چکنے کے بعد فغاں کیسی؟ اور جب پہلو خالی ہو تو زبان ہی
کیوں باقی رہے۔

(۲) ”سیک سرین کے“ حقیر و ذلیل ہو کر ”سرگراں“ خفت۔
سیک اور گراں میں رعایت لفظی ہے۔ یعنی یہ یقین کہ آن کی
عادت ہی رہے گی، پھر برہمی کا سبب پوچھ کر کیوں نا حق
ذلیل ہوں۔

(۳) یعنی غمخوار کو میرے غم عشق کی تاب نہ ہوئی اور سارے زمانہ میں
تعب و رنج سے میرا واقعہ بیان کرتا پھر اغرض کہ خوب رسوا کیا۔
وہ میرا زرداں ہی کیوں ہو جسے خود غم کی تاب نہ ہو۔

(۴) ”وفا کیسی“ کہاں کا عشق ”یہ معشوق کے کئے ہوئے الفاظ ہیں۔
جن کو استفہاماً دہرایا ہے۔ مطلب ہے کہ آپ جو فرماتے ہیں کہ کیسی وفا
اور کہاں کا عشق تو اگر میں وفادار نہیں ہوں اور مجھے عشق نہیں
ہے بلکہ خواہ مخواہ اور بے وجہ سر پھوڑتا ہوں تو اس میں
آپ ہی کے سنگ آستان کی کیا خصوصیت تھی۔ ہر پتھر اور
ہر دیوار سے سر پھوڑا جاسکتا تھا۔ حضور عالی آپ ہی کے
سنگ آستان سے سر مارا جانا تو اسی کی دلیل ہے کہ مجھے آپ ہی سے

پرٹیتے گر بیمار تو کوئی نہ ہوتا تھا ۱	۲ اور اگر مر جائیے تو تو نہ خواں کوئی نہ ہو
۱۱ شاعر ایک تنہا اور بے کس زندگی کی آرزو کرتا ہے اور خوب کرتا ہے۔	
از ہر تانبہ ذرہ دل و دل ہے آئینہ ۱	طوطی کو شش جہت سے مقابل ہے آئینہ
۱۱ "دل و دل" کے درمیان واؤ عطف ہے۔ "طوطی" استعارہ ہے نظارگی اور دیکھنے والے سے "شش جہت" اطرافِ عالم۔ مطلب ہے کہ ذرہ سے لے کر آفتاب تک جو کچھ ہے دل ہے اور دل گویا آئینہ ہے، تو تمام عالم ایک آئینہ ہے۔ آپ دیکھنے والا جدھر دیکھتا ہے آئینہ مقابل پاتا ہے، اور ہر طرف اپنے ہی آپ کو منعکس پاتا ہے۔	
۱ ہے سبزہ زار ہر درو دیوار غم کدہ	۲ جس کی بہار یہ ہو پھر اسکی خزاں پوچھ
۱۱ گھر میں گھانسن نکل آنا آثار ویرانی میں سے ہے۔ غمگین اپنے گھر سے استعارہ ہے۔ مطلب ہے کہ موسم بہار میں ویرانی کا جب یہ عالم ہے تو خزاں میں نہ معلوم کیا حال ہوگا۔ یعنی جب اچھا موسم ہمارے گھر کے لئے بربادیاں فراہم کرتا ہے تو خدا جانے برے دن کیا کچھ نہ کریں گے۔ ۱۲ یعنی ساتھیوں کی بے حوصلگی یا کم ذوقی سے مجبوراً میکسی کی حسرت اٹھائی جس سے راہ اور بھی دشوار ہو گئی۔	
۱ طاقت کہاں کہ دید کا احساں اٹھائیے	۲ ہے سنگ پر براتِ معاشِ جنونِ عشق

۳	دیوار بار منت مزدور سے ہے خم	۱	اے خانماں خراب نہ احسان اٹھائیے
۲	یا میرے زخم رشک کو رسوا نہ کیجئے	۲	یا پردہ تبسم پہاں اٹھائیے

(۱) "صد جلوہ" بے تعدا و مظاہر فطرت مراد ہیں۔ کہاں تک کوئی دیکھ سکتا ہے۔

(۲) "برات معاش" وثیقہ معاش صطلاح ہے۔ یعنی جنون کا گزارہ پتھروں پر ہے اس لئے لڑکوں کا احسان اٹھانا پڑے گا۔

(۳) یعنی تعمیر ہی باعث تخریب ہے۔ یا منت پذیر ہی فائدہ مند نہیں بلکہ احسان کے بعد احسان احسانندی ہی ایک مصیبت ہے۔

(۴) "رسوا نہ کیجئے" الزام نہ دیجئے مراد ہے یعنی یا مجھ پر زخم رشک کی تہمت نہ رکھئے یا تبسم پہاں کا پردہ اٹھا دیجئے۔ یا اغیار سے پردہ میں ہنسنا بولنا چھوڑ دیجئے۔

۱	بھوں پاس آنکھ قبلہ حاجات چاہئے	۱	مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہئے
۲	آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہئے	۲	عاشق ہوتے ہیں آپ بھی اک اور شخص پر
۳	تقریب کچھ تو ہر ملاقات چاہئے	۳	سیکھے ہیں مہر خوں کے لئے ہم مصوری
۴	اک گو نہ بخودی مجھے نبات چاہئے	۴	مے سے غرض نشاط ہے کس وسیاہ کو
۵	ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہئے	۵	ہے رنگ لالہ و گل و نسریں جدا جدا
۶	روسوئے قبلہ وقت مناجات چاہئے	۶	سریائے خم یہ چاہئے ہنگام بخودی
۷	عارف ہمیشہ مست ذات چاہئے	۷	یعنی بحسب گردش پیمانہ صفات

۸
نشوونما ہے اصل سے غالب فروغ کو
خاموشی ہی سے نکلے ہے جویاں چاہئے

(۱) "قبلہ حاجات" یہ کلمہ ہے جو اپنے سے زیادہ مرتبہ کے لوگوں سے

تنہا طب میں مستعمل ہے۔ یہاں لفظی مناسبت بھی پیدا ہوتی ہے۔ "ابرو" کو محراب سے تشبیہ دیا کرتے ہیں اور "محراب" مسجد سے تعلق رکھتی ہے اس لئے ابرو کو مسجد کہا گیا ہے اور محبوب کی نشیلی آنکھوں کو خرابات (سے خانہ) جو عام طور پر مستعمل ہے۔

(۲) "مکافات" تلافی مطلب ہے کہ جی لگا کر ان کو بھی تنہائی سے واسطہ ہو ہی گیا اور ہم نے اپنی بیکی کا بدلہ اس طرح پایا کہ ان کا حال بھی ہمارا سا ہو گیا۔ یا ہمارا صبر پڑا کہ وہ بھی مبتلائے عشق ہو گئے۔

(۳) "دل حسرت پرست کی داد دے" کچھ حسرتیں پوری کر دے "مافات" گزشتہ۔

(۵) یعنی سرور عیش کے لئے نہیں بلکہ بے خبری اور افکار فراموشی کے لئے یہی مئے نوشی کرتا ہوں۔

(۶ تا ۸) "اصل" جڑ۔ اصطلاحی لفظ ہے۔ "فروع" شاخیں۔ یہ بھی مصطلح لفظ ہے۔ "اثبات" ثابت کرنا۔ "ہنگام بخودی" بخودی کے وقت۔ "پیمانہ" ساغر "مست" مئے وغیرہ رعایتی الفاظ ہیں "عارف" صاحب عرفان "ذات" سے ذات الہی مراد ہے۔ مطلب ہے کہ فروع اصل سے پیدا ہوتی ہیں۔ گفتگو فروع سے۔ خاموشی مبدئہ گفتگو ہے۔ اور خاموشی بھی منتہا ہے امکان عدم ہی سے نشوونما حاصل کرتا ہے۔ یعنی غیب ہی سے ظہور پیدا ہوتا ہے۔ کثرت مظاہر والوں سے تعدد ذات کا دھوکا نہ ہونا

چاہئے۔ یا ذات کا بوجہ غیبیت انکار نہ کرنا چاہئے لالہ و گل
 اور نسروں مظاہر تنوع ہیں اور مختلف الالوان ہیں۔ بہار یا
 نامیہ غیر مرقی اور غیب ہے، تاہم ثابت ہے۔ اور یہ تمام گلکاریاں
 اسی کی ہیں اور یہ مختلف رنگ ایک ہی بہار نے عارض
 کر دیئے ہیں۔ غرض کہ ہر بات اپنے اپنے موقع اور محل سے ہونی
 چاہئے۔ بخودی میں اگر سرپائے خم پر ہو تو مناجات میں
 منہ جانب قبلہ ہونا چاہئے۔ اور اس طرح ہر رنگ اور محل میں
 وحدت خیال مد نظر ہونی چاہئے اور تمام صفات الہی سے
 متصف ہونے کی کوشش کرنی چاہئے۔ مظاہر کی کثرت اور
 بوظہوفی میں وحدت ذات کی حقیقت کو کھونا نہ چاہئے۔

- بساطِ عجز میں تھا، ایک دل یک قطرہ غول بھی
 (۱) سورہتہا ہے بانداز چکیدن سرنگوں وہ بھی
 رہے اس شوخ سے آزرده ہم چنیدے تکلف سے
 (۲) تکلف بر طرف تھا ایک انداز جنوں وہ بھی
 خیالِ مرگ کب کہیں دل آزرده کو بخشے
 (۳) مرے دامِ تمنائیں ہے اک صیدِ زیوں وہ بھی
 نہ کرتا کاشش نالہ مجھ کو کیا معلوم تھا ہمدم
 (۴) کہ ہوگا باعثِ افزائش در دروں وہ بھی
 نہ اتنا برشِ تیغ جفا پر ناز و سراماؤ
 (۵) مرے دریائے بیتابی میں ہے اک موجِ خوں وہ بھی
 (۶) مٹے عشرت کی خواہش ساقی مگردوں کیا کیجے

لئے بیٹھا ہے اک دو چار جام واژگوں وہ بھی
مے دل میں ہے غالب شوق وصل شکوۂ ہجران
خدا وہ دن کرے جو اس سے میں یہ بھی کہوں وہ بھی (۷)

(۱) بساطِ عجز ہستی عاشق مراد ہے۔ "سرنگوں" (سرخ چھکائے ہوئے)
عجز کی رعایت سے استعمال ہوا ہے۔ "چکیدن" ٹپکانا۔ سرنگوں
اور اندازِ چکیدن سے قلبِ انسانی کی صورت وضعی یا ہیئت
تعلیقی کی جانب اشارہ ہے۔ مطلب ہے کہ عاشق کے پاس
ایک دل ہے۔ جو ایک قطرہ خون سے زیادہ حقیقت نہیں کہتا۔
ہمیشہ مائل بہ چکیدن رہتا ہے۔

(۲) "تکلف سے" یعنی محض دکھاتے کے لئے اور اظہارِ خود داری
کے لئے۔ تکلف برطرف رکھاں کا تکلف یا کیسا تکلف (فارسی کا
محاورہ ہے۔

(۳) "صیدِ نبیوں" بد حال شکار۔ یعنی خیالِ مرگ سے دلِ رنجور کی
تسکین کیونکر ہو سکتی ہے۔ میرے دامِ تمنا میں جہاں اور بہت سے
ارمان و حسرت ہیں وہاں شکارِ مردار خیالِ مرگ بھی ہے۔

(۴) "افزائش" زیادتی۔ "دردِ دروں" دردِ پنہاں یا
دردِ دل۔

(۵) "برش" تالیان کی کاٹ۔ "موجِ خوں" سے تیغِ جفا کی تشبیہ ہے
اور نہایت موزوں ہے۔

(۶) "مئےِ عشرت" شرابِ عیش۔ "گردوں" آسمان۔ "جامِ واژگوں"
ساغرِ بدقال! نامبارک۔ ایک۔ ایک دو چار ہیں ہفت آسمان کی

رعایت ملحوظ ہے۔

۱	تنگ آئے ہیں ہم ایسے خوشامد طلبوں سے	۱	ہے بزم بیتاں میں سخن آزرده لبوں سے
۲	یکبار لگا دو خم سے میرے لبوں سے	۲	ہے دور قدح و چہ پریشانی صہبیا
۳	زہار نہ ہونا طرف ان بے ادبوں سے	۳	زہار اور مسکندہ گستاخ ہیں واعظ
۴	ہر چند مری جان کو تھار بٹ لبوں سے	۴	بیدار و فاقہ کھاتی رہے آخر

(۱) یعنی لبوں کی بزم میں سجاوٹ رنج و افسردگی بات کرنی ہی پڑتی ہے ورنہ تہذیب مجلس اور ان کے مزاج کے خلاف ہوتا ہے۔
ان حسنین خوشامد طلب سے تنگ آگئے ہیں۔

(۲) یعنی دورِ ساغر شراب کی پریشانی کا باعث ہوتا ہے۔
ایک دم ہی خم سے میرے لبوں سے لگا دو۔ تاکہ شراب کشاکش اور گردش سے نجات پاتے۔

(۳) ”نہ ہونا طرف“ نہ اونچھٹا۔ یا منہ نہ لگنا مراد ہے۔

(۴) یعنی جان تو پہلے ہی لبوں پر رہتی تھی لیکن وفا کی سختیوں سے جاتی ہی رہی۔

۱	سن جیتے ہیں گو ذکر ہمارا نہیں کرتے	۱	تا، ہم کو شکایت کی بھی باقی نہ ہے جا
۲	وہ سن کے بدلائیں یہ جارا نہیں کرتے	۲	غالب تراحوال سنا دینگے ہم ان کو

(۱) یعنی خود تو ذکر کرتے نہیں البتہ اگر کوئی دوسرا ہمارا ذکر چھیڑ دے تو خاموشی سے سن ضرور دیتے ہیں تاکہ ہم نہ شکایت نہ کر سکیں کہ تمہیں ہم سے نفرت ہے اور ہمارا ذکر تک تم کو ناگوار ہے۔
(۲) ”اجارہ“ دعویٰ مراد ہے۔

۱	وہ جو کہتے تھے ہم اک حسرت کھینچتے	۱	گھر میں تھا کیا کہ تراغم آسے غارت گرا
---	-----------------------------------	---	---------------------------------------

(۱) یعنی گھر میں کچھ تھا ہی نہیں کہ غم عشق برباد کرتا۔ بلکہ گھر بنانے کی حسرت تھی تو وہ بدستور ہے۔ اسی مضمون کا ایک شعر اس سے پہلے گزر چکا ہے۔

ہوا ہوں عشق کی غارتگری سے شرمندہ
سوائے حسرت تعمیر گھر میں خاک نہیں

غم دنیا سے گر پائی بھی فرصت سر اٹھانے کی
فلک کا دیکھنا تقریب تیرے یاد آنے کی (۱)

کھلے گھاس طرح مضمون مرے مکتوب کا یار پ
(۲) قسم کھاتی ہے اس کا کرنے کا غز کے جلاسنے کی

پٹنا پر تیاں میں شعبدہ آتش کا آساں ہے
دلے مشکل ہے حکمت دل میں سوز غم چھپانے کی (۳)

انہیں منظور اپنے زخموں کا دیکھ آنا تھا
(۳) اٹھتے تھے سپرگل کو دیکھنا شوخی بہانے کی

ہماری سادگی تھی الفتاتِ ناز پر مرنا
(۵) ہر آتا نہ تھا ظالم مگر تہمت دہانے کی

لکڑ کو برباد حادثہ کا تحمل کر نہیں سکتی
(۶) مری طاقت کہ ضامن تھی تو نکلے ناز اٹھانے کی

کہوں کیا خوبی اوضاعِ ابنائے زباں غالب
(۷) بدی کی اس نے جس سے ہمنے کی تھی یار مانیکی

(۱) یعنی یا تو غم روزگار سے سر اٹھانے کی مہلت ہی نہیں ملتی
اگر سر اٹھتا بھی ہے تو مجھے یاد کر کے یاں بھری نگاہوں سے

فلک کو دیکھ لیتے ہیں۔

(۲) یعنی کاغذ جلاتے ہیں تو پڑزہ پڑزہ کر کے جلاتے ہیں اس بہانہ سے لفاظی کھلنے اور کسی لفظ پر نظر پڑ جائے کی توقع تھی وہ بھی ان کی قسم جاتی رہی۔

(۳) ”پرنیاں“ حریر ایک ریشمی کپڑے کا نام ہے بہت ممکن ہے کہ حریر میں آگ لپٹی جاسکے اور کپڑے کو جلا کر آگ باہر نہ نکل سکے لیکن یہ ممکن ہے کہ دل میں سوز غم عشق ہو اور چھپ چھپ کر (۴) بہانہ کی شوخی یہی کہ بسحوں اور محروحوں کو دیکھنے کو سیر گلستاں سے تعبیر کیا۔

(۵) ”لکڑ کو ب“ ٹھوکر اور ضرب ”ضامن“ مدعی مراد ہے یعنی وہ طاقت جوتوں کی ناز برداری کی مدعی تھی آپ حوادث روزگار کی معمولی ٹھوکیں برداشت نہیں کر سکتی۔

(۶) ”اوضاع“ اطوار۔ ”ابتداء سے زماں اہل زمانہ یعنی اہل زمانہ کے وضع و طریق کی خوبی کیا بیان کروں۔ ہمارے ساتھ بارگاہ اس شخص نے ہرات کی ہے جس کے ساتھ ہم ہمیشہ شہنشاہی کرتے رہے۔

حاصل سے لکھ دھو بیٹھ اسے آرزو خرامی
(۱) جس پوش گریہ میں ہے ڈوبی ہوئی اسامی

اس شمع کی طرح سے جس کو کوئی بجھا دے
(۲) میں بھی چلے ہوؤں میں ہوں داغ تا تماشائی

(۱) ”آرزو خرامی“ آرزو مند نہ جستجو۔ حال، واسامی رعایتی الفاظ
ہیں۔ ”حال“ پیداوار، محسوس۔ ”ڈوبی ہوئی اسامی“ وہ مالکدار جو

محصول ادا نہ کر سکے مطلب ہے کہ آرزو مندانہ محبت میں
نفع کچھ بھی نہیں۔ اس اسامی دل کو خوش گریہ ہی نے ڈبو دیا ہے
(حالانکہ بارش پیداوار کے لئے مفید ہوا کرتی ہے)

(۲) بجھائی ہوئی شمع پر جلنے کا نشان (دارغ) رہ جاتا ہے اور
جلاتے ہی بجھا دینا گویا جلنا نا تمام کر دینا ہے۔ "جلے ہوؤں" کا
استعارہ ان لوگوں سے ہے جو آتش عشق میں جل کر فنا ہو چکے
ہیں۔ مطلب ہے کہ آتش عشق سے جل کر بجھ گیا ہوں اچھی طرح
جل بھی نہ سکا۔ کہ مرتبہ فنا کو پہنچ جاتا۔ اور یہ دارغ ناکامی
رہ گیا۔ میری مثال اس شمع کی سی ہے جس کو کوئی جلا کر
بجھا دے۔

۱	جس میں کہ ایک بیضہ مور آسمان ہے	کیا تنگ ہم ستم زدگان کا جہان ہے
۲	پرتو سے آفتاب کے تترے میں جان ہے	ہے کائنات کو حرکت دینے ذوق سے
۳	خافل کو میسے شیشے پر سینے کا گراں ہے	حالانکہ ہے یہ سیمی خارا سے لالہ رنگ
۴	آئے نہ کیوں پسند کہ ٹھنڈا مکان ہے	کی اس نے گرم سینہ اہل ہوس میں جا
۵	بس چپ ہو ہمارے بھی منہ میں بان ہے	کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا
۶	فرمانروائے کشور ہندوستان ہے	بیٹھا ہے جو کہ سایہ دیوار یار میں
۷	کس سے کہوں کہ دارغ جگر کا نشان ہے	ہستی کا اعتبار بھی غم نے مٹا دیا

ہے بارے اعتماد و قادی اس قدر
غالب ہم سہیں خوش ہیں کہ ناہر بان ہے

۸

(۱) "جہاں تنگ ہونا" بد قسمتی اور بد بختی کے معنوں میں آتا ہے۔
"بیضہ مور" چوٹی کا انڈیا یعنی ہم ستم زدوں کا جہان اس قدر

تنگ ہو گیا ہے کہ آسمان بیضہ مور معلوم ہوتا ہے۔ یا ہم اس قدر
مجبور ہیں کہ چوٹی کا انداز جیسی حقیر ترین شے ہماری دنیا کے لئے
آسمان ہے اور ہمارے ستارے کے لئے بس ہے۔

(۲) "پیرے" کا اشارہ ذات یاری تعالیٰ کی جانب ہے دوسرا
مصرعہ تمثیلی ہے۔

(۳) "شیشہ" دل سے اور "مے" خون دل سے استعارہ ہے "خارا"
(پتھر) سے سنگ تفرقہ و پھر مراد ہے "سیلی" تھپڑ پہاں بمعنی
ضرب "لالہ رنگ" سرخ رنگ یا خون نشاں "فاحشل" حسن
بے مروت یا کج نظر مطلب ہے کہ یہ خون نشاں سنگ تفرقہ سے
پیدا ہو گئی ہے۔ اور حسن بے پروا کو یہ گمان ہے کہ میرے
دل میں خون موجود ہے۔

(۴) "ٹھنڈا مکان" اس دل سے استعارہ ہے جس میں سوزِ آفت
نہ ہو۔ یہ محبوب پر طنز ہے، یعنی ہوس کی سرگرمی سوزِ عشق کے
بالمقابل سرد ہے۔ گویا ان کا دل ٹھنڈا مکان ہے اور سرد
مکان کو گرمی میں پسند کرتے ہیں۔ اس طرح یہ محبوب پر طنز کیا ہے
کہ ٹھنڈا مکان پسند ہے۔

(۵) یعنی جس چیز کو سایہ دیواریاں میں بیٹھنے کو جگہ مل گئی گویا وہ
بادشاہ ہند ہو گیا۔

(۶) یعنی اب اگر کسی سے کہوں کہ جگر کا نشان داغ ہے تو کس کو
یقین آئے گا۔ گویا شدتِ غم سے اپنے وجود کا اعتبار بھی نہ رہا۔

(۸) یعنی اُن کی نامہربانی اس بنا پر ہے کہ انہیں ہم پر بھروسہ

ہو گیا ہے کہ ہم ہر حال وفادار رہیں گے۔

(۱) دروے میرے ہے تجھ کو بیقراری ہائے ہائے
کیا ہوئی ظالم تری غفلت شعاری ہائے ہائے

(۲) تیرے دل میں گرنہ تھا آشوبِ غم کا حوصلہ
تو نے پھر کیوں کی تھی میری غمگساری ہائے ہائے

(۳) کیوں مری غنوارگی کا تجھ کو آیا تھا خیال
دشمنی اپنی تھی میری دوستداری ہائے ہائے

(۴) عمر بھر کا تو نے پیمانِ وفا یا نہ دھا تو کیا
عمر کو بھی تو نہیں ہے پائنداری ہائے ہائے

(۵) زہر لگتی ہے مجھے آب و ہوا سے زندگی
یعنی تجھ سے تھی اسے ناسازگاری ہائے ہائے

(۶) گلفشانی ہائے نازِ جلوہ کو کیا ہو گیا
خاک پر ہوتی ہے تیری لالہ کاری ہائے ہائے

(۷) شرمِ رسوائی سے جا چھپتا تھا بجا خاک میں
ختم ہے الفت کی تجھ پر پردہ داری ہائے ہائے

(۸) خاک میں ناموسِ پیمانِ محبتِ بل گئے
اٹھ گئی دنیا سے راہ و رسمِ یاری ہائے ہائے

(۹) ہاتھ بھی تیغِ آزما کا کام سے جاتا رہا
دل پہ اک لگنے نہ پایا زخمِ کاری ہائے ہائے

(۱۰) کس طرح کاٹے کوئی شب ہائے تاریکِ شکار
ہے نظر خود کردہ اخترِ شماری ہائے ہائے

گوش مجھ پر پیام چشم محروم جمال
ایک دل تسپر یہ نا امید داری ہائے مائے (۱۱)
عشق نے پکڑا نہ تھا غالب ابھی الفت کا رنگ
(۱۲) رہ گیا تھا دل میں جو کچھ ذوق خواری ہائے مائے

(۱۳) عاشق کا مرتبہ ہے جو شاید ان کے دردِ عشق میں
ہلاک ہو گیا۔

(۱۴) یعنی تو نے تو عمر بھر کے لئے عہد وفا کیا لیکن عمر ہی کو
وفا نہ ہو تو کوئی کیا کرے۔

(۱۵) "ناسازگاری" ناموافقیت۔ بیوفائی۔ یعنی چونکہ زندگی نے
تجھ سے بیوفائی کی اس لئے مجھے زندگی سے نفرت ہو گئی ہے۔
(۱۶) یعنی ناز جلوہ کی گل فشانیوں کو کیا ہو گیا کہ اب خاک پر یا تہ خاک
تیری لالہ کاریاں ہو رہی ہیں۔

(۱۷) یعنی یہ پردہ داری محبت سے ہے۔

(۱۸) "ناموس" راز۔

(۱۹) یعنی پورا زخمِ عشق میرے دل پر لگنے بھی نہ پایا کہ وہ کام تمام
کرنے والا ہاتھ ہی نہ رہا۔

(۲۰) "برشکال" برسات یعنی برسات کی راتیں کس طرح کٹیں گی کیونکہ
ہمیں تو اختر شماری میں شب ہائے ہجر کاٹنے کی عادت تھی۔

(۲۱) "مجوڑ" بھراں زدہ یا دور یعنی کان پیغامِ شوق سے اور آنکھ دیدار
سے محروم ہیں۔ ایک دل اور اس پر ایسی ایسی مایوسیاں۔

(۲۲) دل میں جو ذوقِ رسوائی و خواری تھا دیووں ہی رہ گیا۔ کیونکہ

ابھی آفت عشق کے درجہ تک نہ پہنچی تھی۔

۱	تسکین کو دے نوید کہ مرثیہ کی آس ہے	۱	گشتگی میں عالم ہستی سے پاس ہے
۲	ایتکادہ جانتا ہے کہ میرے ہی پاس ہے	۲	لیتا نہیں میرے دل آوارہ کی خبر
۳	ہر مومن کے بدن پہ زبان سپاس ہے	۳	کچھ بیاں سرور پہ غم کہاں تلک
۴	ہر چند اس کے پاس لی تھی شناس ہے	۴	ہے وہ غرور حسن سے بیگانہ وفا
۵	اس بلغی مزاج کو گر ہی پاس ہے	۵	پی جس قدر شب ہتاب میں شراب

ہر اک مکان کو ہے کین سے شرف آس
مجنوں جو مر گیا ہے تو جنگل آس ہے

۶

(۱) "گشتگی" جنوں یعنی جوش جنوں سے زندگی کی امید نہیں بلکہ
مرنے کی توقع ہے۔ تسکین کو مبارک باد کہنا چاہتے۔ کیونکہ
مرنے پر سکون میسر آجائے گا۔

(۲) یعنی میرے دل آوارہ کی خبر نہیں لیتا اس کو یہ اطمینان ہے
کہ دل میرے پاس ہو گا جب چاہیں گے لے لیں گے حالانکہ یہاں
دل کا نشان تک باقی نہیں۔

(۳) "سپاس" تعریف و تمجید شعر میں اظہار ایدادوستی ہے۔

(۴) یعنی اگرچہ وہ عشاق کو مستحقِ کرم جانتا ہے لیکن غرور حسن
مانع و فاسد ہے۔

(۵) شب ماہ کو بلغی مزاج سے تعبیر کیا ہے۔ "راس" موافق۔

۱	خوش ہوں کہ میری بات سمجھنا محال ہے	۱	گر خامشی سے فائدہ اٹھائے حال ہے
۲	دل فرو جمع و خراج زبان کاٹے لال ہے	۲	کس کو سناؤں حسرت اظہار کا جگہ
۳	رحمت کہ عذر خواہ لب بے سوال ہے	۳	کس پردہ میں ہے آئینہ پر واز لے خدا

۴	ہے ہے خدا نخواستہ وہ اور دشمنی	۴	اسے شوق منفعلی یہ تجھے کیا خیال ہے
۵	مشکیں لباس کعبہ علی کے قدم سے جان	۵	ناف زین ہے نہ کہ ناف غزال ہے
۶	وحشت پہ میری عرضہ آفاق تنگ تھا	۶	دریا زین کو عرق انفعال ہے
ہستی کے منت فریب میں آجایتوانسد		عالم تمام حلقہ دایم خیال ہے	

(۱) اگر خاموشی کا مقصد یہ ہے کہ راز اور حال دل پوشیدہ رہے تو میری باتیں بھی ایسی خاموشی سے کم نہیں کیونکہ ان کا مطلب ہی کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

ہر گوش سخن شنوا کچھ دل تو نہیں ہوتا
مطلب کوئی کیا سمجھے وارفتہ بیانی کا (سہا)

(۲) پیر گوئی کو زبان لال ہونے سے تعبیر کرتے ہیں۔ یعنی حسرتِ اظہارِ شوق کا گلہ کس کو سناؤں دل میں بیشمار گہائیاں مضمر ہیں۔

(۳) آئینہ پرداز "آرایش کرنے والا مراد ہے۔" لب بے سوال "استعارہ ہے انسان مجبور سے اور یہ عالم جبر کی باتیں ہیں۔ آدمی بے اختیار ہے۔ مختار صرف خدا ہے۔ تاہم رحمت کی طلب سے شاعر نے ادبِ عبدیت کو قائم رکھا ہے۔ مطلب ہے کہ اسے خدا انسان مجبور بنانے کا حال (لب بے سوال) عذر خواہ ہے۔ اس وقت رحمت کس آئینہ خانہ میں آرایش کر رہی ہے۔ اگر آئینہ پردازی سے جلوہ نہائی مراد ہے تو معنی یہ ہونگے کہ اسے خدا تیری رحمت کہاں ہے جو ہنگامِ معاصی خود بخود بلا سوال ہمیں اپنا جلوہ دکھا دیتی تھی۔ یعنی جس کے

بھروسہ پر گناہ کی ہمت ہوتی تھی۔

(۴) ”اے شوق منقل“ کے بعد ”ہو“ مقدر ہے۔ یعنی اے شوق
تجھے شرمانا چاہئے یہ کیا خیال ہے کہ وہ تجھے پاٹمال کر کے
دشمن سے مل گئے ہیں۔

(۵) ”مشکین“ مشک رنگ سیاہ۔ ”نافہ و غزال“ سب عایات ہیں
حضرت علیؑ کے قدم مبارک کی عظمت بیان کی ہے۔

(۶) ”عرصہ آفاق“ میدانِ عالم یعنی میری وحشت کے بالفتاہل
وستِ ارض تنگ ہے۔ اور زمین کو اپنی اس تنگی پر شرمندگی ہے۔
چنانچہ اسی شرم و انفعال کا عرق سمندر ہے۔

(۷) یعنی ہستی کے فریب میں نہ آنا۔ سارا جہان دایم خیال کا حلقہ ہے
یا اس عالمِ اعتباری میں قیام و دوام کا وہم نہ رکھنا اصل میں
یہ شعر مشہور فلسفی برککے کے نظریہ خیال پر مشتمل ہے جو وجود
خارجی کا فائدہ اٹل نہیں ہے اور کائنات کو خیالی و ذہنی کی
صورت آفرینیوں اور ہنگامہ فرمایوں پر محمول کرتا ہے۔
اس قسم کے اشعار حقیقتاً بڑے پایہ کے اشعار ہوتے ہیں
جو حقائق علمی سے مطابقت رکھتے ہیں۔ بالکل ایسے ہی مضمون کا
ایک شعر یہ ہے:-

جز نام نہیں صورتِ عالم مجھے منظور
جز وہم نہیں ہستی اشیاء مرے آگے (غالب)

تم اپنے شکوہ کی باتیں کھود کھود کے پوچھو	۱	حذر کرو مے دل سے کہ اس میں آگ لگی ہے
دلایہ رد و الم بھی تو مغتہم ہے کہ آخر	۲	نہ گریہ سحری ہے نہ آہ نیم شبی ہے

(۱) شکوہ و شکایت کو دینی ہوتی آگ سے تعبیر کیا ہے رکھو دکھو د
کے پوچھنا محاورہ ہے یعنی بار بار اور تلاش و کاوش سے پوچھنا۔
”خذر کرو“ پر ہمیز کرو۔ ایسا نہ کرو۔

(۲) ”آخر“ کا لفظ بہت بلیغ ہے یعنی آخر کار ایک دن ہی درد و الم
جان لے لیں گے۔ نہ گریہ سحر باقی رہیگا اور نہ آہ نیم شبی۔

ایک جا حرفِ وفا لکھا تھا وہ بھی برٹ گیا
(۱) ظاہر اکا غذ ترے خط کا غلط بردار ہے

جی جلدی ذوقِ فنا کی ناتمائی پر نہ کیوں

ہم نہیں جلتے نفس ہر چند آتش بار ہے

آگ سے پانی میں بجھتے وقت اٹھتی ہے صدا
(۲) ہر کوئی در ماندگی میں نالے سے ناچار ہے

ہے وہی بدستی ہر ذرہ کا خود عذر خواہ

جس کے جلوہ میں زمیں تا آسمان سرشار ہے

مجھ سے مت کہہ تو ہمیں کہتا تھا اپنی زندگی
(۳) زندگی سے بھی میرا جی ان دلوں میں رہا ہے

آنکھ کی تصویر سب زنامہ پر کھینچی ہے۔ کہ تا

تجھ پہ کھل جاوے کہ اس کو حسرت بیدار ہے

(۴) ”غلط بردار“ اس آلہ کو کہتے ہیں جس سے حرف غلط مٹایا جاتا ہے۔

(۵) یعنی نفس آتشبار ہونے پر بھی ہمیں چھوٹک نہیں دیتا۔

اسی ناتمائی ذوقِ فنا پر جی جلتا ہے۔ اسی کے ہم معنی اس سے

پہلے یہ شعر گزر چکا ہے۔

جلتا ہے دل کہ کیوں ہم اکبا جل گئے
 اے نا تماچی نفسِ شعلہ بار حیف
 (۳) ”درماندگی“ مصیبت ”نالہ سے ناچار ہے“ یعنی نالہ کرنے
 کے لئے مجبور ہے۔

(۴) ”ذره“ جلوہ کی رعایت سے محاورۃ استعمال کیا ہے۔ ذرہ
 ذرہ سے تمام کائنات مفہوم ہے۔ جیسے زمین تا آسمان سے
 سارا جہان مراد ہے۔ جلوہ کا مفہوم جمال ہے یہ صفت الہی
 رحمت و کرم اور احسان وغیرہ پر مشتمل ہے۔ ”سرشار“
 معمور۔ مستی کی رعایت سے استعمال کیا گیا ہے یعنی ذرہ ذرہ
 کی بے عنوانی سیاہ کاری و بد قسمتی کا عذر خواہ اور عذر پذیر بھی
 وہی ہے جس کے جلوہ جمال اور انوار رحمت و کرم سے سارا
 جہان معمور ہے۔

(۵) یعنی مجھ سے یہ نہ کہو کہ میں تم کو اپنی زندگی یا باعزت زندگی
 کہا کرتا تھا۔ کیونکہ مجھ کو ثواب اپنی جان بھی عزیز نہیں رہی۔
 زندگی سے بیزار ہو گیا ہوں۔ اب اس کے کہنے میں آپ سے
 نفرت کا احتمال ہوگا۔ یا اب اگر تم کو اپنی زندگی کہوں تو کوئی
 تعریف یا خوبی نہیں۔

پیس ہیں گذرتے ہیں جو کوچے سے مرے دم | کندھا بھی کہا روں کو بدلنے نہیں دیتے

میری ہستی فضائے حیرت آبادِ ممتا ہے

(۱)

جسے کہتے ہیں نالہ۔ وہ اسی عالم کا اعتقاد ہے

(۲) خزاں کیا فصل گل کہتے ہیں کس کو۔ کوئی موسم ہو

وہی ہم ہیں قفس ہے اور ماتم بال و پر کا ہے

وفا ہے دلبران ہے اتفاقی۔ ورنہ اسے ہمدم
(۳) اثر فریادِ دل ہائے حزیں کا کس نے دیکھا ہے

نہ لائے شوخی اندیشہ تاب زنج نو میدی
(۴) کفِ افسوس ملنا عہدِ تجدیدِ تمنا ہے

(۱) "قضا" ماحولِ حیرت آباد "یکسر حیرت"۔ "تمنا" سے عشق مراد ہے۔ "عنتا" بمعنی معدوم۔ حیرت کا خاصہ ہے کہ حواس و حرکات میں سکوت و تعطل طاری ہو جاتے ہیں۔ اسی حواس و حرکات کے تعطل کو عدم سے تعبیر کیا ہے۔ پس یقیناً اس عدم کے اقتضا سے نالہ بھی عنتا یعنی معدوم ہونا چاہئے۔ یعنی میری ہستی عشق کے عالم حیرت کی فضا ہے۔ اور عنتا اس فضا کا نالہ ہے۔

(۲) "شوخی اندیشہ" خیال کی شوخی اور رنگینی۔ "عہدِ تجدیدِ تمنا" از سر نو تمنا کرنے کا عہد یعنی شوخی خیال سے ناامیدی کا رنج برداشت نہ ہو سکا۔ یا رنگینی خیال کو یا یوسی گوارا نہ ہوتی اور کفِ افسوس ملنے ہی سے عہدِ تجدیدِ تمنا ظاہر ہونے لگا۔

رحم کر ظالم کہ کیا بود چراغ کشتہ ہے
(۱) نبضِ بیمارِ وفاد و چراغ کشتہ ہے

دل لگی کی آرزو بے چین رکھتی ہے ہمیں
(۲) ورنہ یاں بے رونقی۔ سو چراغ کشتہ ہے

(۱) "بود" ہستی۔ دم۔ طاقت۔ بساط وغیرہ۔ "روح" جان کی

حقیقت نور ہے۔ چراغ بھی نورانیت میں مشترک ہے چنانچہ چراغ زندگی سے عام طور پر روح کو تعبیر کیا جاتا ہے یہاں بھی چراغ سے جان یا ہستی مراد ہے۔ ”کشتہ“ شاعری کے مصطلح الفاظ میں سے ہے جس کے معنی عاشق کے ہوتے ہیں۔ مصرعہ ثانی میں چراغ کشتہ۔ اصل معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی بجھا ہوا چراغ۔ ”دود“ وہ دھواں مقصود ہے جو چراغ بجھاتے وقت نکلتا ہے۔ اس دھوئیں کی حرکت خفیف غیر متواتر۔ اور غیر مسلسل ہوتی ہے۔ اور تھوڑی ہی دیر میں یہ دھواں ختم ہو جاتا ہے اور حرکت وغیرہ سب فنا ہو جاتی ہیں۔ اس حرکت سے بیماروں کی حرکت نبض کی تشبیہ دی ہے اور نبض کی ایسی حرکت بیمار کے آخری وقت کی دلیل ہے اس نبض کو اصطلاح طب میں دودی کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ دود عربی سے ماخوذ ہے۔ عربی میں چھوٹے ریگنے والے کیڑوں کو دود کہتے ہیں۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ مرنے والے کی نبض حرکت میں کیڑوں کے ریگنے سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے۔ یا دود چراغ کشتہ ہے کیا بلحاظ حرکت اور کیا بلحاظ حالت و انجام دود چراغ کشتہ کی تشبیہ کیڑے کے ریگنے کے مقیاس سے زیادہ اس تشبیہ اور مکمل ہے۔ اور یہ شاعر کی عظیم المثال صحت نظر ہے۔ کہ وہ شعر میں ایسی کامل تشبیہ دی ہے جو ارباب فن صدیوں کی مشق و نظر میں ہم نہ پہنچ سکے ہوں۔

(۲) دل لگی۔ محبت۔ ”بیچین رکھتی ہے“ یعنی ہنگامہ پرور رکھتی ہے۔

”یاں ہمارے لئے کے معنی میں استعمال ہوا ہے ”سود“ فائدہ
 سمجھے ہوئے چراغ پر بے رونقی برستی ہے۔ لیکن یہ بے رونقی
 کچھ چراغ کے لئے مفید ہے کہ جلنے سے بچا ہوا ہے مطلب
 ہے کہ محبت کی آرزو سے ہم میں چل چل پھلتی رہتی ہے۔
 لیکن یہ چل چل اور ہنگامہ آرائی ہمارے لئے
 مفید نہیں بلکہ چراغ کشتہ کی طرح ہمارے لئے یہی
 بے رونقی و افسردگی مفید ہے کہ سوز غم سے جلنے میں کچھ
 آرام نہیں بلکہ بے چینی ہی رہتی ہے۔

چشمِ خواباں۔ خاموشی میں نوا پر آواز ہے	۱	سرِ سر تو کھوئے کہ دو شعلہ آواز ہے
پیکرِ عشاق سازِ طالعِ ناساز ہے	۲	نالہ گویا گردشِ سیارہ کی آواز ہے
دستِ گاہ دیدہ خوباں بخون دیکھنا	۳	یک بیاباں جلوہ گل فرشِ پا انداز ہے

(۱) ”نوا پر واز“ سخن پر واز۔ گویا آنکھوں کے عشوے اور غم سے
 گویا تھی ہیں۔ آواز یا اعتبار پر واز حرکتاً شعلہ مشابہ ہے پھر
 حسینوں کی مخمور اور شرابی آنکھوں کو بھی شعلہ سے مشابہت ہے۔
 شعلہ آواز کی ترکیب نہایت اعلیٰ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ
 حسینوں کی آنکھیں خاموشی میں عشوہ و اشارات سے گویا ہوا
 کرتی ہیں اور سرِ سر کو اسی گویا تھی کے شعلہ کا دھواں سمجھنا چاہئے۔
 (۲) ”پیکرِ عشاق“ عاشقوں کا جسم یا وجود ”ساز“ باجہ ”طالعِ ناساز“
 بد نصیبی۔ گردشِ سیارہ بھی طالعِ ناساز کے مراد ہے۔ اور
 اردو میں بھی یہ محاورہ بانوس ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عاشقوں کا
 وجود ایک سازِ بد نصیبی ہے اور نالہ گردشِ سیارہ کی آواز ہے

یا ساز بد نصیبی کا نغمہ ہے۔

(۳) ”دست گاہ“ کمال ”دیدہ تونبار“ چشم خون نقشاں ”جلوہ گل“
 رنگ خون کی تشبیہ ہے ”فرش پا انداز“ وہ فرش جس پر
 آمد و رفت ہو یعنی مجنوں کی چشم خون نقشاں کا کمال تو دیکھو کہ
 سائے بیابان میں جلوہ گل کا فرش معلوم ہوتا ہے۔

۱	عشق مجھ کو نہیں وحشت ہی سی	میری وحشت تری شہرت ہی سی
۲	قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے	کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سی
۳	میرے معنے میں ہے کیا رسوائی	اے وہ مجلس نہیں خلوت ہی سی
۴	ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے	غیر کو تجھ سے محبت ہی سی
۵	اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو	آگہی گر نہیں غفلت ہی سی
۶	عمر ہر چند کہ ہے برق خرام	دل کے خوں کوئی فرصت ہی سی
۷	ہم کوئی ترک وفا کرتے ہیں	نہ سہی عشق مصیبت ہی سی
۸	کچھ تو دے اے فلک انصاف	آہ و فریاد کی رخصت ہی سی
۹	ہم بھی تسلیم کی خوڈا لیں گے	بے نیازی تری عادت ہی سی

یار سے چھپر چلی جائے اسد

گر نہیں وصال تو حسرت ہی سی

(۱) یعنی دیوانگی ہی سی۔ میرے عشق سے آپا کی شہرت تو ہے۔

(۲) اسی مشہور شاعر کا شعر پہلے گزر چکا ہے۔

وارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں ہو

کیجئے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں ہو

(۳) ”رسوائی“ بمعنی افشائے راز۔

(۴) یعنی خیر آپ ہی سچے ہیں کہ غیر کو آپ سے محبت ہے مگر یہ کہتے کہ ہمیں اپنے ساتھ دشمنی ہے کہ تم سے محبت نہیں رکھتے کیونکہ زندگی تو تم سے وابستہ ہے۔ پھر بھی اگر تم سے محبت نہ ہو تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ہمیں اپنی جان اور اپنے آپ سے دشمنی ہے۔ اس سے قبل تقریباً اسی مفہوم کا شعر گزر چکا ہے :-

کیونکہ اس محبت سے رکھوں جان عزیز کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز
(۵) عرفان و سلوک کی تعلیم کے واقعی صرف یہی دو طریقے اور اصول ہیں۔ یعنی یا اپنے نفس کا علم یا نفس و نفسانیت فراموشی جن کو استاد نے آگے اور غفلت کے الفاظ میں بیان کیا ہے اور پہلے مصرعہ میں جو کہا ہے کہ اپنی ہستی ہی سے ہوتا ہے۔ سچ کہا ہے یہ شعر پورے کلیہ عرفان کی وسعت و بلاغت رکھتا ہے یعنی یا اپنے نفس کو پہچان لو یا اس سے قطع نظر کر لو۔

(۶) یعنی عمر اگرچہ جلد گزر جانے میں برق خرام ہے لیکن اتنی تہمت بھی دل خون ہو جانے کے لئے کافی ہے۔
(۷) یعنی ترک و فانا ممکن ہے عشق کا کوئی نتیجہ موافق نکلے یا نہ نکلے مصیبت ہی سہی۔

(۸) "رخصت" اجازت یعنی فریاد ہی دل کھول کر لینے دے۔
(۹) غرض کہ شکوہ اور گلہ نہ کریں گے دشمن ادبی اعجاز کے مرتبہ تک پہنچ گیا ہے)

(۱۰) کیونکہ آخر زندگی کے لئے کوئی نہ کوئی شغل چاہئے۔

۱	ہے آرمیدگی میں نگو ہش نہ بچا مجھے	صبح وطن ہے خندہ دندان نما مجھے
۲	ٹھونڈے سے اس مفتی آتش نفس کو جی	جس کی صدا ہو جلوہ برق فنا مجھے
۳	مستانہ طے کروں رہ وادی خیال	تا باز گشت سے نہ رہے مارعا مجھے
۴	کرتا ہے پس کہ بلغ میں تو بے حجابیاں	آنے لگی ہے نکرت گل سے حیا مجھے
۵	کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ	شعروں کا انتخاب نے رسوا کیا مجھے

(۱) "آرمیدگی" آرام طلبی۔ "نکو ہش" ملامت۔ صبح کو خندہ سے تشبیہ کرتے ہیں۔ یہاں نگو ہش کے ثبوت کے خندہ دندان نما مفتی کہ یا خندہ متحیر و ملامت لکھا ہے۔ مطلب ہے کہ آرام طلبی میں واقعی مجھے ملامت کرنا چاہئے۔ کیونکہ میں تو بیاباں نوردی اور غربت کے لئے پیدا ہوا ہوں۔ پس ہر صبح وطن میرے لئے خندہ ملامت ہے۔

(۲) "مفتی" گائیو والا۔ "آتش نفس" سوز و گداز کی طرف اشارہ ہے۔ جلوہ برق فنا۔ نظارہ برق فنا۔ یا نظارہ مرتبہ فنا فی الذات مفہوم ہے۔ یعنی ایسے پر سوز و گداز مفتی کی آرزو ہے جس کے ہر نفس آتش میں جلوہ برق فنا نظر آنے لگے۔

(۳) "مستانہ" بے خودی یا بے خبری کے ساتھ یا عالم فراموشی کے ساتھ۔ "باز گشت" واپسی یعنی خیالستان یا عالم خیال میں مستانہ گزرتا ہوں۔ تاکہ واپسی سے سروکار نہ رہے اور ترقی کے بعد رو بہ منزل نہ ہوں۔

(۴) یعنی مجھے انفعال ہے کہ تو کہاں بے حجابیاں کرتا ہے۔

(۵) یعنی میرے اشعار کا انتخاب ہونے لگا اور ان اشعار میں میری

داستان عشق مضر تھی۔

زندگی اپنی جیساں شکل سے گذری غالب | ۱ | اہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

(۱) اُس شکل سے "اس انداز سے اس حال سے۔ شاعر اس شعر میں بالوسی کے ساتھ اپنی بد حالی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے مراجع کی حسرت کرتا ہے۔

۱	اس بزم میں مجھے نہیں بنتی حیا کئے	۱	بیٹھا رہا اگر چہ اشارے ہوا کئے
۲	دل ہی تو ہے سیاست دریاں سے ڈگیا	۲	میں اور جاؤں ور سے تھے بن صدا کئے
۳	رکتا پھروں ہوں خرقہ و سجادہ میں	۳	مات ہوئی ہے دعوت آب و ہوا کئے
۴	بے صرفہ ہی گذرتی ہے ہو گر چہ عمر خضر	۴	حضرت بھی کل کہیں گے کہ ہم کیا کیا کئے
۵	مقدور ہو تو خاک سے پوچھو کہ سے لیٹم	۵	تو نے وہ گنجماٹے گرا نمایہ کیا کئے
۶	کس روز تمہیں نہ تراشا کئے عار و	۶	کس دن ہمارے سر پہ نہ آئے چلا کئے
۷	صحبت میں غیر کی نہ پڑی ہو کہیں پتھر	۷	وینے لگا ہے بوسہ بغیر التجبا کئے
۸	صدا کی ہے اور بات مگر خبر بڑی نہیں	۸	بھولے سے اُس نے سینکڑوں وعائے سنا کئے

غالب نہیں کہو کہ سلجے گا جواب کیا

۹ مانا کہ تم کہا کئے اور وہ سنا کئے

(۱) یعنی کچھ ایسی مجبوری ہے کہ ان کی بزم میں مجھے غیرت ہی نہیں آتی۔ اور وہاں یہ کیفیت تھی کہ کبھی کسی بات پر انہوں نے غیار کو خاموشی کا اشارہ کیا کہ یہ بیٹھے ہوئے ہیں چپ رہو۔ کبھی یہ اشارہ ہوا کہ یہ کون ہیں۔ کیوں آگئے ہیں۔ جاتے کیوں نہیں غرض کہ سینکڑوں اشارے ہوتے رہتے اور مجھ سے اٹھانے گیا۔

(۲) "سیاست" انتظام ملک۔ یہاں خود مراد ہے۔

(۳۴) "خرقہ" لباس فقر "سجادہ" - مصلے "رہن" سے "شراب" کے لئے رہن "دعوت آب و ہوا" دعوت موسم بہار -

(۳۷) "بے صرفہ" بے فائدہ - فضول - یعنی اس دنیا میں کتنی ہی عمر کیوں نہ ہو بے نتیجہ ہی گزر جاتی ہے - حضرت خضر بھی باد چڑھ اتنی عمر کے پھٹتا میں گئے ضرور کہ افسس کچھ نہ کیا -

(۳۸) "لینم" الامت سے بنا ہے جس کے معنی ملامت، شہرہ یا نچاڑ میں بدبخت کے ہیں - گنج ہائے گرانمایہ سے قابل قدر اور قابل تحسین ہستیاں مراد ہیں - یہی خاک سے پوچھو کہ درویش عالم جو وہ کہاں چلے گئے -

(۳۹) یعنی ضرر سے وہ خلافت عادت کرتا تھا - جب بے ضرر یا دہ رہی تو حسب عادت سینکڑوں وعدے وفا کئے -

(۴۰) یہ شعر بھی قریب المضمون ہے یہاں لفظ چوہا پر جواب نہیں ہے کہ تم ان کے وعدہ کا ذکر ان سے کیوں کرو غالب یہ کیا کہ تم کہو اور وہ کہیں کہ یاد نہیں

رقنار عمر قطع رہا اضطراب ہے ۱ اس سال کے حساب کو برق آفتاب ہے
مینا مئے ہے سرو نشاط بہار سے ۲ بالی تیرے در جلوہ موج شراب ہے
رنجی ہوا ہے پاشہ پائے ثبات کا ۳ نے بھائے کی گون آقاوت کی تاب ہے
جاداد بادہ نوشی زنداں ہوش مشہب ۴ غافل کہاں کہے ہو کہ گیتی خراب ہے
نظارہ کیا حریف ہوا میں برقی حسن کا ۵ جوش بہار جلوے کو جس کے نقاب ہے
میں نامراد دل کی تسلی کو کیا کروں ۶ مانا کہ تیرے رخ سے نگہ کامیاب ہے
گندہ اس مسرت پیغام یار سے ۷ قاصد پہ مجھ کو شک سوال وجواب ہے

(۱) عمر کی رفتار ایسی ہے جیسے کوئی اضطراب و بے چینی میں جلد جلد راستہ طے کر رہا ہو۔ اور عمر کے سال کے حساب کے لئے آفتاب کو یا برق سے۔ یا برق آفتاب ہے۔

(۲) "مینائے مئے" صراحی ہے۔ اسی رعایت سے نشاطِ اصفیٰ کیا ہے۔ "بال تدرؤ بادل سے استعارہ ہے۔ جلوہ مے کو بادل سے مشابہہ کیا گیا ہے۔ یعنی مینا اگر سرو ہے تو موجِ شراب گھٹا۔ (۳) "پاشنہ" ایڑی۔ "پائے ثبات" ثابت قدمی۔ "پائے استقلال" اقامت۔ "قیام یا قائم کرنا۔ یعنی یہ راہ عشق کچھ ایسی دشوار ہے کہ نہ بھاگا جاتا ہے اور نہ ٹھیرا جاتا ہے۔ بس ایڑیاں رگڑنی پڑتی ہیں اور پائے استقلال زخمی ہوتا رہتا ہے۔

(۴) "زندوں سے مراد باریستانِ عشقِ الہی ہیں۔" بیشش جہت" آفاق۔ دنیا گیتی۔ یعنی دنیا زندانِ عشق ہی کی جاواد ہے لوگ نہ سمجھتے ہیں کہ ان کی وجہ سے زمانہ خراب ہے۔

(۵) "ظہارہ" طاقت ویدار۔ "حریت" سخاوت۔ بہار کے اوزم میں اب بھی ہے۔ اسی رعایت سے حسن کی توصیف برق سے کی گئی ہے۔ اُسٹاد کا شعر ہے :-

لطافت بے کثافت جلوہ پیا۔ اگر نہیں سکتی

چمن زنگار ہے آئینہ باد بہاری کا

یہاں بھی جوشِ بہار اُسی قسم کا نقاب ہے جیسا آئینہ باد بہاری کا زنگار چمن تھا۔

(۶) یعنی دیدار سے آنکھوں کو تو سکون ہے لیکن دل کی تسلی محض دیدار

سے نہیں ہوتی۔

اگر گندرا باز آیا کے معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی مجھے قاصد پر
اُن سے ہم کھلائی کا رشک ہے اس لئے میں پر پیغام سے ہی گزرا۔

(۱) دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پر رشک آجائے ہے
میں اُسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

(۲) ہاتھ دھو دل سے بھی گرمی گر اندیشہ میں ہے
آب گینہ تندی صہبا سے بکھلا جائے ہے

(۳) شوق کو یہ لت کہ ہر دم نالہ کھینچے جاسیے
دل کی وہ حالت کہ دم لینے سے ٹھہرا جائے ہے
(۴) غیر کو کیونکر وہ یارب منع گستاخی کرے
گر حیا بھی اُس کو آتی ہے تو شرما جائے ہے

(۵) دُور چشم بدتری بزم طرب سے واہ واہ
نغمہ ہو جاتا ہے واں گر نالہ میرا جائے ہے
گر چہ ہے طرزِ تغافل پر وہ وار و رازِ عشق
پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے

(۶) اُس کی بزم آرائیاں سن کر دل رہنجوریاں
مثل نقشِ مدعا سے غیر بیٹھا جائے ہے
ہو کے عاشق وہ پری بُخ اور ناز کہ بن گیا
رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اُڑتا چلتے ہے

(۷) نقش پر اُس کے معصوم کو بھی کیا کیا ناز ہیں
کھینچتا ہے جس قدر اتنا ہی کھینچتا جائے ہے

سایہ میزا مجھ سے مثل وود بھاگے ہے اسد
 پاس مجھ آتش بہ جاں کے کس سے ٹھیرا جائے ہے
 (۱) انتہا سے لذت دید میں ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ خود پر
 رشک آنے لگے۔

(۲) گرمی اندیشہ گرمی خیال - جوش خیال - سرگرمی خیال کی تشبیہ
 صہبا (شراب) سے دی ہے "تندری" تیزی اور اس لفظ
 کی رعایت سے جوش خیال یا گرمی خیال لائے ہیں۔ آبگینہ
 شیشہ دل سے ہمارا ہے۔ مطلب ہے کہ جس طرح صہبا
 سے شیشہ کے پگھلنے کا احتمال ہے اسی طرح اگر یہی جوش خیال
 ہے تو دل بھی خون ہو کر بہ جائے گا۔

(۳) یعنی شوق کا تقاضہ ہے کہ پیہم نالہ کھینچے جاؤں اور دل کی
 آوازوں کی یہ کیا بیگناہی ہے کہ دم گھٹا جاتا ہے۔
 (۴) "شرابی جانا"۔ شہنی سروت۔

لفظ "بھری" والی سیر یہ نالہ سے بھی کوئی ہمدردی نہیں ہوتی۔ اور
 صہبا سے لے کر شیشہ تک جوش میں اس کی نغمہ ہی سمجھا جاتا ہے۔ حسد
 شہنی اس سے ہم پیش کو نظر بد سے بچائے۔

(۵) "طیر تیرا" اور "بیکانگی"۔ یعنی ہمارے طرزِ تفاعل سے
 پناہ دینے والی تھا۔ ہونے لگتی ہے اور ہم تفاعل میں کچھ ایسے خاموش
 چہ چاہتے ہیں۔ پناہ خواہ حال کا گمان ہوتا ہے اور وہ سمجھ جاتے
 ہیں کہ ہمدردی تو کچھ بات ہے۔

(۶) "نقش بردار" مستقل اور دیر پا کامیابی کے معنوں میں

آتا ہے نقش بیٹھنے سے اپنے دل کے بیٹھنے کی تشبیہ دی ہے

اور دل کا بیٹھنا محاورہ ہے۔ بمفہوم بالوسی۔

(۸) یعنی ضعفِ عشق سے نزاکت بڑھ گئی ہے۔ ”رنگ اُڑنا“

آثارِ ضعف میں سے ہے۔ اور رنگ سفید پڑ جانا بھی علامت

ضعف ہے۔ رنگ کھلنا محاورہ میں گورے ہو جانے کے معنی

میں مستعمل ہے۔ یہی تمام رعایات شعر میں ہیں۔

(۹) ”کھینچتا ہے“ یعنی تصویر یا نقش صورت کھینچتا ہے۔ کھینچتا

جلے ہے۔ یعنی اتراتا اور غور کرتا جاتا ہے۔

(۱۰) سایہ اور دود (دہواں) میں تشبیہ ہے۔ ”آتش بجاں“ جس

کی جان آتشِ غم میں مبتلا ہو۔ مصیبت کی بیکیسی بیان کرنے

میں سایہ کی علیحدگی تمثیل عام اور مشہور ہے۔ یہاں آگ سے

دھوئیں کی علیحدگی سے سایہ کے جدائی کی تشبیہ دی گئی ہے۔

۱	تباہان ہجر میں دی بردلیالی نے مجھے	۱	گرم فریاد رکھا، شکل نہالی نے مجھے
۲	لے لیا مجھ سے مری ہمتِ عالی نے مجھے	۲	نسبِ و نقد۔ دو عالم کی حقیقت معلوم
۳	کر دیا کافرانِ اصنام خیالی نے مجھے	۳	کثرتِ آرائی وحدت ہے پرستار ہی ہم
۴	عجب آرام دیا بے پرو بالی نے مجھے	۴	ہوسِ گل کا تصور میں بھی کھٹکا نہ رہا

(۱) ”شکل نہالی“ نقوش و تصاویرِ قالین۔ ”برو“ سردی ”لیالی“

لیلِ رات کی جمع ہے۔

(۲) ”نسبِ عقبی اور نقد“ دینا یعنی منافع موجود و آئندہ سے

میری ہمتِ عالی نے مجھے مستثنیٰ کر دیا۔ یا میں نقدِ دنیا اور عقبی

کے اوار پر فروخت نہ ہوا۔ بلکہ ہمتِ عالی نے بعاوضہ استغنا مجھے خرید لیا۔

(۳) کثرت آرائی وحدت - یعنی وحدت کو کثرت سمجھنا اور ہم پرستی اور کفر ہے کیونکہ یہ سب وہم و خیال کے بت ہیں۔ بلکہ کثرت کو وحدت سمجھنا چاہئے۔

(۴) ”بے پردہ بالی“ یا یوپی یا بے طاقی۔

۱	برقی خرمن کا بخت ماخون گرم دھقان ہے	۱	کارگاہ ہستی میں لالہ داغ سماں ہے
۲	باوجود دل جمعی خواب گل پریشاں ہے	۲	غنجہ تاشگفتہ برگ عافیت معلوم
۳	داغ پشت دست بچہ شعلہ ش بازنداں ہے	۳	ہم سے بیچ پیتا پی کس طرح اٹھایا جائے

(۱) ”داغ سماں“ مثل انجم انجم - وہ شخص کہ داغ جس کا سرمایہ و سماں ہو۔ موجودیت لالہ کی منحصر نمائش داغ پر ہے۔ ورنہ رنگ تو اور پھولوں کا بھی لال ہو جاتا ہے۔ یعنی اس کے سمجھ لیجئے کہ پھول کا درخت یا غلہ جو کچھ اُپیا جاتا ہے۔ دھقان کو جو تھے بونے اور پانی دینے میں مشقت کرنی پڑتی ہے۔ اور ریاضت میں لہو گرم ہو جاتا ہے۔ مقصد و شاعر کا یہ ہے کہ وجود محض رنج و غما ہے۔ مزایع کا وہ لہو جو کشت و کار میں گرم ہوا ہے وہ لالہ کی راحت کے خرمن کا برقی ہے۔ حاصل موجودیت داغ اور داغ مخالف راحت اور صورت رنج ہے۔ ”(از غزو ہندی)“

(۲) کلی جب تھی ٹیکے بصیرت قلب صنوبری نظر آئے اور جیتاک پھول بنے برگ عافیت معلوم؛ یہاں معلوم معنی معلوم ہے اور برگ عافیت بمعنی مایہ آرام۔ مصرعہ برگ عیش بگور غریب برگ اور سرور برگ بمعنی ساز و سماں۔ ”خواب گل“ شخصیت گل باعتبار خموشی و برجاماندگی پریشانی ظاہر ہے۔ یعنی شگفتگی

وہی پھول کی پنکھڑیوں کا بکھرا ہوا ہونا۔ غنچہ بصیرت دل جمع ہے
 باوصف جمعیت دل نگل کو خواب پریشان نصیب ہے۔

(از عہد ہندی)

رس (پشتِ دست) صورتِ عجز اور خس بدہراں "وگاہ بدنداں"
 گرفتار بھی اظہارِ عجز ہے۔ پس جس عالم میں کہ داغ نے پشتِ دست
 زمین پر رکھ دی ہو اور شعلہ نے تنکا دانتوں میں لیا ہو ہم سے
 رنج و اضطراب کا تحمل کس طرح ہو۔ مطلب ہے کہ اس رنج
 کے برداشت کرنے کی ہم میں تاب و طاقت نہیں ہے اور
 یہ ہمیں ہلاک کر دے گا (از عہد ہندی)

اگ رہا ہے درو دیوار سے سبزہ غالباً | ہم بیاباں ہیں ہیں اور گھر میں بیمار آئی ہے

(۱) گھر میں گھاس اگنا ویرانی کی دلیل ہے۔ گویا جب گھر میں یہ بیمار
 ہو تو گھر بیابان ہے اور ہم کو گھر میں بیابان کا مزہ آسکتا ہے
 پھر ناحق ہم بیابان میں ہیں۔

سادگی پر اش کی مرجانے کی حسرت دل میں ہے

(۱)

بس نہیں چلتا کہ پھر غنچہ کف قاتل میں ہے

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا

(۲)

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

گرچہ ہے کس کس بڑائی سے ولے با ایں ہمہ

(۳)

ذکرِ میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اُس محفل میں ہے

بس ہجومِ نا اُمید ہی خاک میں مل جائے گی

(۴)

یہ جو اک لذت ہماری سخی سے حاصل میں ہے

رنج رہ کیوں کھینچے، واما ندگی کو عشق ہے
 اکٹھ نہیں سکتا، ہمارا جو قدم منزل میں ہے
 (۵)
 جلوہ زارِ آتش دوزخ ہمارا دل سہمی
 فتنہ شور قیامت کس کے آب و گل میں ہے
 (۶)
 ہے دل شوریدہ غالب طلسم پیچ و تاب
 رحم کر، اپنی تمنا پر، کہ کس مشکل میں ہے
 (۷)

(۱۱) یعنی حسرت تو محض ان کی سادگی پر مرنے کی ہے۔ اور خیر
 سے ہلاک ہونے میں وہ مزا کہاں لیکن ان کے ہاتھ میں خیر
 ہے اب بے بسی ہے۔

(۱۲) تقریر کا کمال ہے کہ دل لگتی بات کی جلائے۔
 (۱۳) ”سچی بے حاصل“ وہ کوشش جس کا کوئی نتیجہ نہ ہو۔ یا
 کامیاب نتیجہ نہ نکلے اور ظاہر ہے کہ مایوسی کی بیکاری سے سچی بیجا مل
 غنیمت ہے۔ اور افسردگی کی بے دلی سے خام خیالی ہی بہتر ہے۔
 (۱۴) ”واما ندگی“ ممکن۔ یعنی واما ندگی، رنج واہ روی کیوں گوارا
 کرے اس کو ہمارے قدم سے عشق ہے۔ اور اس لئے قائم
 اکٹھ نہیں سکتا۔

(۱۵) ”جلوہ زار“ مہمور۔ ”آب و گل“ خیر خلقت۔ جبلت۔ دوزخ
 و قیامت کی رعایت ظاہر ہے معشوق کے قامت کی تعریف
 قیامت سے اور رفتار کی فتنہ قیامت یا فتنہ حشر وغیرہ سے مشہور
 ہے۔ آتش سے سوز عشق مراد ہے اور اسی تذکرہ و اظہارِ حال
 سوز پر معشوق نے طنز ایا خفگی سے کہا ہو گا کہ آپکے دل میں تو

دمنخ کی آگ بھری ہے۔ اُس پر عاشق اُسی قسم کا سوال الزامی کرتا ہے کہ اچھا ہمارا دل آتش دوزخ سے معمور رہی۔ لیکن یہ تو کہئے کہ فتنہ شور قیامت کس کے خمیر و جہالت میں ہے۔
 (۱) "شوریدہ" بے چین۔ مضطرب۔ "طلسم" جادو کا بنا ہوا عجیب و غریب مکان جس کی بنا اشکالی بنیو م سے ہوئی ہو۔ اور جس کا اثر یہ ہے کہ کوئی وہاں سے نکل نہ سکتا ہو۔ عاشق کے دل میں جو تمنا ہوتی ہے وہ چونکہ مشوق سے متعلق ہوتی ہے اس لئے گویا اُسی کی تمنا ہے۔ مطلب ہے کہ میرا دل شوریدہ طلسم پیچ و تاب ہے اور تیری تمنا اس پیچ و تاب میں پھنسی ہوئی ہے تو اپنی تمنا پر رحم کر کہ اس کشمکش سے نکل جائے۔

۱	دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی	۱	دوڑوں کو اک ادا میں رضا منہ کر گئی
۲	مشت ہو گیا ہے سینہ خوشالذت فراغ	۲	تکلیف پر وہ داری زخیم جگر گئی
۳	وہ بادۂ شہانہ کی سرستیاں کہاں	۳	اٹھنے میں اب، کہ لذت خواب سحر گئی
۴	اُڑتی پھرے ہے خاک مری کوئی یا میں	۴	باہرے اب اسے ہوا ہوس بال و پر گئی
۵	دیکھو تو دل فریبی اندازِ نفسش پا	۵	سوچ خرام یار بھی کیا کل کہ تیر گئی
۶	ہر لہو میں نے حسن پرستی شعار کی	۶	اب آبرو سے شبیوہ اہل نظر گئی
۷	نظارہ نے بھی کام کیا واں نقاب کا	۷	مستی سے ہر نگہ تھے مٹج پر۔ بکھر گئی
۸	فرواؤ دی کا تفرقہ یک بار مٹ گیا	۸	کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گزر گئی

مارا زمانہ نے است۔ اسٹ۔ انٹ۔ جنساں نہیں
 وہ دلوے کہاں، وہ جوانی کہ بھر گئی

(۱) شعرا کے یہاں نگاہ کو تیر سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی تیر کے

آرزو مند دل و جگر دونوں مسلم ہیں۔

(۱۲) یعنی زخم جگر کے چھپائے اور پردہ رکھنے میں سینہ کو بڑی تکلیف ہوتی تھی کیونکہ زخم کے دروستے تنفس میں الجھن اور گھٹن تھی جس سے سینہ پر بار تھا۔ اب سینہ شق ہو گیا اور زخم جگر کی پردہ داری کی تکلیف سے کیسی اچھی فراغت حاصل ہو گئی۔

(۱۳) شراب کی مستی اور سرور میں نین کی سی لذت بھی ہوتی ہے۔ حمار و سانپ میں سب سے چینی ہوتی ہے اس لئے نین کا لطفت باقی نہیں رہتا۔ مطلب ہے کہ باوڈ شہانہ کی سرمستی اب باقی نہیں رہے۔ اور خواب سحر کی لذت بھی اسی وقت تک بچتی تھی۔

(۱۴) اس شعر میں "اب" کا لفظ مخصوص ہے۔ یعنی اب مرنے کے بعد مطلب ہے کہ زنا رگی میں ہم ان کے کو چہ تک پہنچ ہی نہ سکیں۔ بال و پر کی ہوس تھی کہ اڑ کر پہنچ جائیں۔ ہوا بھی ہمیں نہ پہنچا سکتی تھی۔ اب خاک ہوئے پر ہماری خاک ان کے کو چہ ہیں اڑتی پھرتی ہے۔

(۱۵) گل کترنا اور شکوفہ چھوڑنا مراد وفات ہیں۔ یعنی فتنہ پیہا کرنا اور یہاں لفظی طور پر واقعی گل تراشی مراد ہے۔ چونکہ نقش پا کے بارے میں شبہ و شبہ ہیں مروج اور حرام میں بھی حرکت اور روانی و شبہ و شبہ ہیں اور یہاں مشبہ اور مشبہ بہ کو ساتھ ساتھ بیان کر دیا ہے۔ حرام یا حرامی حرام ظاہر ہے۔

(۱۶) "لو الہوس" اہل خواہش و غرض۔ اہل نظر۔ عاشقان صادق۔

(۷) خیرگی نگاہ کو مستی نظر سے تعبیر کیا ہے اور خیر جب پیدا ہوتی ہے تو نظر اپنا کام نہیں کر سکتی تاکہ انکھوں پر پردہ سا معلوم ہوتا ہے اسی پردہ کو استاد نے معشوق کے رخ کا نقاب بیان کیا ہے۔

(۸) ”فرؤ“ آنے والی کل۔ قیامت کو بھی فردائے قیامت کہتے ہیں ”دی“ گزشتہ کل مطلب ہے کہ تمہارے جانے سے جو قیامت کل آنے والی تھی وہ کل گزر چکی۔ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اب ماضی و مستقبل کا کوئی قصہ ہی نہ رہا۔

تسکین کو ہم نہ روئیں جو ذوقِ نظر ملے	۱	ہورانِ خلد میں تری صیرت گر ملے
اپنی گلی میں بھکونہ کر و فنِ بے قتل	۲	میرے پتے سے غلق کو کیوں تیرا گھر ملے
ساقی گری کی شرم کرو آج، ورنہ ہم	۳	ہر شب پیاہی کرتے ہیں سٹے جسدِ برے
تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اے ندیم	۴	میرا سلام کہیو، اگر نامہ برے
تم کو بھی ہم دکھائیں کہ مجنوں نے کیا کیا	۵	فرصت کشاکشِ غم نہاں سے گرے
لازم نہیں کہ حضور کی ہم پیروی کریں	۶	جانا، کہ اک بزرگ ہیں ہم سفرے

اے ساکنانِ کوچہ و لاریہ و بھٹا

تم کہیں جو غالبؔ آشفۃ سرے

(۱) یعنی اگر آنکھوں ہی کو لطف دیدہ میسر آ جائے تو خیر ہم دل کی تسکین کا مطالبہ بھی نہ کریں۔ لیکن کچا تیری صورتِ تریا اور کہاں حورانِ خلد کی صورتیں۔
(۲) یعنی اگر میرے نواقضِ قتل کے جوالہ سے تیرے گھر کا پتہ مشہور ہو گیا تو تو بدنام ہو جائے گا۔

(۴۱) یہ مضمون کچھ آغاز چاہتا ہے۔ یعنی شاعر کو ایک قاصد کی ضرورت
 ہونی مگر کھڑکایہ کہ کہیں قاصد معشوق پر عاشق نہ ہو جائے۔
 ایک دوست اس عاشق کا ایک شخص کو لایا۔ اور اس نے عاشق
 سے کہا کہ یہ آدمی وضع دار اور معتد علیہ ہے۔ میں صنامن ہوں کہ
 ایسی حرکت نہ کرے گا۔ خیر اس کے ہاتھ خط بھیج گیا۔ قصداً را
 عاشق کا گمان سچ ہوا۔ قاصد مکتوب الیہ کو دیکھ کر والد و شہداء
 ہو گیا۔ کیسا خط۔ کیسا جواب۔ دیوانہ بن۔ کپڑے پھاڑ جنگل کو
 چل دیا۔ اب عاشق اس واقعہ کے وقوع کے بعد مدحیم سے کہتا
 ہے کہ غیب و اں تو خدا ہے۔ کسی کے باطن کی کسی کو کیا خبر۔ نے
 مدحیم تجھ سے کچھ سکھام نہیں۔ لیکن اگر نامہ بر کہیں مل جائے تو اس کو
 میرا سلام کہیو۔ کہ کیوں صاحب تم کیا کیا دعویٰ عاشق نہ ہونے
 کے کر گئے تھے اور انجام کار کیا ہوا۔ رما خواز مکتوب قاضی
 عبد الجلیل صاحب۔ جمیل بریلوی)

(۴۲) غم پنہاں کی کشاکش نہ ہو اور غم پنہاں، جنوں ظاہر سے بدل
 جائے تو ہم دکھائیں کہ مجنوں نے کیا کیا تھا اور ہم کیا کر رہے ہیں۔
 (۴۳) یعنی خضر کی بزرگی تسلیم۔ لیکن سفر (ساوک) تو ہم ہی کر رہے
 ہیں اور ان منازل کو ہم خود طے کر لیں گے۔ ہمیں ان کی پیروی کی
 کیا ضرورت۔ البتہ خواجہ صاحب موصوف اگر چاہیں تو ہمارے
 ہم سفر ہو سکتے ہیں۔

(۴۴) یعنی اگر غالب آشفۃ سر کہیں مل جائے تو دیکھنا اس کی حالت
 اس کو چہ سے بکھلنے کے بعد کیا ہوتی ہے۔

کوئی دن گر زندگانی اور ہے	۱	اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے
آتش و وزخ میں یہ گرمی کہاں	۲	سویر غمناکے نہانی اور ہے
بارش و کھیتی ہیں ان کی رنجشیں	۳	پر کچھ اب کی سرگردانی اور ہے
دیکھے خط منہ و کھٹا ہے نامہ	۴	کچھ تو پیغام زبانی اور ہے
قاطع اعمار ہیں اکثر نجوم	۵	وہ بلائے آسمانی اور ہے

۴
ہو چکیں غالب بلا میں سب تمام
ایک مرگ ناگسانی اور ہے

(۳) یعنی نامہ بر آب کوئی ایسی غیر متوقعہ بات کہنے کو ہے کہ وہ
کہتے ہوئے جھجکتا ہے کہ خدا جانے سننے والے پر کیا لگا رہے۔
(۴) "قاطع اعمار" عمریں گھٹا دینے والے نجوم مراد ہیں۔ بلائے
آسمانی معشوق کو کہا گیا ہے۔

کوئی افسوس نہیں آتی	۱	کوئی صورت نظر نہیں آتی
موت کا ایک دن معین ہے	۲	نہیں کیوں رات بھر نہیں آتی
آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی	۳	اب کسی بات پر نہیں آتی
جانتا ہوں تو اب طاعت و نہ	۴	پر طبیعت اور نہیں آتی
ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہو	۵	ورنہ کیا بات کر نہیں آتی
کیوں نہ چوچوں کہ یاد کرتے ہیں	۶	میسری آواز گر نہیں آتی
دارغ دل گر نظر نہیں آتا	۷	یو بھی اسے چارہ گر نہیں آتی
ہم وہاں ہیں جہاں سے ہکو بھی	۸	کچھ ہماری غم نہیں آتی
مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی	۹	موت آتی ہے پر نہیں آتی
کہتے کس منہ سے جاؤ گے غالب	۱۰	بشرم تم کو نگر نہیں آتی

(۱۱) موت تو ہمارے ٹانگے نہیں آتی۔ گویا وہ ہماری طلب اور
شب ہائے پھر سے وابستہ نہیں بلکہ اس کے لئے کوئی اور وقت
مقرر ہے۔ لیکن خدا جانے نیشہ کیوں نہیں آتی۔ حالانکہ نہیں آنے
کا وقت رات ہی کا ہوتا ہے۔

(۱۲) یعنی پہلے حال دل پہری سوس ہنسی آتو جاتی تھی۔ مگر اب تو کچھ
ایسی افسردگی ہے کہ کسی بات پر نہیں آتی۔

(۱۳) یعنی داغ دل اگر نظر نہیں آتا تو کیا سوز عشق سے دل کے
جلنے کی بو بھی نہیں آتی۔

(۱۴) یعنی ہم اُس مرتبہ فنا میں پہنچ گئے ہیں کہ ہم کو خود خبر نہیں رہی
کہ ہم کہاں تھے اور کہاں ہیں۔

(۱۵) یہ مرنا بمعنی کثرت و وفور محبت استعمال ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ
اس موقع پر یہی مراد ہے اور اس شعر میں۔

محبت میں نہیں ہے فرق مرنے اور جینے کا
اُسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کا فرہ و م نکلے

و م نکلے بھی بمعنی محبت استعمال ہوا ہے۔

۱	آخر اس درد کی دوا کیا ہے	۱	دل ناوان تجھے ہوا کیا ہے
۲	یا الہی یہ ماجرا کیا ہے	۲	ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار
۳	کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے	۳	میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں
۴	پھر یہ سنگامہ لے خدا کیا ہے	۴	جبکہ تجھ بن کوئی نہیں موجود
۵	غزہ و عشوہ و ادا کیا ہے	۵	یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں
۶	نگہ چشم سدا کیا ہے	۶	شکین زلف عنبر میں کیوں ہے

سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں	۷	ابر کیا چیز ہے، ہوا کیا ہے
ہم کو اُن سے فاقی ہے اُمید	۸	یو نہیں جانتے وفا کیا ہے
ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا	۹	اور درویش کی صدا کیا ہے
جان تم پر ہٹا کر رہا ہوں	۱۰	تیں نہیں جانتا دعا کیا ہے

۱۱
تیں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب
مفت ہاتھ آئے تو بر کیا ہے

(۱) دلِ نازاں سے دردِ عشق کے متعلق سوال ہے۔ اور چارہ کار اور انجام کار کی پرستش۔
(۲) یعنی یہ حالت جمع اضداد کیسی۔ اور یہ آلتی بات کیوں ہے کہ ہم محبت کریں اور وہ نفرت۔
(۳) یعنی کاش تم ایک دفعہ پوچھ لو کہ میرا مدعا کیا ہے پھر دیکھو کیا اور کس قدر کہتا ہوں۔
(۴) اسی مضمون کو استاد مرحوم مختلف طریقوں سے لکھ چکے ہیں چنانچہ یہاں بھی معشوق حقیقی کو موجود و وجودِ واحد نہیں کرتے ہوئے اُس سے مظاہر گوئی و مجازی کے متعلق سوال کیا ہے کہ تو تو موجودِ واحد موجود ہے۔ پھر یہ اس قدر اذاع مظاہر کیا ہیں یہ خوب صورت اور حسین لوگ جن کا حسن عالم آشوب اپنی پرستش اور عشق کے لئے جھکاتا اور کھینچتا ہے اُن کی نگاہوں کے سحر طراز غمزے۔ اُن کے اعجاز آفریں عشوے۔ اُن کی چشم سیر مرہ سا کے کرشمے۔ اُن کی زلفِ عنبرین کی دل پھنسا لینے والی شکنیں کیا ہیں۔ پھر یہ عالم نباتات کی نگاریاں ابرو ہوا کی موسم

آرائیاں اور بہار آفرینیاں کیسی ہیں۔ اور یہ سب کچھ کیا۔
کہاں سے اور کس طرح ہو رہا ہے۔

(۸) یعنی وہ ابھی نا آشنائے الفت ہیں۔ اور ہمیں ان سے وفا کی
توقع ہے۔ یا ہم کو ایسے شخص سے وفا کی توقع ہے جو جانتا
ہی نہیں کہ وفا کیا ہے۔

کہتے تو ہو تم سب کہ بہت غالیہ ہو آئے
(۱) اک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی وہ آئے

ہوں کشمکش نزع میں، ہاں جذب محبت
(۲) کچھ کہہ نہ سکوں پر وہ مرے پوچھنے کو آئے

ہے صاعقہ و شعلہ و سیما کا عالم
(۳) آنا ہی سمجھ میں مری آتا نہیں، گو آئے

ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھاگیں گے نکیرین
(۴) ہاں مہمہ سے مگر بادۂ دوشینہ کی ہو آئے

جلاوے ڈرتے ہیں نہ وعظ سے جھکرتے
(۵) ہم سمجھے ہوئے ہیں اسے جس بھیس میں جو آئے

ہاں اہل طلب کون سے طعنہ نایافت
(۶) دیکھا کہ وہ ملتا نہیں اپنے ہی کو کھو آئے

اپنا نہیں وہ شیوہ کہ آرام سے بیٹھیں
(۷) اس در پہ نہیں یار تو کعبے ہی کو ہو آئے

کی ہم نفسوں نے اثر گریہ میں تفسیر
(۸) اچھے رہے آپ اس سے مگر جھکوڑ ہو آئے

(۱) ”غالیہ“ عنبریں زلفوں والا (دو) ضرورتِ ردیف کے لئے
بجائے (۷) کے واؤ استعمال کیا ہے۔ یعنی تم سب کہتے تو ہو
کہ وہ آجائے، کاش ایسا بھی ہو کہ تم گھر کے کہو کہ کو وہ آگئے۔
(۲) یعنی اگرچہ کشمکش نزع کی وجہ سے کچھ کہ نہ سکوں لیکن اسے
جذبِ محبت وہ میرے پوچھنے کو اس وقت ضرور آجائے!
(۳) ”صاعقہ“ بجلی۔ ”سیلاب“ پارہ۔ یہ سب معشوق کی شوخی اور
آتے ہی چل دینے کے اشارے ہیں۔

(۵) یعنی ہم اشکال و لباس پر نظر نہیں رکھتے ہم تو ہر بھیس میں
اُسی ایک حقیقت کو دیکھتے ہیں۔

(۶) خود بھی صاحبِ طلب ہیں اور اپنے ہی ہم مشربوں سے
مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ محرومی کا طعنہ کون سُسے۔ وہ نہیں بلا تو
ہم خود اپنے آپ کو کھو بیٹھے (اور راہِ سلوک میں اپنے کو کھو دینا
بھی ڈھونڈھ لینے کے برابر ہے)

(۸) ہم نفسوں سے محبوب کے اہل بزم مراد ہیں۔ ”تقریر“ بحث
یعنی ان کے ندیوں نے ان سے کہا کہ آپ آسے رونے دیجئے۔
رونے میں اثر ہی کیا رکھا ہے۔ خود اچھے لہے کہ ان کے دل کی
سی بات بنا دی۔ لیکن مجھے ڈیو دیا۔

(۹) ”انجن ناز“ معشوق کی بزمِ مطلب ہے کہ ہم بھی اُس بزمِ ناز میں
گئے۔ وہاں کا عالم دیکھا۔ کیا کہیں اُسی عجیب و غریب نظارہ ہے

تیری تقدیر کو رو آئے یعنی تم پر افسوس کرتے رہے کہ وہ محروم ہے
اس کی قسمت کہاں کہ اس بچن میں شریک ہو۔

۱	پھر کچھ اک دل کو بیقراری ہے	۱	سینہ جو یاسے زخم کاری ہے
۲	پھر جگر کھو دے لگانا خن	۲	آدھ فصل لالہ کاری ہے
۳	قبیلہ مقصود نگاہ نیاز	۳	پھر وہی پردہ عماری ہے
۴	چشم و لالی جنس رسوائی	۴	دل خریدارِ ذوق خواری ہے
۵	وہی صدرِ رنگ نالہ فرسائی	۵	وہی صد گوشتِ اشکباری ہے
۶	دل ہوا سے خرام ناز سے پھر	۶	عشرتستانِ بیقراری ہے
۷	جلوہ پھر عرضِ ناز کرتا ہے	۷	زور بازارِ جاں سپاری ہے
۸	پھر اسی بے وفا پہ مرتے ہیں	۸	پھر وہی زندگی ہمارے ہے
۹	پھر کھلا ہے درِ عدالتِ ناز	۹	گرم بازارِ فوجداری ہے
۱۰	ہور ماسپہ جہان میں اندھیر	۱۰	زلف کی پھر سرشتِ داری ہے
۱۱	پھر دیا پارہ چگرنے سوالی	۱۱	ایک فریادِ آہ و زاری ہے
۱۲	پھر ہوسے ہیں گواہ عشقِ طلب	۱۲	اشک باری کا حکم جاری ہے
۱۳	دل و مژگان کا جو مقدمہ تھا	۱۳	آج پھر اس کی رو بیکاری ہے

۱۴ پیچودی بے سبب نہیں غالب
کچھ تو ہے جسکی پڑہ داری ہے

۱۴

۱۲ "فصل لالہ کاری" موسم بہار۔ ناخن سے جگر کھوٹنے کی رعایت ہے
۱۳ ایسی نیاز کیش عشق کا قبیلہ مقصود وہ (مشتوق کا) پردہ عماری ہے
پردہ عماری اور خلاف کعبہ کی رعایت ظاہر ہے۔

(۴ و ۵) یعنی آنکھیں نہ رسوائی کے سوسے کی دلالی کرتی ہیں۔ اور دل

ذوق خواری کا خریدار ہے۔ آنکھیں اسی طرح ہزاروں آنسو بہاتی ہیں اور دل ہزاروں طرح نالہ فرساست ہے۔

(۶) ”ہوا“ شوق۔ ”خرام ناز“ معشوق کا چلنا پھرنا۔ اور خرام ناز کا وصف حشر برپا کرتا ہے۔ محشرستان اسی رعایت سے لائے ہیں۔ اور دل بمقدار کو محشرستان کہتا ہے۔ یقیناً یوں کی ہل چل اور ہنگاموں پر مبنی ہے۔

(۷) ”عرض“ نمود و نمائش۔ یہاں لین دین اور فروخت کرنا مراد ہے ”جاں سپاری“ جان دینا۔

(۸) ناز و انداز سے پھر مقابلہ ہے اور عشاق کا گوشت و خون ہور ہا ہے۔

(۹) پھر گرفتار زلف ہو رہے ہیں۔

(۱۰) پارہ جگر پھر فریاد و درو کرتا ہے۔

(۱۱) عشق کے آثار پھر ظاہر ہو رہے ہیں اور گریہ و اشک کا سلسلہ جاری ہے۔

(۱۲) دل کا صعب مزگان سے پھر مقابلہ ہے۔ یہ پانچوں شعر عدالتی یا دفتری اصطلاحوں میں ادا کئے گئے ہیں مثلاً قوداری سرشتہ داری۔ سوال۔ روبکاری وغیرہ۔

جنوں تہمت کش نسکیں نہ ہو گر شادمانی کی
(۱) نمکپاش خراش دل ہے لذت زندگانی کی

کشا کش ہاتھ ہستی سے کرے کیا سعی آزادی
(۲) ہوئی زنجیر موج آب کو فرصت روانی کی

	پس از مردن بھی دیوانہ زیارت گاہ طفلان ہے شرار سنگ نے تربت پیر کی گلفشانی کی	۳
--	--	---

(۱) "تمت کش" متهم "خراش دل" زخم دل "جنوں" عشق یعنی اگر ہم سے شادمانی ظاہر ہو تو ہمارے جنوں عشق پر تسکین ملے گی کا الزام نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ دنیا بھر کی شادمانیاں عشاق کے زخم دل پر نمک کا کام کرتی ہیں۔ یعنی شادمانیوں میں ان کے لئے کوئی حقیقی لذت نہیں ہوتی۔

(۲) "کشا کش" ہٹے ہستی "زندگی کی الجھنیں اور وابستگیوں۔" "سعی آزادی" آزادی کی کوشش "فرصت" فراغ "موج زنجیر" میں تشبیہ ہے۔ مطلب ہے کہ دریا کو جس قدر روانی میں آزادی ہوتی ہے دریا جس قدر زیادہ رواں ہوتا ہے (اسی قدر زنجیر امواج کی کثرت ہوتی ہے، گویا زنجیر امواج روانی و آزادی دریا ہی کا بنایا ہوا ہوتا ہے۔ یہی حال انسان کی کوشش آزادی کا ہے، کہ آزادی کی کوششیں خود زنجیر بن جاتی ہیں۔ اورہ لایق و افکار کا سلسلہ اور بڑھ جاتا ہے!

(۳) "پس از مردن" مرنے کے بعد "زیارت گاہ" مرنے کی رعایت سے استعمال ہوا ہے۔ "شرار سنگ" آگ جو پتھر سے مضاربیت میں نکلتی ہے۔ "شر" اور پھول کی تشبیہ ہے مطلب ہے، کہ لڑکے پیری قبر پر بھی پتھر مارتے ہیں اور اس زیارت گاہ پر شرار سنگ کے پھولوں کا چڑھا دیا ہوتا ہے۔

- نکوہش ہے سزا فریادی بیدار دلبر کی
(۱) مبادا خندہ دندان نما ہو صبح محشر کی
- رگ لیلیٰ کو خاکِ دشتِ مجنوں ریشگی بننے
(۲) اگر بوئے بجائے دانہ دہقان نوکِ نشتر کی
- پیر پروانہ شاید یاد بان کشتی سے تھا
(۳) ہوئی مجلس کی گرمی سے روانی دورِ ساغر کی
- کروں بیدار ذوقِ پریشانی عرض کیا قدرت
(۴) کہ طاقت اڑ گئی اڑنے سے پہلے میرے شہر کی
- کہا تک روؤں اس کے خیمے کے نیچے قیامت ہے
(۵) مری قسمت میں یارب کیا نہ تھی دیوارِ پتھر کی

(۱) "نکوہش" ملامت۔ "فریادی بیدار دلبر" معشوق کے مظالم کی فریاد کرنے والا۔ "خندہ دندان نما" خندہ ملامت، مضحکہ یعنی معشوق کے فریادی کی اجراء ملامت و مضحکہ ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس فریادی کے لئے صبح قیامت بھی، مسخر کرے!

(۲) اس شعر کے متعلق تلخیص یہ ہے کہ مجنوں کی فصد کھولی گئی تھی اور جذبِ الفت نے یہ اعجاز دکھایا تھا کہ رگ لیلیٰ بھی خونفشاں ہو گئی تھی۔ شعر میں استاد نے اسی جذب کو دوسری طرح ادا کیا ہے۔ کہ وہاں فصد کھلنے سے یہ ہوا اور یہاں اس کا دوسرا پہلو بھی ہے، اپنی مجنوں کے عشق و جذبات سے ساری ادنیٰ نجد معمور ہے، اور اس کی ضرورت نہیں کہ خود مجنوں کی رگ میں نشتر لگے تب لیلیٰ کی رگ سے خون جاری ہو، بلکہ خاکِ دشتِ مجنوں

میں، اگر وہ تھاں بجائے دانہ کے نوک نشتر بودے تو رگ لیلی
مخروح ہو جائے۔

(۳) پرفشانی "اڑنے کے لئے پروں کو حرکت دینا، یا پرتہ تولنا یعنی
اُس کی تاب کہاں کہ ذوق پرفشانی کا ظلم بیان کروں، کیونکہ یہاں
اڑنے سے پہلے ہی بازو کی قوت پرواز کر چکی ہے اور ارادہ سے
قبل ہمت نے جواب دیدیا ہے!!

(۴) مجلس کی گرمی سے، مشاغلِ مجلس کے شروع ہونے کی طرف اشارہ
ہے۔ شمع بھی لوازمِ مجلس سے ہے۔ پیر پروانہ کو کشتی سے "یاد بان"
کہا ہے۔ پس یہ کشتی رواں ہوئی، اور دور چلتے لگا۔

(۵) یعنی خیمہ کے بجائے اگر پتھر کی دیوار ہوئی، تو سر پھوڑ لیتا۔
روتے روتے مدت ہو گئی۔

بے اعتدالیوں سے سبک سب میں ہم ہوئے
جتنے زیادہ ہو گئے اتنے ہی کم ہوئے (۱)

پہناں تھا دامنِ سختِ قریبِ آشیان کے
اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے (۲)

ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے
یاں تک میٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے (۳)

سختی کشانِ عشق کی پوچھے ہے کیا خبر
وہ لوگ رفتہ رفتہ سسر اپا الم ہوئے (۴)

تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہریس
تیرے سوا بھی ہم پر بہت سے شتم ہوئے (۵)

لکھتے رہے جنوں کی حکایات خوں چکاں

(۶)

ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

اللہ سے تیری تندہی جو جس کے ہم سے

(۷)

اجزائے نالہ دل میں مرے رزق ہم ہوئے

اہل ہوس کی فسخ ہے ترک نبرد عشق

(۸)

جو پانوں اٹھ گئے وہی ان کے علم ہوئے

نالے عدم میں چند ہمارے سپرد تھے

(۹)

جو واں نہ بچ سکے سودہ یاں آ کے دم ہوئے

چھوڑی آسدر نہ ہم نے گدائی میں دل لگی

(۱۰)

سائل ہوئے تو عاشق اہل کرم ہوئے

(۱۱) "بے اعتمادی" حد سے تجاوز کرنا "کم ہوئے" سبک ہوئے

ذلیل ہوئے۔

(۱۲) سخت قریب "بہت قریب" یا "دام سخت" جس کی گرفت مضبوط ہو۔

(۱۳) ایسی ہستی جو فنا پذیر ہو، چھوٹی قسم سے زیادہ وقعت و ثبات

نہیں رکھتی ایسا ہم نے اپنی جان دے کر اپنے ٹٹنے کی قسم پوری کر دی۔

(۱۴) "سختی کشاں" مبتلائے مصائب۔ یعنی عشاق اس قدر

سختیوں میں مبتلا رہے ہیں کہ ہمہ تن مصائب ہو گئے ہیں یا

خود ہی تصویر الم بن گئے ہیں۔

(۱۵) یعنی علاوہ آلام عشق کے غم روزگار اور ستم ہائے آسمانی بھی

ہوتے رہے ہیں!

(۱۶) "ہاتھ قلم ہوتا" ہاتھ کٹنا۔ لیکن یہاں یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ

جنوں عشق کے واقعات خونیں لکھتے لکھتے انگلیاں فگار ہو گئیں اور
فگار انگلیوں سے قلم اور خون سے روشنائی کا کام لیا!

(۷) "تندہی" تو "تیزی مزاج"۔ "بیم" خوف۔ رزق کی رعایت سے نالہ
کے اجزاء (مکڑھے) کہتے ہیں "ہم" غم و رنج۔ مطلب ہے کہ تیری
بد مزاجی کے خوف سے، نالے کھینچنا دشوار تھا، نالوں سے غم
پنہاں کو تسکین ہوتی ہے۔ گو غم پنہاں تحلیل ہو کر نالوں میں
نیکلتا ہے اور کم ہوتا رہتا ہے، مگر تیرے خوف سے جب نالے
نہ کھینچے تو غم پنہاں کے لئے اجزاء نالہ رزق ہو گئے گویا غم
پنہاں کی پرورش و زیادتی کے باعث ہوئے!

(۸) "علم" نشاناتِ فسخ مراد ہیں۔ اور پائے فرار کو علم سے تشبیہ دی ہے
اور سچ یہ ہے کہ اہل ہوس مقابلہ عشق سے گریزاں اور میدانِ عشق سے
فرار کو اپنے لئے مفید جانتے ہیں۔ اس لئے ان کی نگاہوں میں،
ایشارہ و قربانی نقصان معلوم ہوتے ہیں۔

(۹) "عدم" سے یہاں ازل مراد ہے۔ یعنی وہی نالے جو اس عالم میں
کھینچے جاتے، یہاں اس عالم میں سانس بن گئے ہیں گویا ہماری
ہستی کی حقیقت اور بناء آلام ہیں۔

۱	تو فسادگی نہاں ہے بہ کمین بے زبانا	جو نہ نقد داغ دل کی کریمہ شعلہ پاسبانی
۲	کبھی کودکی میں جس نے نہ سنی مری کہا	بچھے اس سے کیا توقع، بہ زمانہ جوانی
۳	کہ مرے عدو کو یار سے میری نہ گناہ	یونہی دکھ کسی شینا نہیں خوب تر نہ کہتا

(۱۰) "داغ" کی درجہ ہم سے تشبیہ دیا کرتے ہیں۔ اس لئے نقد داغ
کہا گیا ہے۔ شعلہ سے مراد سوزِ عشق ہے۔ "فسادگی" مر جھانا یا

بیدل و یایوس ہونا۔ یہ کہیں "آڑ میں۔ گھات میں مطلب ہے کہ
اگر نقدِ داغ کی حفاظت شعلہٴ عشق نہ کرے تو فسر دگی جو بے نہانی کی
آڑ میں چھپی ہوئی ہے اُس کو چھپا لے جائے۔ یعنی اگر شعلہٴ عشق باقی
نہ رہے تو بے دلی اور یایوسی داغِ دل پر چھا جائیں۔

(۲) "کو د کی" بچپن۔ بچپن میں قصہ کہانی سننے کا شوق ہوا کرتا ہے۔

(۳) یعنی کسی کو تکلیف دینا اچھا نہیں۔ ورنہ رقیب کے لئے میں ضرور
یہ بددعا کرتا کہ میرے مصائب اُس پر منتقل ہو جائیں۔

۱	اک شمع ہے دلیلِ سحرِ سو خموش ہے	۱	ظلمتِ کدہ میں میرے شبِ غم کا ہوش ہے
۲	مدت ہوئی کہ آشتی چشم و گوش ہے	۲	نے مژدہ وصال نہ نظرِ سارہ جمال
۳	لے شوق یاں اجازتِ تسلیم ہوش ہے	۳	مٹنے کیا ہے حسنِ خود آرا کو بے حجاب
۴	کیا اوج پرستارہ کو ہر فروش ہے	۴	گوہر کو عقدِ گردنِ خواہاں میں دیکھنا
۵	بزمِ خیال، میکرہ بے خبروش ہے	۵	دیدارِ بادہ، حوصلہ ساقی، نگاہِ مست

قطعہ

۶	زہوار اگر تمہیں ہوس ناؤ نوش ہے	۶	لے تازہ وارِ دانِ بساطِ ہوائے دل
۷	میری سنو، جو گوشِ نصیحتِ نیوش ہے	۷	دیکھو مجھے، جو دیدہٴ عبرتِ نگاہ ہو
۸	مطرب بہ لغتہ رہزنِ تمکینِ ہوش ہے	۸	ساقی بہ جلوہٴ دشمنِ ایمان و آگہی
۹	وامانِ باغباں و کتبِ گل فروش ہے	۹	یاشب کو دیکھتے تھے، کہ ہر گوشہٴ بساط
۱۰	یہ جنتِ نگاہ وہ فردوسِ گوش ہے	۱۰	لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صدائے پتنگ
۱۱	سنے وہ سرورِ شور نہ جوشِ خروش ہے	۱۱	یا صبح دم جو دیکھے آکر تو بزم ہیں
۱۲	اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے	۱۲	داغِ فراقِ صحبتِ شب کو جلی ہوئی
۱۳	غالب صریحاً عامہ نوائے نروش ہے	۱۳	آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال ہیں

(۱) "ظلمتگرہ" بیت المحزن۔ عاشق کا گھر مراد ہے یعنی میرے گھر میں ہمیشہ شبِ غم ہی رہتی ہے صبح کی دلیل بجی ہوئی شمع ضرور ہے لیکن میرے گھر کی شمع صبح کی وجہ سے گل نہیں ہوئی بلکہ شبِ غم کی جوشِ ظلمت میں وہ روشن ہی نہ ہو سکی۔

(۲) پہلے دیدار سے آنکھیں کامیاب ہوتی رہتی تھیں اور کانوں کو آنکھوں پر رشک یا آنکھوں سے شکایت محرومی ہوتی تھی لیکن اب مدت ہوئی کہ نہ مژدہ وصل سننے میں آتا ہے نہ نظارہ جمالی یا ریتھر ہے اور آنکھوں اور کانوں میں موافقت ہے یعنی دونوں کا محرومی میں ایک حال ہے۔

(۳) "حسن خود آرا" محبوب سے استعارہ ہے "تسلیم" عربی لفظ ہے جس کے معنی اطاعت یا خود کو حوالہ کر دینے کے آتے ہیں یعنی شراب لے تو ان کو بے حجاب کر دیا۔ اے شوقِ آبِ تجھے بھی اجازت ہے کہ ہوش و ادب کو تو بھی نشہ کے حوالہ کر کے شوخی و گستاخ دستی اختیار کر۔

(۴) "عقد کردن" گلے کا مار یا کنٹھا مراد ہے۔ "ستارہ اوج پر" ہونا خوش نصیبی کے معنوں میں محاورہ ہے۔ ستارہ اور موتی کی تشبیہ ظاہر ہے یعنی معشوقوں کے گلے میں موتی دیکھ کر گوہر فروش کے ستارہ کا اوج ظاہر ہوتا ہے۔

(۵) "بزم خیال" یعنی عالم خیال میں محفل کا تصور "بے خروش" بے ہنگامہ۔ بے شور و غل۔ یعنی بزم خیال میں نظارہ شراب مست نگاہ، ساغر طلبی، اور ساقی کا حوصلہ عالی یا ساغر

دینے میں عالی حوصلگی ہے۔ اور یہ ایسا میکر ہے جس میں
شور و غل بھی نہیں۔

(پتا ۱۲) "تازہ واردان" نئے آنے والے۔ "بساط" فرش۔ "مستند"
"ہوا سے دل" ذوق و شوق یا ولولہ ہونے والے۔ "دلی" "دہانہ" کلمہ نفی
موکر۔ "ناؤ نوش" مئے نوشی اور سماع۔ "دیرہ عبرت نگاہ" وہ
آنکھ جو بربادیوں کے آثار سے عبرت حاصل کرے۔ "گوشن
نصیحت نبوش" وہ کان جو نصیحتوں کو سنتیں۔ "ساقی بجلوہ" ساقی
جلوہ نہاتی کے عالم ہیں۔ "ایمان و آگہی" دین و عقل۔ "مطرب نغمہ"
مطرب جب نغمہ سرا ہوا گانے کے عالم ہیں۔ "رہزنی" چور۔ یہاں
باطل کر دینے والا مراد ہے۔ مطلب ہے کہ اے وہ لوگو کہ تمہارے
دلوں میں ذوق و شوق اور ولولہ تازہ تازہ پیدا ہوئے ہیں۔
محفل سازی۔ مئے نوشی اور نغمہ و ساز کی ہوس ہے۔ اگر تمہاری
آنکھیں عبرت نگاہ ہیں تو مجھے دیکھو اور عبرت پکڑو اور اگر تمہارے
کانوں میں نصیحت سننے کی اہلیت ہے تو میری نصیحت سنو کہ
جلوہ ساقی ایمان و عقل کا دشمن ہے۔ اور نغمہ مطرب ضبط و
ہوش کو برباد کر دیتا ہے۔ ہم پر تو یہ گزری کہ رات تو یہ دیکھا کہ
فرش محفل کا ہر کونہ پھولوں سے بھرا ہوا دامن یاغبان یا پھول
نیچتے والے کا پھولوں بھرا لٹکتا تھا۔ ساقی کے لطف خرام نے جنت
کی گل تراشیاں اور گل کاریاں پیش نظر کر دی تھیں اور کیفیت
ساز نے کانوں کو بہشتی سرور سے معمور کر دیا تھا صبح کے وقت
جو یزیم کا عالم دیکھا تو مسرت۔ گرمی محفل۔ اور ہنگامہ عیش و طرب

کچھ بھی نہ تھا۔ ایک جلی ہوئی شمع باقی ہے اور پھر وہ بھی خاموش گویا
 صحتِ شب کے فراق کا داغ کھاتے ہوئے ہے۔
 (۱۳) ”ضریر خامہ“ قلم کی آواز ”نوائے سروش“ پیغام و
 صدا کے غیب۔

۱	نہ ہوتی گر مرے مرنے سے تسلی، نہ سہی	۱	امتحان اور بھی باقی ہے تو یہ بھی نہ سہی
۲	خارِ خارِ المِ حسرتِ دیدار تو ہے	۲	شوقِ گلچینِ گلستانِ تسلی نہ سہی
۳	مے پرستانِ خمِ مے مُنہ سے لگائے ہی بنے	۳	ایک دن گر نہ ہوا بزم میں باقی نہ سہی
۴	نفسِ قیس کہ ہے چشم و چراغِ صحرَا	۴	گر نہیں شمعِ سببِ خانہ لیلیٰ نہ سہی
۵	ایک ہنگامہ یہ موقوف ہے گھر کی رونق	۵	نوحہ غم ہی سہی نغمہ شادی نہ سہی
۶	نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پروا	۶	گر نہیں پیل مرے اشعار میں معنی نہ سہی

عشرتِ صحبتِ خواب ہی غنیمت سمجھو
 نہ ہو گی غالب اگر عمرِ طبعی نہ سہی

(۲) گل و خار دونوں مقابلہ کی چیزیں ہیں، یاد و نول ایک ہی رخت
 کی پیداوار ہیں۔ یعنی المِ حسرتِ دیدار کے کاٹنے کی ٹہنی تو ہے اگرچہ
 شوق کو گلچینی جمالِ میسر نہیں!

(۳) آہ نالہ کو شعراء شرار لکھا کرتے ہیں، اور چراغ و شمع میں بھی
 شعلہ ہوتا ہے اور آنکھ، چراغ اور شمع وغیرہ نور میں شریک ہیں
 اور ان میں ہی وجہ شبہ ہے۔ اور عشاق کے عقیدہ میں جہاں
 شمع عشق کی روشنی نہ ہو، وہاں آفتاب و شمع بھی بے نور و تاریک
 ہیں۔ اسی اعتبار کو لیلیٰ کے گھر کو ”سببِ خانہ“ سے تعبیر کیا ہے
 مطلب یہ ہے کہ گرچہ سببِ خانہ لیلیٰ کو شمعِ نفس قیس میں میسر نہیں،

جو تو اغیار کے گھر جانے کے لئے بناؤ سنگھار کرتا ہے تو ہم سے
وعدہ خلائی کا داغ آئینہ کے ہائے اور زیادہ نمایاں ہو جانا
چاہیے۔

(۳۴) یعنی ہوسوں میں اُنچ کر عاقبت برباد نہ کر۔ عجز یا ترک طلب
ہی میں سلامتی اور راحت ہے۔

(۳۵) یعنی وہ وفا پرورد محبوب تو پیش نظر ہو اور عشق صادق نہ
ہو۔ ایسا ہے کہ جو ہم بہار ہو اور مصنوعی دیوانگی تو بھلا محبوب
کیا ہاتھ آسکتا ہے۔ اور بہار سے کیا لطف حاصل ہو سکتا ہے۔

لاغر آتشا ہوں، کہ گر تو بزم میں جا دے مجھے

(۱)

بیراؤ متہ دیکھ کر گر کوئی بتلا دے مجھے

کیا تعجب ہے کہ اس کو دیکھ کر آجائے رزم
واں تلک کوئی کسی چیلے سے پنچا دے مجھے

(۲)

منہ نہ دکھلا دے نہ دکھلا، پر باندا ز عتاب

(۳)

کھول کر پردہ ذرا آنکھیں ہی دکھلائے مجھے

یاں تلک میری گرفتاری سے وہ خوش ہے کہ میں
زلف گر بن جاؤں تو شانہ میں الجھا دے مجھے

(۴)

(۳۶) یعنی تجھ کو منہ دکھا۔ منہ میں منہ ہے اور منہ دکھلا دینے کے لئے

خفا ہوتا ہے تو آنکھیں ہی دکھا دے کیونکہ غصہ میں آنکھیں ہی

دیکھائی جاتی ہیں

ہوتا ہے شب و روز تماشا کے آگے

اک بات ہے اعجازِ مسیحا میرے آگے

از میری اطفال سے دنیا میرے آگے

کے کھیل ہے اور رنگِ سلیمان میرے نزدیک

۳	جو نام نہیں صورت عالم مجھے منظور	۳	جو وہم نہیں سستی اشیا مرے آگے
۴	ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرے ہوتے	۴	گھستا ہے جہیں خاک پہ دریا مرے آگے
۵	مت پوچھ کہ کیا حال ہے، میرا ترے پیچھے	۵	تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے ترے آگے
۶	سچ کہتے ہو خود ہیں خود آراہوں، کیوں ہوں	۶	بیٹھا ہے بُت آئینہ میں مرے آگے
۷	پھر دیکھئے اندازِ گل افشانی گفتار	۷	رکھ دے کوئی پیمانہ صہبائے آگے
۸	نفرت کا گماں گزرے ہے میں رشک ہو گزرا	۸	کیونکر کہوں بونام نہ ان کا مرے آگے
۹	ایمان مجھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر	۹	کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے
۱۰	عاشق ہوں پہ معشوق فریبی ہے مرا کام	۱۰	مجنوں کو برا کہتی ہے لیلیٰ مرے آگے
۱۱	خوش ہوتے ہیں پر وصل میں یوں مر نہیں جاتے	۱۱	آئی شب بھجران کی تمنا مرے آگے
۱۲	ہے موجزن اک قلمِ مخوں کا شہی ہو	۱۲	آتا ہے ابھی دیکھئے کیا کیا مرے آگے
۱۳	گو ہاتھ کو جنبش نہیں کہہ سکوں میں تو دم ہی	۱۳	رہنے دوا بھی ساغر و مینا مرے آگے

ہم پیشہ وہم مشرب و ہمارا ہے میرا
غائب کو پرا کیوں کہوا چھامے آگے

۱۴

(۱) یعنی دنیا کو بازی گاہ سمجھتا ہوں اور انقلابات و حوادث کو کھیل
(۲) دنیا وہی جاہ و چشم و دھوکہ سلسلے ہیں اور موت و حیات چٹکے۔
(۳) یعنی عالم کے اشکال و صورت بڑے نام ہیں۔ اور اشیا کا
وجود وہم۔

(۴) یعنی میرے خاک اُڑانے سے صحرا چھپ جاتا ہے۔ اور میرے
گریہ کے مقابل دریا اظہارِ غجز کرتا ہے۔

(۵) یعنی یہ تو نہ پوچھ کہ تیرے بھر میں مجھ پر کیا گزرتی ہے بلکہ یہ
دیکھ کہ موجودگی اور وصل میں تو کیا تلاقی کرتا ہے۔

(۱۰) یعنی تم جو مجھے خود بین و خود آرا کہتے ہو سچ کہتے ہو۔ کیوں مفروضہ خود بین نہ ہوں کہ ایسا معشوق آئینہ سیما میرے سامنے بیٹھا ہوا ہے۔

(۱۱) یعنی پھر دیکھئے میرے منہ سے کیسے پھول بھڑکتے ہیں۔ ذرا جام شراب میرے سامنے رکھ دو کہ طبیعت بحال ہو جائے۔ (۱۲) یعنی لوگ اس کا نام لیتے ہیں اور مجھے رشک ہوتا ہے کہ اس کا نام یہ کیوں لے رہے ہیں۔ تاہم منع بھی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ نام سے نفرت تو ہے نہیں۔

(۱۳) یعنی میں دیوانوں کی طرح عشق نہیں۔

(۱۴) یعنی وصل میں خوش تو ہوتے ہیں۔ لیکن مرگِ شادی نہیں ہوتا۔ شبِ ہجر کی تمنا گویا بڑا بول بھلی۔

(۱۵) یعنی رونے میں ایک دریا خون رواں ہے۔ کاش اسی پر مصائب کا خاتمہ ہو جائے، ابھی نہ معلوم کن کن مصیبتوں سے سابقہ ہوتا ہے۔

کہوں جو حال، تو کہتے ہو، دعا کہئے	۱	تم ہی کہو کہ چہ تم یوں کہو تو کیا کہئے
نہ کہیو طعن سے پھر تم کہ ہم سنگر ہیں	۲	مجھے تو جو ہے کہ جو کچھ کہو، بجا کہئے
وہ بیشتر سہی، پردل میں جب اتر جائے	۳	نگاہِ ناز کو پھر کیوں نہ آشنا کہئے
نہیں ذریعہٴ راحت جراحِ پریکاں	۴	وہ زخمِ تیغ ہے جس کو کہ و لکشا کہئے
یہ مدعی بنے اس کے نہ مدعی بنے	۵	جو تا سہرا کہئے اس کو نہ تا سہرا کہئے
اس حقیقت جانکا ہی مرض نکھئے	۶	کہیں مصیبتِ ناساز نہی دوا کہئے
ہاں شکایتِ پنج گراہی نشیں کیجئے		کہیں حکایتِ صبر گریز پا کہئے

۸	رہے نہ جان تو قاتل کو جو بہا دیجئے	کٹے زبان تو خنجر کو مرجھا کہئے
۹	نہیں نگار کو الفت، نہ ہو نگار تو ہے	روانی روشش و مستی ادا کہئے
۱۰	نہیں بہار کو فرصت، نہ ہو بہار تو ہے	طراوت چمن و شوبی ہو کہئے

سفینہ جبکہ کنارے پہ آگیا غالب
خدا سے کیا ستم و جور نا خدا کہئے

(۱۱) یعنی جب حال کہنا چاہتا ہوں تو آپ فرماتے ہیں کہ مطلب کہئے۔ مدعا کہئے۔ عبارت مختصر۔ حاصل کلام۔ یعنی کچھ نہ کہئے اب آپ ہی کہئے کہ جب آپ ہی ہمارا حال نہ سنیں تو ہم کیا کریں۔

(۱۲) یعنی جو دل میں جگہ کر لے وہ دوست ہے۔ چاہے نشتر نگاہ نازہ ہی کیوں نہ ہو۔

(۱۳) یعنی تیرے زخم سے کچھ نہیں ہوتا۔ انشراحِ قلب تو تلوئے کے زخم سے ہوتا ہے۔

(۱۴) یعنی لڑنے والے سے لڑائی مول نہ لو۔ جواب نہ دو اور بڑا کہئے والے کی بھی سن لو۔

(۱۵) یعنی نشاۃِ حوادث ہوں۔ کبھی مرض کی جانکاہی ہے کبھی دوا کی ناموافقیت ہے۔ کبھی یار کی شکایت ہے۔ کبھی رخصت صبر و ضبط کا اظہار ہے۔ غرض کہ یوں گزرتی ہے۔

(۱۶) یعنی اگر جان جائے تو قاتل کو بخش دو۔ اور زبان کہئے تو خنجر کو مرجھا کہو۔ ہر صورت ظلم کی لذت اٹھاؤ۔

(۱۷) یعنی معشوق کو محبت نہیں، نہ سہی، یہ کیا کم ہے کہ وہ معشوق

ہے اُس کی سنگدلی سے اُس کے خرام نازاں کے حُسن گفتار و رفتار
اور اُس کے متواسے پن پر کب حرف آسکتا ہے۔

(۱۰) یعنی بہار کو اگر قیام و ثبات نہیں، نہ سہی، بہار تو ہے۔ چمن کی
شاوہانی اور ہوا کی لطافت کیا کم ہے۔

(۱۱) یعنی گذری ہوئی مصیبت کا دہرانا بھی مصیبت کا تازہ
کر لیتا ہے۔

رُونے سے اور عشق میں بے باک ہو گئے
دھوئے گئے ہم اتنے، کہ بس پاک ہو گئے

(۱) صرف بہائے سے ہوئے آلاتِ مے کشی
تھے یہی دو حساب، سولیوں پاک ہو گئے

(۲) رسوائے دہر کو ہوئے آوارگی سے تم
بارے، طبیعتوں کے تو چالاک ہو گئے

(۳) کہتا ہے کون نالہ بلبل کو بے اثر
پردہ میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے

(۴) پوچھے مے کیا، وجود و عدم اہل شوق کا
آپ اپنی آگ کے خس و خاشاک ہو گئے

(۵) کرنے گئے تھے اُس سے تفاعل کا ہم گلہ
کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے

(۶) اس رنگ سے گل اُس نے اٹھائی استار کی نیش
دشمن بھی جیسے کو دیکھ کے غمناک ہو گئے

(۷) یعنی کہتے ہیں، غم سے اب ہاتھ کا دھو دھو نہیں۔

(۳) ”ہا“ قیمت آلات میکشی“ مینوشی کے ظروف یعنی ساغرو مینا
 بیچ کر شراب پی لی۔ اب چون کہ شراب کی قیمت ادا کرنے کو کچھ
 نہیں رہا۔ گویا شراب کا جھگڑا مٹا۔ شراب گئی۔ ساغرو مینا
 باک گئے۔ قصہ پاک ہوا۔

(۴) یعنی یہ جگر ہی پھولوں کے لباس و صورت میں تھے جو نالہ
 ببل سے چاک ہوئے یا پھولوں کا کھلنا بھی چاک جگر کے
 مماثل ہے۔

(۵) یعنی اہل شوق کے عدم وجود کے متعلق سوال ہی کیا۔ یہ
 سمجھو کہ اپنی ہی آگ میں آپ جل گئے یا خود ہی آگ تھے اور خود
 ہی جلنے والے۔ یا جن کے وجود میں عدم تھا اور جن کا عدم ہی
 وجود تھا۔

(۶) یعنی ہم تو ان سے تغافل اور کم نگہی کا شکوہ اور التفات و
 یگانگت کا مطالبہ کرنے گئے تھے۔ انہوں نے جو نظر ڈالی۔
 بجلی گری۔ خاک ہو گئے۔ کچھ تھا ہی نہیں۔
 (۷) یعنی کچھ ٹھوکرین لگائیں۔ الزام کر دیا۔ غرض کہ خوب گت
 بنائی۔

نشدہ شاداب رنگ و ساز ہا مست طرب
 شیشہ سے سرو سبز چہنبارہ نغمہ ہے
 ہم نشیں مدت کہہ کہ برہم کرنے یزم عیش و ورس
 واں تو میرے نالہ کو بھی اعتسار نغمہ ہے
 (۱) نغمہ آواز کے مدوجزا اور دریا روانی میں شایہ ہے۔ ہی چہنبارہ

سے نغمہ کو جو تبارِ نغمہ کہا ہے۔ پھر اس رعایت و ملازمہ سے شیشہ
مٹے کو سرو سے تشبیہ دی ہے۔ اور سرو کی توصیف بہتر ہے۔ اب
شیشہ مٹے سرو بہتر جو تبارِ نغمہ ہو گیا۔ اور جب شیشہ سرو بہتر
ہے تو یہ سرو بہتری دلیل ہے کہ نشہ کا رنگ شاداب و تازہ ہے
اور بالخصوص شادابی اور سرو بہتری سے مست مسرت ہو کر
نغمہ سنج ہو گئے ہیں۔

(۱۲) یعنی "نغمہ بن جاتا ہے گردانِ نالہ میرا جائے ہے۔"

عرضِ نازِ شوخی و داناں، براٹھے خندہ ہے

(۱)

دعوئے جمعیتِ احبابِ جاٹے خندہ ہے

ہے عدم میں غنچہ جو عبرتِ انجمِ گل

(۲)

یک جہاں زانو تال در قہمانے خندہ ہے

کلفتِ افسردگی کو عیشِ بے تابی حرام

(۳)

ورنہ داناں و زولِ افشردنِ ثنائے خندہ ہے

سوزشِ باطن کے ہیں احبابِ منکر و دنیاں

(۴)

دلِ محیطِ گریہ و لبِ آعشائے خندہ ہے

(۱) "عرض" اظہار۔ "تازہ" خوبی۔ "داناں" اور جمعیتِ احباب میں

رعایت ملحوظ ہے۔ یعنی دانتوں کی خوبی کا اظہار ہنسی پر موقوف

ہے۔ یا ہنسی میں دانتوں کی خوبی ظاہر ہوتی ہے اور احباب

ہنسنے بولنے کے لئے جمع ہوا کرتے ہیں گویا یہاں جمعیت کا

مقصود ہنستا ہوتا ہے اور وہاں ہنسی میں خوبی ظاہر ہوتی ہے

دونوں کی حقیقت ہنسی پر ہے۔ یعنی معنیٰ مستحکم و استہزا و ہجو

یہ ہے کہ اس جہیت عالم پر تفریق مہنتی ہے۔

(۲) غنچہ جب کھل گیا۔ پھول ہو گیا۔ گویا غنچہ کا وجود نہ رہا۔ عدم میں چلا گیا اب اس جہان میں غنچہ پھول کے اس انجام پر کہ اب یہ کیفیت بھی نہ رہے گی اور مرجھا کر خاک میں مل جائے گا۔ محو عبرت ہے۔ دوسرے مصرعہ میں زانو سے محویت کا اور مثال سے عبرت انجام کا اشارہ ہے۔ مطلب ہے کہ ہر مقدمہ ایش اور ہر متنہ مسرت ایک زانو سے فکر انجام اور ایک جہاں محویت عبرت رکھتا ہے۔ گویا بے تعداد مصیبتوں کے بعد ایک معمولی اور فانی مسرت پیسر آتی ہے یا عالم عدم سے ایک ایسا وجود پیدا ہوتا ہے جو معدوم ہونے والا ہے اور یہ مثال ہے۔ ارکان بین العدمین کی۔

(۳) کلفت افسردگی "افسردگی کی تکلیف" عیش بیتابی۔ بیتابی کی راحت۔ یہ ظاہر ہے کہ افسردگی اور بے دلی کی کلفت سے بیتابی واضطراب کا ہنگامہ بہتر ہے۔ افسردگی کی پٹانا امیہ پر ہوتی ہے اور بیتابی کا جوش امیہ پر۔ عیش کی طلب خواہ بیتاب کر دینے والی ہی کیوں نہ ہو عیش ہے۔ اور نا امیدی کی محرومی خواہ صورت سکون ہی کیوں نہ ہو کلفت ہے۔ ورنہ دردل افسردن سے بیتابی مراد ہے۔ اور بعضی طور پر یہ کہ جب دل میں گڑبے کے تو زخم ہو جائیں گے اور شکاف زخم کی تشبیہ ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ بیتابی جس کو زناں دردل افسردن سے کلفت اور بیتابی سے عیش ہے۔ اور عیش بیتابی

کلفتِ افسردگی کو حرام ہے۔ یعنی کلفتِ افسردگی کو بیٹابی اور غم بھی بیسر نہیں ہوتے بلکہ یکسر الحم جاوید ہوتی ہے۔
(۴) ”سوزِش باطن“ سوزِ نہاں۔ اس شعر میں لطف یہ ہے کہ دل میں سوزِ نہاں اور دل محیطِ گریہ میں ڈوبا ہوا درخیں جمع کر دی ہیں۔ مطلب ہے کہ سوزِ غم نے ہمارے دل کو بھر گریہ نہیں ڈلو دکھائے گو ہماری صورتِ بشاشت ہے۔

۱	حسن بے پروا، خردار، متاعِ جلوہ ہے	۱	آئینہ زانوئے فکرِ اشعارِ جلوہ ہے
۲	تا کجا ہے آگہی رنگِ تماشا با ختن	۲	چشم و اگر دیدہ آغوشِ دواعِ جلوہ ہے

(۱) ”حسن بے پروا“ معشوقِ بے پروا، ”متاع“ جنس۔ خریدار کی رعایت ہے۔ جلوہ سے نمود و تجوئی مراد ہے۔ اور خود تہائی بغیر خود آرائی کے ناممکن ہے۔ لہذا آئینہ میں بناؤ سنگھار ہو رہا ہے۔ زانو کو شعراء آئینہ لکھا کرتے ہیں۔ آرائش کی طلب اور آئینہ کی ضرورت کی مناسبت زانو کے ساتھ فکر کا اضافہ کیا ہے۔ گویا آئینہ کی احتیاج زانو سے فکر ہے مطلب ہے کہ وہ حسن بے پروا خود آرائی پر مائل ہوا ہے۔ اور آئینہ زانوئے فکر بن گیا ہے اور طرح طرح کے آرائش و نمود کے طریقے سوچتا اور ایجاد کرتا ہے۔

(۲) ”تا کجا“ کب تک۔ ”آگہی“ عقل۔ ”رنگِ تماشا با ختن“ بدل جانے والے رنگوں اور انقلاب پذیر صورتوں کا نظارہ تماشا مراد ہے۔ ”چشم و اگر دیدہ“ کھلی ہوئی آنکھ۔ ”آغوشِ دواعِ“ کی تشبیہ ہے مطلب ہے کہ اسے عقلِ نظارہ عالم میں کب تک مہلت دے

ہے گی۔ بس یہ سمجھ لینا چاہئے کہ عالم کو قیام و ثبات نہیں
اس پر آنکھیں کھولنا۔ بدل جانے والے منظروں کے لئے آغوش
و دل کے مثل ہے کہ دیکھتے ہی دیکھتے منظر بدل جاتا ہے۔

۱	جب تک وہاں زخم نہ پیدا کرے کوئی	۱	مشکل کہ تجھ سے راہ سخن ڈاکرے کوئی
۲	عالم غبار و حشت تجھوں سے سر بسر	۲	کب تک خیالی طرہ لیلہ کرے کوئی
۳	افسردگی نہیں طرب انشاء التفات	۳	ہاں درد بکے دل میں مگر جا کرے کوئی
۴	رونے سے اسے نیم، ملامت نہ کر مجھ سے	۴	آخر کبھی تو عقدہ دل وا کرے کوئی
۵	چاک جگر سے جب رہ پریش نہ وا ہوئی	۵	کیا فائدہ کہ حبیب کو رسوا کرے کوئی
۶	نخت جگر سے ہے رگ ہر خار شاخ گل	۶	تا چند باغبانی صحر کرے کوئی
۷	ناکامی نگاہ ہے برق نظارہ سوز	۷	تو وہ نہیں کہ تنگدست شاکرے کوئی
۸	ہر سنگ و خشت ہے صدف گوہر شکست	۸	نقصان نہیں جنوں سے جو سودا کرے کوئی
۹	سر بر ہوئی نہ وعدہ صبر آزا سے عمر	۹	فرست کہاں کہ تیری تمنا کرے کوئی
۱۰	ہے وحشت طبیعت ایسا دیا س خیز	۱۰	یہ درد وہ نہیں کہ نہ پیدا کرے کوئی
۱۱	بیکار ٹی جنوں کو ہے سر پیچے کا شغل	۱۱	جب ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پھر کیا کرے کوئی

حسن فروغ شمع سخن دور ہے اسد
پہلے دل گداختہ پیدا کرے کوئی

۱۲

(۱) یعنی جب تک تیغ عشق سے زخمی نہ ہو۔ یا جب تک غم عشق دل
کو زخمی نہ کر دے اس سے بات کرنی ناممکن ہے۔ گویا تجھ سے
ہم کلامی کے لئے یہ وہن نہیں بلکہ وہن زخم کی ضرورت ہے۔
(۲) مقصود کلام "طرہ لیلہ" کا استعارہ ہے، اسی کی رعایت تلخی
سے جنوں "استعمال کیا ہے رافضی" لیلہ کا مفہوم محض معشوق حقیقی

ہے "طرہ" زمینت و آرایش کی چیز ہے، اور اضافات حسن نہیں سے
ہے۔ بعض لوگ دنیا کو "پرتو جمال الہی" سمجھتے ہیں، گو یا "کیلی" ذات
اور "طرہ" لیے "پرتو ذات" کائنات کی بے ثباتی، اور اس کے تغیرات
بدیہی امور ہیں۔ "وحشت" بھی گریز و فراری کی کیفیت ہے۔ اس کے
موجودات بے ثبات کو بالفاظ دیگر "غبار وحشت" کہنا چاہیے۔ مطلب
شاعر یہ ہے کہ اس عالم کے اشکال فانی اور آثا بے بود کو "غبار وحشت"
مجنوں، "تو کہہ سکتے ہیں۔ لیکن اس کو تجلیات ذات باقی "طرہ" لیے
کیونکر قیاس کر لیں؟

(۳) "طرب انشاء التفات" التفات سے مسرت حاصل کرنا۔ یعنی
افسردگی اور غم و غی سے مسرت التفات حاصل نہیں ہوتی
ہاں درد کی کنجائش ضرور ہوتی ہے اور میرے دل افسردہ میں
کوئی درد ہی بن کر جگہ کر سکتا ہے۔

(۴) یعنی جگر شوق ہو جانے پر تو کسی نے پوچھا نہیں۔ محض جیت گیا
پھاڑنے سے کیا فائدہ۔ معرفت کی رسوائی ہے۔

(۵) یعنی جگر کے ٹکڑے آنسوؤں میں نکل کر نوک خار میں چھو
گئے ہیں اور ہر کانٹا شلخ اور لخت جگر پھول معلوم ہوتے ہیں۔
کھینچے گئے تک یہ باغبانی صحرانہ ہوتی رہے گی۔

(۶) یعنی شہرہ فخر کے بالمقابل آنکھیں خیر ہو جاتی ہیں۔ گویا جمال
برقی نظارہ سوز ہے۔ آفتاب سے کمال اشراق میں نگہ نہیں
لائی جاسکتی۔ اس لئے کمال ظہور کو کمال خفا کہا جاتا ہے۔ پس اس
ذات انوار و تجلیات کو کون دیکھ سکتا ہے۔ یعنی خود آب و تاب جلوہ

- نگاہ کو دیر سے محروم کر دیتی ہے پھر تجھ کو کون دیکھ سکتا ہے۔
- (۸) مقصود گو گوہر مقصود، عام طور پر کہا جاتا ہے، یہاں مقصود جزون کر کے محض گوہر استعمال کر دیا ہے اور شعر میں محض لفظی رعایت بھائے استدلال کے ہے۔ لڑکے دیوانوں کے پتھر مار رہے ہیں جس سے حاصل مقصود شکست ہوتی ہے یعنی یہ گوہر شکست صرف سنگ و خشت سے نکلتا ہے۔ تو گویا جنون سے معاملہ کرنے میں کوئی نقصان نہیں کہ اینٹ پتھر کے بدلے یہ موتی ہاتھ آتا ہے۔
- (۹) یعنی وعدہ صبر آزمائی مدت فرصت عمر سے طویل تھی۔ گویا زمانہ صبر طویل تھا اور عمر کم۔ پس اتنی فرصت کہاں کہ تیری کوئی تمنا کرے کیونکہ عمر تو آزمائش صبر ہی سے چلے ختم ہو جاتی ہے۔
- (۱۰) یعنی اس عالم ایجاد کی طبیعت میں یا ممکنات کے خاصہ میں وحشت و بیگانگی ہے اور اس سے توقع رکھنی جھٹ ہے۔ اور یہ وحشت و بیگانگی ایسا درد نہیں ہے جو کوئی پیہرا کرے۔
- (۱۱) مفہوم یہ ہے کہ ایک ہٹلائے الم، مشاغل الم پورے رہا بھی بچو رہو، تو پھر کیا کرے!
- (۱۲) یعنی کلام میں اثر نہیں ہوتا۔ جب تک کہ دل میں درد نہ ہو۔

۱	ابن مریم ہوا کرے کوئی	میرے دکھ کی دوا کرے کوئی
۲	شرع قاتلین پر مار سہی	ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی
۳	چال جیسے کڑی کمان کا تیر	دل میں ایسے کے جا کرے کوئی
۴	بات پرواں زبان کھتی ہے	وہ کہیں اور سُنا کرے کوئی
۵	بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ	کچھ نہ سمجھ سنا کرے کوئی

۶ نہ سُنو گر بُرا کہے کوئی	۷ نہ کہو گر بُرا کرے کوئی
۸ روک لو گر غلط چلے کوئی	۹ بخش دو گر خطا کرے کوئی
۱۰ کون سے جو نہیں ہے عاجز مند	۱۱ کس کی حاجت روا کرے کوئی
۱۲ کیا کیا خضر نے سکنا رکھے	۱۳ اب کسے منسا کرے کوئی
<p>۱۰ جب توقع ہی اٹھ گئی غالب کیوں کسی کا نگہ کرے کوئی</p>	
<p>(۱) یعنی ہمیں کیا کوئی اعجاز عیسوی رکھتا ہے تو رکھا کرے ہمارے درو کی لگر کوئی دوا کرے تو ہم اُس مسیحا سمجھیں۔ (۲) یعنی شرع اور قانون پر فیصلہ نہ ہو جائے لیکن جو قتل کرنے ہیں وہ آلات ہلکے ہی استعمال نہ کرتا ہو جو قانونی گرفت میں آسکیں تو ایسے قاتل کا کوئی کیا کر سکتا ہے۔ (۳) کڑی کمان کے تیرے تیر رفتار ہی کی تشبیہ دیتے ہیں۔ یعنی بے جھجک۔ بے محابا۔ زور و خرام۔ جو گزر گاہ کے فریادوں کی فریاد بھی نہ سنتا ہو۔ اور جو سردار کے بھلوں پر نظر بھی نہ ڈالتا ہو بلکہ مغرورانہ گزر جاتا ہو۔ ایسے کے دل میں کوئی کیا جگہ پیدا کر سکتا ہے یا ایسے کے دل میں جگہ پیدا ہو تو بات ہے۔ (۴) یعنی خود آبِ حیات پی لیا۔ اور سکنا رکھو محروم رکھا۔ جب خضر جیسے شخص نے یہ کیا تو کسی دوسرے رہنما سے کیا توقع ہو سکتی ہے۔ (۵) یعنی جب اُمید ہی نہیں تو شکایت کیسی۔</p>	
۱ بہت سہی غم گیتی، شراب کم کیا ہے	۲ غلام ساقی کوڑھوں مجھ کو غم کیا ہے
۳ تمہاری طرزِ روش جلتے ہیں ہم کیا ہے	۴ رقیب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے

سخن میں خامہ غالب کی آتش نشانی
یقین ہے ہلکے بھی لیکن اب اس میں تم کیا ہے

(۱) یعنی کتنا ہی غم روزگار کیوں نہ ہو ساقی کوثر کا غلام ہوں۔ شراب
جنت (جس میں سرور و خلل کی کیفیت ہوتی ہے) کا ایک کھونٹا سارا
انکار زمانہ کو بھلا دے گا۔

(۲) یعنی تمہاری عادت ہم خوب جانتے ہیں کہ ہمیشہ جھوٹے
مردعیاں عشق کی قدر کرتے ہو۔ یا ہمارے دکھانے اور ستانے کو اور
پر مہربانیاں کرتے رہتے ہو۔ پس رقیب پر اگر مہربانی ہے تو یہ
کوئی نئی بات نہیں۔

(۳) یعنی غالب کے کلام سے سوز عشق تو مترشح ہوا کرتا ہے مگر
اب وہ زمانہ سوز ہی کہاں۔

۱	باغ پاکر خفقانی یہ ڈراتا ہے مجھے	۱	سایہ شاخ گل، افعی نظر آتا ہے مجھے
۲	جو ہر تنگ بہ سرچشمہ دیگر معلوم	۲	ہوں میں سبزہ کہ زہراب اگاتا ہے مجھے
۳	دعا محو تماشا شے شکست دل ہے	۳	آئینہ خانہ میں کوئی شے باتا ہے مجھے
۴	نالہ سراپہ یک عالم و عالم کف خاک	۴	آسماں بیضہ قمری نظر آتا ہے مجھے
۵	زندگی میں تو وہ بھل سے اٹھا دیتے تھے	۵	دیکھو اب مرگئے پرکون اٹھاتا ہے مجھے

(۱) "سایہ شاخ" اور "افعی" میں تشبیہ ہے۔ مطلب ہے کہ باغ بھی
مجھے خفقانی سمجھ کر ڈراتا ہے اور سایہ شاخ گل افعی معلوم ہوتا ہے
"یہ" کا اشارہ بہت بے ساختہ ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ
"یہ سانپ" نکلا۔

(۲) "زہراب" آب حیات کا ضد۔ جو ہر کو سبزہ سے تشبیہ دیتے ہیں۔

اور تلوار کو نہ ہر میں بچھایا کرتے ہیں۔ گویا نہ ہر آب تیغ پر سبزہ چہر
 آگتا ہے۔ مطلب ہے کہ جس طرح سبزہ چہر سوائے نہ ہر آب
 تیغ کے کسی ہر چشمہ پر نہیں آگ سکتا۔ میری ہستی ممکنہ بھی
 ایسی ہے جس کی نشوونما سر زمین عارم و ملاکت پر ہوتی ہے۔
 (۴) دل کو آئینہ لکھتے ہیں۔ اس لئے ٹوٹے ہوئے دل کے ٹکڑوں
 سے آئینہ خانہ مراد ہے۔ اور دل ٹوٹنا ناکامی کے اعتبار پر ہے
 مطلب ہے کہ مقصد تو پورا نہیں ہوا دل ٹوٹ گیا اور اب وہی
 مدعا لئے محروم اس آئینہ خانہ کی سیر کر رہا ہے۔

(۵) اپرند کو مشیت پر کہتے ہیں۔ لیکن قمری کارنگ چوں کہ خاکی
 ہوتا ہے اس لئے اس کو کف خاک یا کف خاکستر لکھا کرتے ہیں
 مصرعہ اولیٰ میں جو کف خاک سے اس سے عالم کے ہیج ہونے
 کا اشارہ ہے۔ اور اسی کف خاک کی رعایت سے قمری استعمال
 ہوا ہے۔ اور آسمان کو تحقیراً بیضہ قمری کہا گیا ہے۔ مطلب ہے
 کہ اس دنیا سے پُر فساد کا حاصل غم ہے۔ دنیا ہیج و بے ثبات
 ہے اور یہ گنبد نیلی مسیری نگاہ میں بیضہ قمری سے نہ پاؤ
 وقوت نہیں رکھتا۔ جس سے فسادات غم پیدا ہوتے رہتے ہیں
 (۶) یعنی زندگی میں تو وہ محفل سے اٹھا دیا کرتے تھے۔ اب زبان
 سے تو کام چلتا نہیں دیکھئے نقش کون اٹھاتا ہے۔ کاش اب
 وہ ہاتھوں سے کام لیں۔

۱	معدی ہوئی ہے کو کیہ شہر یار کی
۲	جب اس کے دیکھنے کے لئے آئیں باطل
۱	اتراٹے کیوں نہ خاک سیر راہ گذار کی
۲	لوگوں میں کیوں نمود نہ ہوا لہ زار کی

۳	بھوکے نہیں ہیں سیر گلستان کے ہم ڈلے کیونکر نہ کھائے کہ ہوا ہے ہمار کی
---	--

(۱) کو کیہ گھوڑا۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان، لیکن پھر بھی کم نکلے

(۱)

ڈرے کیوں میرا قاتل کیا ہے گا اس کی گردن پر

وہ خوں جو چشم تر سے عمر بھر یوں دمیدم نکلے

(۲)

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے تھے لیکن

(۳)

بہت بے آبرو ہو کر ترسے کو چہ سے ہم نکلے

بھرم کھل جائے ظالم تیری قامت کی درازی کا

اگر اس طرہ پہنچ چشم کا بیج و خم نکلے

(۴)

مگر لکھو اٹے کوئی اس کو خط، تو ہم سے لکھو لٹے

(۵)

ہوئی صبح، اور گھر سے کان پر رکھ کر قلم نکلے

ہوئی اس دور میں منسوب مجھ سے بادہ آشنائی

پھر آیا وہ زمانہ جو جہاں میں حجام جم نکلے

(۶)

ہوئی جن سے توقع خستگی کے واد پانے کی

(۷)

وہ ہم سے بھی زیادہ خستہ تیغ ستم نکلے

محبت میں نہیں ہے فرق جیتنے اور مرنے کا

اُنسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کا فر پہ دم نکلے

(۸)

کساں میخانے کا دروازہ غائب اور کہاں واعظ

(۹)

ہر اتنا جانتے ہیں کل، وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

(۱) یعنی اب بھی ایسی ہزاروں خواہشیں ہیں جن پر جان جاتی ہے اور گو بہت سی آرزوئیں پوری ہوئیں لیکن موجودہ خواہشوں کے مقابلہ میں کم پوری ہوئیں۔

(۲) یعنی قاتل کے ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ میرا خون اُسکی گردن پر کیا رہے گا یہ تو یوں بھی آنکھوں سے ہٹا رہتا ہے۔ رونے میں نہ بہا قاتل نے بہا دیا۔

(۳) یعنی آدم کا غلہ سے نکلنا سنا ہی کرتے تھے۔ یا اس کو ایک ماٹہ بید ہو چکا ہے لیکن ہم پر یہ تازہ واردات ہے۔

(۴) یعنی آپ کو اپنی سروقامتی پر بہت ناز ہے۔ اگر زلف گرہ گیر کے بل نکل جائیں تب معلوم ہو کہ قامت دراز ہے یا زلف۔

(۵) یعنی اکثر لوگ اس کو نامہ ہائے شوق لکھواتے رہتے ہیں یہ معلوم کرنے کے لئے کہ کون کیا لکھواتا ہے ہم صحیح ہی قلم لے کر پھر کرتے ہیں تاکہ لوگ ہمیں سے ان کو خط لکھائیں۔

(۶) یعنی اس زمانہ میں مینوشی میں ہم مشہور ہو گئے ہیں اور اب پھر وہ زمانہ آیا ہے کہ جام جمشید کے دور ہوں۔

(۷) یعنی ہمیں جن سے اپنے حال پر ملال یا اپنے ستمہائے عشق کے داد کی امید تھی وہ غم زمانہ یا بدرا فلاک سے ہم سے بھی زیادہ ستائے ہوئے نکلے۔

(۸) جیتے ہیں اور مرتے ہیں دونوں محاورے ہیں جن سے اہل زبان واقف ہیں۔ شعر حسن بیان کے اعتبار سے عظیم المثال ہے۔

(۹) یعنی یہ تو میں کہہ نہیں سکتا کہ زاہر میخا نہ میں تھا یا میخواری کے

لئے جا رہا تھا لیکن اتنا ضرور ہے کہ جب ہم میخانہ سے نکل رہے
تھے تو ذات شریف دروازہ پر ملے تھے۔

کوہ کے ہوں بار خاطر گر صدا ہو جائیے
بے تکلف اسے شرارت جستہ کیا ہو جائیے (۱)

بیہنہ آسا تنگ بال و پر ہے یہ کنج قفس
از سر نو زندگی ہو گر رہا ہو حبا سبے

(۱) کوہ اور شرارت جستہ میں یہ رعایت ہے کہ کوہ پتھر ہے اور شرارت
پتھر سے نکلتا ہے گو یا شرارت پتھر کی سختیوں یا ٹکرائے کی مصیبت
سے نکلنے کے لئے پتھر سے جدا ہوتا ہے۔ مطلب ہے کہ اسے
شرارت جستہ تو تو پتھر کے دل میں جگہ پائے ہوئے تھا اور اسی
چوٹ اور سختی سے کیسا صاف نکل گیا ہم تو اگر تجھ سے بھی زیادہ
تیز رفتاری اور غیر نمایاں صورت حاصل کر لیں جب بھی اتنی آسانی
کے ساتھ ان سختیوں اور صعوبتوں سے چھٹکا نہیں پاسکتے۔
بلکہ جیسے ہمارے سے آواز کار و عمل ہوتا ہے اور آواز واپس
آتی ہے ہم اگر مصائب سے نکلیں تو پھر انہیں کی طرف رجوع
ہونا پڑیگا۔ گویا کہ ہمارا بار غم ہمارے ہی نہیں اٹھا سکتا۔

(۲) ”کنج قفس“ استعارہ ہے قفسِ عنصری یا جسمِ انسانی سے۔
بال و پر سے روح کی پرواز مبادیہ حیات کی طرف مراد ہے۔ مطلب ہے
کہ یہ قفسِ عنصری روح کے بال و پر کے لئے تنگ ہے اگر اس
سے رہائی مل جائے تو روح قصائے عالم ارواح کی طرف
پرواز کر جائے اور اپنے مبدیہ حیات میں پہنچ جائے۔ اس قفس

جسم سے نکلے تو از سر نو زندگی ہو جائے جیسے کہ پرند کی زندگی
انڈے سے نکلنے کے ساتھ شروع ہوتی ہے۔

مستی بہ فوق غفلت ساقی ہلاک ہے ۱ | مروج شراب ایک مژدہ خوابناک ہے
جز زخم تیغ ناز نہیں دل میں آرزو ۲ | جیب خیال بھی تیسے ہاتھوں سے چاک ہے

۳ | جوش جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں اتنا۔
صہرا ہماری آنکھ میں ایک مشت خاک ہے

۱۱ | محبوب کی چشم مخمور کو خوابناک بھی کہتے ہیں۔ یہاں غفلت کی
لفظی رعایت بھی ملحوظ ہے۔ غالباً ساقی ساقی گری کرتے
کرتے شدت نشاط میں سونے لگا اور اس نیند نے ایسا خماری
پیدا کیا کہ مستی شراب سے بھی زیادہ دل فریبی پیدا ہو گئی گی یا خود
مستی اس اداسے خواب پر شمار ہونے لگی اور مروج شراب
مژدہ خواب آلود بن گئی۔

۱۲ | یعنی سولے تیغ ناز سے ذمہ ہونے کے دل میں کوئی آرزو
ہی نہیں ہے۔ اور گریبان خیال بھی زخم کی طرح چاک ہو گیا ہے۔
۱۳ | کچھ نظر نہیں آتا "میں دو پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ بڑی سے بڑی
چیز کی کوئی وقعت نہیں دو منبر سے یہ کہ جوش وحشت اس درجہ ہے
کہ وسعت صہرا نا کافی ہے۔

لب عیسیٰ کی جنبش کرتی ہے گہوارہ جنبانی ۱ | قیامت کشف لعل بتاں کا خواب سنگین ہے

۱۱ | یعنی ہم ایسے رشک مسیحا کے ہلاک لئے ہوتے ہیں کہ اسخاار
عیسوی ہم کو جلا نہیں سکتا۔ بلکہ ہمارے خواب سنگین کے لئے
جنبش لب عیسیٰ گہوارہ جنبانی کے مماثل ہے۔ کہ اور غفلت بڑھتی ہے

آب سیلاب طوفان صرا سے آب ہے
 (۱) نقش پا، جو کان میں رکھتا ہے انگلی جادہ ہے
 بزم سے وحشتگرہ ہے کس کی چشم مست کا
 (۲) شیشے میں نبض پری نہاں ہے موج بادہ سے

(۱) سیلاب سے یہاں سیل حوادث مراد ہے۔ اور طوفان صرا سے آب سے بارش میں رات کی گرج وغیرہ مقصود ہے۔ یا خود پانی کے جوش و خروش کی صدا میں انہیں صداؤں سے حوادث کی شدت اور تصادم و تصارب وغیرہ کی تشبیہ دی ہے۔ اور بادل جب زور شور سے گرجتا ہے تو لوگ کانوں میں انگلیاں دے لیتے ہیں۔ یہاں جادہ کو انگلی سے اور نقش پا کو کان سے تشبیہ دی ہے۔ مطلب ہے کہ نزہت و دل حوادث ایسے زور شور سے ہو رہا ہے۔ جیسے طوفان ابر و رعد آتا ہو یہاں تک کہ نقش پا نے بھی خون سے اپنے کانوں میں انگشت جادہ دے لی ہے۔

(۲) ہرن کی آنکھ اچھی ہوتی ہے اور اس کی وحشت مشہور ہے۔ شاید اسی قیاس پر شعرا کے یہاں آنکھوں کی وحشت وصف میں داخل ہو گئی ہے۔ ”پری“ ایک وجود بھی ہے جس کے متعلق حسن اور انسانوں سے چھپنا یا ور کیا جاتا ہے مطلب ہے کہ محفل شراب خدا بجانے کس کی چشم مست کا وحشت کر رہے کہ موج شراب نبض پری کی طرح شیشہ میں چھپ گئی ہے

ہوں میں بھی تما شائی نیرنگ تہا ۱ | مطلب نہیں کچھ اس سو کہ مطلب ہی ہر اک

(۱) یعنی میں تو صرف تمنا کی دہچھپی اور ولفریسی سے لطف حاصل کرتا

ہوں۔ یہ غرض نہیں کہ تمنا پوری ہی ہو۔

سیاہی جیسے گر جانے دم تحریر کا غلہ پر ۱ مری قسمتیں یوں تصویر پر شہنائی بھرتی

(۱) یعنی میرے لہشتہ تقدیر میں شب بھراں کا جو نقش ہے وہ ایسا ہے جیسے لکھتے لکھتے سیاہی قلم سے کاغذ پر گر جائے۔

ہجوم نالہ حیرت عاجز عرض یک افغاں ہے

(۱)

خوشی زیشہ صد نیستاں سے خس بدنداں ہے

مکلف بر طرف ہے جانتاں تر لطیف بدخویاں

(۲)

بگاہ بے حجاب ناز، تیغ تیز عرباں ہے

ہوئی یہ کثرت غم سے تلعف کیفیت شادی

(۳)

کہ صبح عید فکرو بدتر از چاک گرمیاں ہے

دل و دین نقد لا، ساقی سے گر سودا کیا چاہے

(۴)

کہ اس بازار میں ساغر متاع دست گراں ہے

غم آغوش بلا میں پرورش دیتا ہے عاشق کو

(۵)

چراغ روشن اپنا قلزم صرصر کا مرجاں ہے

(۱) گویا ہر نالہ ایک نے ہے اور ہجوم نالہ صد نیستاں ہے۔ اب جو

نالہ لب تک آتا ہے ایک زیشہ صد نیستاں کی حیثیت رکھتا ہے۔

”خس بدنداں ہونا“ اظہار عجز کرتا۔ مطلب ہے کہ نالوں کا ہجوم بھی

ہے اور حیرت کہ نالہ کرنے میں عجز ہے۔ چونکہ حیرت خاموشی کی

مقتضی ہے پس خاموشی زیشہ صد نیستاں کا تذکار و انتوں میں

لیکرا اظہار عجز کرتی ہے۔ اسی قسم کا ایک شعر اور گزشتہ صفحہ ہے۔

نہ آئی سطوت قاتل بھی رافع میر نالوں کو لیا دانٹوں میں چڑکا ہوا زیشہ نیستاں کا

وہاں سطوتِ قابل اور یہاں جوہرِ حیرت کا مضمون ہے۔
 (۲) لطف و التفات میں نگاہیں چاہ ہوتی ہیں۔ نگاہِ محبوب کو تیغِ لکھتے
 ہیں اس لئے بے حجاب نگاہ کو تیغِ تیز عریان ہونا چاہیے مطلب
 ہے کہ اُن کے ستم سے اُن کا کرم زیادہ اسبابِ قتل رکھتا ہے۔
 (۳) دست گردان "علی سبیل الحب لیست۔ اس ہاتھ دو اُمس ہاتھ لو۔
 یعنی ساقی سے اگر معاملہ سے نوشی کرنا ہے تو نقارِ دل و دین دے
 کر ساغرِ شراب خریدے۔ کیونکہ بازارِ میخانہ میں جامِ حرام سے ایسا
 سودا ہے جو یہی قیمت چاہتا ہے۔

(۴) تلامِ آب سے آمدنی یعنی طوفانِ ہوا کو تشبیہ دی ہے اور
 چراغ سے مرجان کو۔ اور چراغِ روشن۔ غمِ عشق سے استعارہ ہے
 مطلب ہے کہ جس طرح تلامِ آب سے چراغِ مرجان گل نہیں ہوتا
 اسی طرح صرصرِ حوادث و آلام سے چراغِ عشق نہیں بجھتا گویا
 آغوشِ غم ہی میں عشاق کی پرورش ہوتی ہے۔

۱	مگاہِ دل سے تری ہر دم سا نکلتی ہے	۱	مجموعیوں میں تماشا ادا نکلتی ہے
۲	صبا جو غنچہ کے پردہ میں جا نکلتی ہے	۲	فشارِ تنگی خلوت سے بنتی ہے شبنم
۳	کہ زخمِ بددین در سے ہوا نکلتی ہے	۳	نہ پوچھ سیدہ عاشق سے آبِ تیغِ نگاہ

(۱) مجموعیوں سے یہاں ضبطِ آہ مراد ہے۔ یعنی آہیں رُک لی ہوتی
 ہیں۔ دہواں گھٹا ہوا ہے۔ اب جو معشوق کی نگاہِ دل میں اترتی
 ہے تو اس دھوئیں سے کاجل لگ جاتا ہے اور دل سے ہر دم
 لگائے ہوئے نکلتی ہے۔ خموشی سے اسی ادا کے پیدا ہونے کی
 طرف شعر میں اشارہ ہے۔

(۲) غنچہ کی بستگی کو تنگی خلوت سے تشبیہ دی۔ دبے اور بچنے سے پسینہ آجاتا ہے۔ مطلب ہے کہ صاحب خلوت خانہ غنچہ میں جا بھکتی ہے تو پسینہ پسینہ ہو جاتی ہے۔ اور یہی پسینہ شبنم کہلاتا ہے۔
(۳) وہ زخم جو سانس دینے لگے بہت ہلک ہے۔ اس زخم کو روزن در سے تشبیہ دی گئی ہے۔ مطلب ہے کہ تیغ نگاہ کی تیز کاری کو کیا پوچھتے ہو جس نے زخم کو ہوا دار روزن بنا دیا ہے۔

جس جا نسیم شاد کشش زلف یا ہے	۱	نافہ دماغ آہوئے دشت تبار ہے
کس کا سلاخ جلوہ ہے حیرت کو بخا	۲	آئینہ فریش شمش جوت انتظار ہے
ہے ذرہ ذرہ تنگی جاہ سے غبار شوق	۳	گر دام یہ ہے وسعت صحر اشکار ہے
دل مدعی و دیدہ بستاند عا علیہ	۴	نظارے کا مقدمہ پھر رو بکا ہے
چھڑ کے ہے شبنم آئینہ برگ گل پر آب	۵	اے عندلیب وقت و دارع ہمار ہے
بیج آپڑی ہے وعدہ دلہا کی مجھے	۶	وہ آئے یا نہ آئے یہ یاں انتظار ہے
بے پردہ سوئے وادی مخمور گزرنہ کر	۷	ہر درے کے نقاب میں دن بقرار ہے
اے عندلیب یک کھنکھس بہر آشیا	۸	طوفان آہ آید فصل ہمار ہے
دل مرگنوا، خبر نہ سہی سیر ہی سہی	۹	اے بے دماغ آئینہ تمثال دار ہے

۱۰ غفلت کفیل عمر و اسد صا من نشاط
اے مرگن گمان تجھے کیا انتظار ہے

(۱) معشوق کی زلفوں میں نسیم کے سرایت ہونے کو شاد کشی سے تعبیر کرتے ہیں۔ مطلب ہے کہ جہاں نسیم زلفوں سے مشکبو ہو کر چلتی ہو۔ وہاں شامہ آہو مشک بن جاتی ہے اور دماغ آہو نافہ۔
(۲) حیرت اور آئینہ کی رعایت ظاہر ہے مطلب ہے کہ لے خا

حیرت کو کس کے جلوہ کی تلاش اور کس کا انتظار و سراغ ہے
کہ سارا عالم آئینہ بنا ہوا ہے۔

(۱۳) جوش شوق۔ دیوانگی کی حد تک پہنچ گیا ہے اور دیوانگی
شوق نے خاک اڑانی شروع کی ہے۔ صحرا میں جگہ کم ہے اس
لئے غبارِ ذرہ کے برابر ہے۔ اور جگہ حلقہٴ دام کے برابر مطلب ہے
کہ اگر ایسی تنگی جا ہے تو ایسی حلقہ میں تمام صحرا کی وسعت شکار ہو
جاسکتی۔ گویا تمام صحرا ایک حلقہٴ دام ہو جائے گا۔ جن میں
دیوانگی شوق کی خاک اڑانے کی حسرت پوری نہ ہوگی۔

(۱۴) یعنی دل نے آنکھوں کو الزام دیا ہے کہ انہوں نے ویدار
کر کے اس مصیبت عشق میں پھنسا دیا۔

(۱۵) سفر کے وقت آئینہ پر پانی چھڑکنے کی کوئی رسم ہے۔ اُسی
تلازمہ سے آئینہ برگ گل پر آپ شبنم گویا بہار کی علامت سفر ہے۔
(۱۶) ہر ذرہ کے نقاب میں یا ہر ذرہ کے لباس و شکل میں ایک
ایک دل بیقرار ہے گویا ساری واوی جذب بات عشق مجنوں سے
معمور ہے۔ یہی کو بے محابا اور بے پردہ نہ جانا چاہئے۔

(۱۷) یعنی اسے عن لیب ایک کفِ خس لاکر آشیان بنائے ورنہ
جوش بہار سے ہر خس شاخ گل ہو جائے گا یا اسے عن لیب تو
ایک کفِ خس کا آشیان بنا رہی ہے اور اس جوش بہار میں جبکہ
سارا زمانہ گلستان ہو گیا ہے تو نے شاخمائے گل سے اپنا
آشیانہ نہ بنایا۔

(۱۸) "تجربہ" یہاں بمعنی علم و معرفت ہے دل میں انوار و تجلیات کا پرتو

ہوتا ہے۔ دل کو آئینہ کہا جاتا ہے۔ اور اس پر تو تجلیات کو تمثال سے تعبیر کیا ہے۔ مطلب ہے کہ شکستہ خاطر نہ ہو اور آئینہ دل کو ضائع نہ کر۔ معرفت نہ سی۔ اسے کم عقل اور کم ذوق پر تو تجلیات کی سیر کر لے۔

(۱۰) عیش و غفلت یا مستی و بے خبری میں عمر طبعی کے بے بھی اگر موت آئے تو مرگ ناگہاں معلوم ہوگی۔ یہی مطلب ہے کہ غفلت عمر سے وابستہ ہے۔ اور میں نشاط و مستی میں مجھ ہوں اسے مرگ ناگہاں اب تجھے کیا انتظار ہے۔ کیونکہ تیری ناگہانی کے اسباب جمع ہیں۔

۱	آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے	ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے
۲	حسرت نے لار کھا تری بزم خیال میں	گلدستہ نگاہ سویدا کہیں جسے
۳	پھونکا ہے کس نے گوشِ محبت میں بجایا	افسوس انتظار تمنا کہیں جسے
۴	سر پر ہجوم دروغ و غریب سے ڈالنے	وہ ایک مشت خاک کہ صحران کہیں جسے
۵	ہے چشمِ تری حسرت دیدار سے نہا	شوقِ عشاں گسیختہ دریا کہیں جسے
۶	درکار ہے شگفتن گھماٹے عیش کو	صبح بہارِ نرسبتِ مریہا کہیں جسے

غالب بڑا نہ مان جو واعظ بڑا کہے
ایسا بھی کہی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

(۱) یعنی تجھ جیسا کوئی حسین تو ہے نہیں۔ آئینہ تیرے ہاتھ میں ویٹھے دیتا ہوں تاکہ تو خود حیران تماشا ہو جائے۔

(۲) دل کے نقطہ سیاہ کو سویدا کہتے ہیں۔ آنکھ کی پتلی اور سویدا میں تشبیہ ہے۔ عاشق کا دل آئینہ عیاں ہوتا ہے جس میں محبوب

مست فاشین رہتا ہے۔ گلرستہ بھی لوازماتِ بزم میں سے ہے سو یاد
چشم خیال میں سے سینکڑوں حسرت بھری نگاہیں شوقِ دیدار میں
بیکل رہی ہیں۔ جن کو گلرستہ سے تشبیہ دی ہے گویا یہ گلرستہ
حسرت نے اس کے بزمِ خیال میں لا کر رکھ دیا ہے۔

(۳) ”کان میں افسوں پھونکنا“ محاورہ ہے جس کے معنی آمادہ
کرنے اور ہم خیال بنالینے کے ہیں۔ مطلب ہے کہ خدا جانے یہ
افسون انتظار جس کو تمنا کہنا چاہئے محبت کے کان میں کس نے
پھونک دیا ہے کہ محبت یکسر انتظار و تمنا ہو گئی ہے۔

(۴) ”خاک بر سر کردن“ فارسی محاورہ ہے جس کے معنی بھٹا دینے
کے ہیں۔ مطلب ہے کہ غربت اور آوارہ وطنی کے و غم سے
سارے صحرایں خوب خاک اڑائی۔ صحرایہ و فور اور ہجومِ غم
کے مقابلہ میں ایک مشیتِ خاک سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا
یہی مشیتِ خاک نے کر عزت کے سر پر ڈال دیئے۔ یعنی غربت
کے غم کو فراموش کر کے ہمیں گھر بنا بیٹھے۔ ”وہ ہمارا پہلو یہ ہے کہ
ایسا ہجومِ غم ہے کہ صحرایہ مشیتِ خاک معلوم ہوتا ہے جس
کو اپنے سر پر اس غم میں ڈالتا ہوں۔“

(۵) ”غمان گسیختہ“ سے چلنے کے لئے پاک پھیر سے ہوسٹے یعنی تیار۔
شوقِ غناں گسیختہ سے یہاں شوقِ مائل بگر یہ مراد ہے۔ مطلب
ہے کہ حسرت دیدار سے ایک شوقِ گریہ بار آنکھوں میں موجزن
ہے۔

(۶) ”یعنی جس طرح پھول کھلنے کے لئے صبح بہار کی ضرورت ہے۔“

اسی طرح گلمائے عیش کھلنے کے لئے سفیدہ پنبہ بیٹا ضروری ہے۔
(جے) یعنی واعظ کے بڑا کہنے کا بڑا نہ ماننا چاہئے۔ کیونکہ دُنیا میں
ایسا کوئی نہیں جس کو سب اچھا کہتے ہوں۔ اور اچھے سے اچھے
شخص کو کوئی نہ بڑا کہنے والا ضرور ہوتا ہے۔

۱	شبِ نیم پر گل لالہ نہ خالی زاد ہے	۱	دراغ دل بیدار و نظر گاہِ حیا ہے
۲	دلِ خوں شدہ کشمکشِ شمرت و دیدار	۲	آئینہ بدستِ بُت بدستِ حنا ہے
۳	شعلے سے نہ ہوتی ہویں شعلہ نے جھکی	۳	جی کس قدر افسردگی دل پر جلا ہے
۴	تمثال میں تیری ہے وہ شوخی کہ بھٹک	۴	آئینہ باندازِ گل آغوشِ کشا ہے
۵	قمری کفِ خاکستر و بلبِ قفسِ رنگ	۵	اسے نالہ نشانِ جگر سوختہ کیا ہے
۶	خونے تری افسردہ کیا و حنتِ دل کو	۶	مشتوقی و بے جوہرِ طسوفہ بولا ہے
۷	مجبوری و دعوائے گرفتاری الفت	۷	دستِ تنگ آئندہ پیمانِ وفا ہے
۸	معلوم ہوا حالِ شہیدانِ گزشتہ	۸	پنچ ستم آئینہ تصویرِ مناس ہے
۹	اسے پر تو خورشیدِ جہاں تاباں دھری	۹	سائے کی طرح ہم پر عجب وقت پڑا ہے
۱۰	ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے	۱۰	یارِ بے اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

بیگانگی خلق سے بیدل نہ ہو غالب
کوئی نہیں تیرا تو مری جان خدا ہے

(۱) یعنی لالہ کے پھول پر شبِ نیم، سب سے وجہ نہیں، بلکہ اس سے یہ ظاہر
ہوتا ہے کہ یہ دراغ جو درد نہیں رکھتا، اپنے بیدار و ہونے پر
مجبور ہے، اور شبِ نیم قطرہ عرقِ شرم ہے!
(۲) بدستِ حنا "نشہ رنگِ حنا میں پور"۔ اپنے ہاتھ میں شوخی
رنگِ حنا، دیکھ کر مقرر ہو جانے والا۔ دلِ خوں شدہ، اور شوخی

رنگ حنائیں، رنگ وجہ شبہ ہے۔ دل، اور آئینہ کی رعایت
 ظاہر ہے۔ مطلب ہے کہ ایک ہمارا آئینہ دل ہے، کہ کشمکش حسرت
 دیدار میں خون ہیورہا ہے، اور ایک وہ بھی آئینہ ہے جس کو وہ
 خود اپنے حنا لیدرہ ہاتھ میں لئے ہوئے دیکھ رہے ہیں یا
 (۳۳) یعنی اس افسردگی پر، کہ سوز عشق میں اشتعال و جوش نہیں،
 اور جی بجھ سا گیا، دل بہت ہی جلتا ہے، اتنا جلتا ہے کہ خود
 سوز عشق سے بھی شاید اتنا نہ جلتا!

(۳۴) یعنی تیرے عکس عارض، اور پر تو رخسار سے آئینہ گلابی ہو گیا
 ہے، اور ذوق و شوق، میں گل کی طرح آغوش کشا معلوم ہوتا، اور
 تیرا سراپا اس آغوش شوق میں نظر آتا ہے!

(۳۵) نالہ سے عشق مراد ہے۔ قمری، بلب، اور جگر، تالوں کے مختلف
 پیکر ہیں۔ قمری کو فارسی والے بالعموم کفن خاکستر کہتے ہیں۔
 بلب قفس رنگ، یعنی بلب مبتلائے عشق نگل۔ رنگ سے رنگ نگل
 مفہوم ہے۔ مطلب ہے کہ۔ "عشق، یہی جو کفن خاکستر ہے
 اور بلب بس کو قفس رنگ کہنا چاہئے، تیرا آزاد، اور دل
 عشق میں مشہور ہیں، مگر ہمارا جگر جو رنگ خون بھی رکھتا تھا، اور
 جس کو تو نے جلا کر خاکستر بھی کر دیا، اس کے محبوب و مطلوب کا
 کوئی نشان نہیں!

(۳۶) وحشت دل سے دیوانہ پن کی اُننگ مراد ہے۔ مطلب ہے
 کہ تیری بد خوئی اور برہمی مزاج نے دل بچھا دیا۔ اور یہی ہے۔
 "مُتَشَوِّقٌ شَوْخٌ وَعَاشِقٌ دِیَوَانٌ چاہئے" ورنہ متشوق کی بے چوہگی

بڑی مصیبت ہوتی ہے!
یعنی، عشق پر تو اختیار نہیں، کیونکہ یہ تو وہ آتش ہے کہ لگائے نہ
لگے، اور بجھا دئے نہ بنے۔ اور دعویٰ یہ ہے کہ ہم محبت کرتے ہیں
اور عہد وفا سے ہاتھ نہیں اٹھاتے، درآ نکالیکہ پتھر کے نیچے ہاتھ
دب گیا ہے، اور فرماتے ہیں کہ ہم خود نہیں نکالتے!
(۸) یعنی تیغ ستم آئینہ ہے، جس میں پچھلے مقتولین کی صورتیں نظر
آتی ہیں۔

(۸) سایہ کی افتادگی سے وقت پڑنے کی تمثیل و تشبیہ ہے۔ آفتاب
کے سامنے سایہ نہیں بھڑکتا، اپنے لمبائے کرم، کو پر تو خورشید
جہاں تاب کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

منظور ہستی یہ شکل نجلی کو نور کی	۱	قسمت کھلی تھے قد رخ سے ظہور کی
اک خونچکاں کفن میں کر ڈروں بناوٹیں	۲	پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ نور کی
واعظانہ تم پیو، نہ کسی کو پلاسکو	۳	کیا بات ہے تمہاری شراب ظہور کی
رطنا سے مجھ سے شہر میں قاتل کیوں اٹھا	۴	گویا ابھی سنی نہیں آواز صویر کی
آمد بہار کی ہے کہ بیل ہے نغمہ رنج	۵	اڑتی سی اک خبر ہے نہ بانی طیور کی
گوداں نہیں، پچاں کے نکالے ہوئے تو ہیں	۶	کعبہ سے ان بتوں کو بھی نسبت ہو دور کی
کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب	۷	آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طیور کی
گرمی سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر	۸	کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی

غالب گرا اس سفر میں مجھے ساتھ لے چلیں

حج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی

(۱۱) یہ شکل کا اشارہ سراپائے حضور رسالت کی جانب ہے۔ ”تجلی“

جلوہ آرائی۔ مطلب ہے کہ مشوق حقیقی کو اپنے انوار کی جلوہ آرائی یا جمال تمنائی یا بنمود اس شکل اقدس میں منظر پیش اور آپ کے قدیم زیبا اور روئے تاباں سے ظہور کی قسمت کھل گئی۔

(۴) کفن جیسا سادہ لباس اُس پر خون شہادت کی افشاں۔ اسی میں کر و شروں بناؤ ہیں کہ تیرے شہ پر حوروں کی لہجائی ہوئی ہو گئی ہیں پڑتی ہیں۔

(۵) کیا بات ہے تمسخر اور استہزا کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ اویسہ معنی بھی مترشح ہو گئے ہیں کہ ایسی شراب کھاؤ کہ ہی کیا جو نہ خود پیتے ہو نہ کسی کو پلاتے ہو۔

(۶) قاتل کا مزاج ایسا لاڈ بالی ہے کہ صویر کی آواز بھی نہ سنی یا اُس کے لاڈ بالی پن پر طنز کیا ہے کہ ابھی تک قاتلانہ غرور باقی ہے۔ کہ آوازِ صورت نہیں سنی۔ اور یہ نہیں معلوم کہ وقتِ داد و فریاد ہے خواجوں کو مجرم کی حیثیت سے خدا کے سامنے پیش ہونا ہے۔

(۷) بلیوں کے نغمہ سنجی کی آواز جو کان میں آئی ہے اُس کو اڑتی سی خبر زیبانی طیور کی کہا ہے اور خوب کہا ہے۔

(۸) یعنی یہ فرض نہیں ہے کہ وہ سب سے ان ترائی فرماتے ہیں آؤ ہم بھی قسمت آزمائی کر لیں۔

(۹) یعنی زبان میں اتنی شوخی و طعاری نہ ہوئی چاہیے کہ جو منہ میں آئے وہ کہہ ڈالیں اس سے جو کوئی بات کرتا ہے اُس کی باز نہ بانی کی شکایت ضرور کرتا ہے۔

- غم کھانے میں یُدوا دل ناکام بہت ہے
(۱) یہ نہ بچ، کہ کم ہے منے گلفام بہت ہے
- کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے ورنہ
(۲) سے یوں کہ مجھے دُرودہ جام بہت ہے
- نے تیرکماں میں سے نہ صباؤ کیوں میں
(۳) گو شہ میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے
- کیا زُرد گویا نوں کہ نہ ہو، مگر چہ رہاں
(۴) پاواں شِرعِ عمل کی طمع حسام بہت ہے
- ہیں اہل خرد کس روش خاص پہ نازاں
(۵) پابستی رسم و رو عام بہت ہے
- زمزم ہی پہ چھوڑو، مجھے کیا طوفانِ عزم سے
(۶) آلودہ پہ سے جامہ احسان بہت ہے
- مے قمر گر اب بھی نہ بنے بات، کہ اُن کو
(۷) انکار نسین اور مجھے ابرام بہت ہے
- خوں ہو گئے جگر آنکھ سے پیکا نہیں لے کر گ
(۸) پہننے دے مجھے یال کہ ابھی کام بہت ہے
- ہو گا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے
(۹) شاعر تو وہ اچھا ہے یہ ہر نام بہت ہے
- (۱) یعنی دل غم کھانے میں بہت کمزور ہے۔ شراب کی کمی کا غم
بھی اس کے لئے بہت ہے۔
(۲) دُرودی کش "اُن سے نوشوں کو کہتے ہیں جو پچھٹ تک نہیں

چھوڑ گئے۔

(۳۳) یعنی قفس گوشت عافیت تو ہے کہ نہ پتھر کہاں میں نظر آتے ہیں نہ صیاد تاک میں۔

(۳۴) یعنی میں زہد کی وقعت کیا کروں۔ ریائی نہ بھی سہی اور لوگوں کے لئے دام تزییر نہ بھی ہو۔ پھر بھی اجہر آخرت کا لالچ خلوص کے منافی ہے۔

طاعت میں تاہم نہ مے وانگیں کی لاگ

دو نرخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو

(۳۵) یعنی وہ لوگ جن کو اس دنیا میں اپنی ہوشیاری اور عقل کا

دعویٰ ہے نہیں معلوم کس روش خاص پر نازاں ہیں۔ کوئی

خصوصیت تو نظر نہیں آتی۔ سب کے سب رفتار زمانہ کے

پیرو اور رسم و رواج کے حلقہ بگوش ہیں۔

(۳۶) "ابرام" اصرار۔

(۳۷) یعنی ابھی گریہ میں جگر کا غن بہا دینے کا کام میرے ذمہ باقی ہے۔

مات ہوئی ہے یار کو مہاں کئے ہوئے

(۱)

جوش قدح سے بزم چیراغاں کئے ہوئے

کرتا ہوں جمع پھر جگر بخت بخت کو

(۲)

عرصہ ہوا ہے دعوت مژگاں کئے ہوئے

پھر وضع احتیاط سے رکنے لگا ہے دم

(۳)

برسیوں ہوئے ہیں چاک گریباں کئے ہوئے

پھر گرم نالہ ہائے شہر بار ہے ففس

(۴)

دلت ہوئی ہے سیر چراغاں کئے ہوئے

پھر پستش چرا حزنِ دل کو چلا ہے عشق
(۵) سماں صد ہزار نسکداں کئے ہوئے

پھر بھر رہا ہے خامہ مشگاہ بخونِ دل
(۶) ساز چمن طرازی داماں کئے ہوئے

باہم گر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب
(۷) نظارہ و خیال کا سماں کئے ہوئے

دل پھر طواف کوئے ملامت کو جائے ہے
(۸) پستار کا صنم کدہ، ویراں کئے ہوئے

پھر شوق کر رہا ہے خسریدار کی طالب
(۹) عرض متاعِ عقل و دل و جاں کئے ہوئے

دوڑے ہے پھر سیر ایک گل و لالہ پر خیال
(۱۰) صد گلستاں نگاہ کا سماں کئے ہوئے

پھر چاہتا ہوں نامہ دلدار کھولنا
(۱۱) جاں نذر دلفریبی عنوان کئے ہوئے

مانگے ہے پھر کسی کو لبِ بام پر ہوس
(۱۲) زلف سیاہ رخ پہ پریشاں کئے ہوئے

چاہے ہے پھر کسی کو مقابل میں آرزو
(۱۳) سرمہ سے تیز و نشہ مشگاہ کئے ہوئے

اک لڑبہارِ ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ
(۱۴) چہرہ فروغ سے سے گلستاں کئے ہوئے

پھر جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے ہیں
سر زید بارِ منیت دریاں کئے ہوئے

(۱۵)

جی ڈھونڈھتا ہے پھر وہی فرصت کے برآمدن

بیٹھے ہیں تصورِ جاناں کئے ہوئے

(۱۶)

غالب ہمیں نہ چھوڑے کہ پھر جوشِ اشک سے

(۱۷)

بیٹھے ہیں ہم تہیہ طوفاں کئے ہوئے

(۱) جوشِ قریب "ساغر کے متواتر دور۔ شراب کو آتش اور آتشیں

کہتے ہیں اس لئے ساغر کی چراغ سے تشبیہ ہے۔

(۲) یعنی جگر کے ٹکڑے بے جمع کر کے اب پھر مڑگانِ یار کی دعوت

کرتا ہوں۔

(۳) یعنی پاس وضع اور ضبط سے دم گھٹا جاتا ہے۔ طبیعت

الچلتی ہے۔ مُدّت سے گریبان چاک نہیں کیا۔

(۴) نالہ کا وصف شعرا کے یہاں شرر ہار ہی مسلم ہے۔ چراغاں

اور نالہ میں شرر ہار ہی مشترک و مشابہ ہے۔

(۵) یعنی عشق اس قدر استقام سے جراحیتِ دل کی پرسش کو چلاتا ہے

گو یا عشق کے پُرانے زخموں میں پھر تازگی اور لذت پیدا ہو رہی ہے۔

(۶) چمن طراندی "سے نقش و نگار بنانے مراد ہیں۔ یعنی مڑگان

خون فشاں سے دامن کو گلستان بنانے کی تیاری ہے۔

(۷) آنکھ زطارہ کا سامان کر رہی ہے اور دل وصل کا خیال کرتا

ہے۔ دونوں آپس میں رقیب ہو گئے ہیں۔

(۸) "پہنار" نیکی یا نیک کرداری سے نفس میں غور پیدا ہوتا ہے۔

لوگ اُس کو اچھا سمجھتے اور وہ خود کو اچھا جانتا ہے۔ اس کیفیت کو
 پندار کہتے ہیں۔ یہ غیریت اور خودی کے بتوں کا مجموعہ ہے۔ کیونکہ
 ہر وہ وجود جو خدا کے سوا ہو صنم ہے۔ اسی لئے پندار کا صنم کدہ
 لکھا ہے۔ اس کے برعکس جس سے لوگ نفرت کرتے ہیں اور
 جس کے عیوب پر نکتہ چینیاں ہوتی اور ملامت کی جاتی ہے
 اُس شخص کے دل میں شرمندگی انکسار اور رجوع و خشوع
 کے جذبات برانگیختہ ہوتے ہیں۔ پس صنم کدہ پندار کے
 بالمقابل کوئے ملامت یقیناً کعبہ کی حیثیت رکھتی ہے مطلب
 ہے کہ عاصیوں کا خانہ سیاہ پوش عصیاں جو کہ کوئے ملامت
 میں ہے صنم کدہ پندار ویران کر کے دل اُسکی طرف جاتا ہے۔
 (۹) یعنی پھر عقل و دین اور دل فروشی کا بازار گرم اور شوق کسی
 خریدار طرح دار کا منتظر ہے۔

(۱۰) گویا ہر نگاہ میں ایک ایک سبز باغ تمنا کا سامان ہے اور خیال
 یار بار گل و لالہ (معشوقوں سے ہتھار ہے) پر دوڑتا ہے۔
 (۱۱) یعنی معشوق کا ایسا خط کھولنا چاہتا ہوں، جس کا عنوان ہی
 پرٹھ کر جان نذر کر دوں۔

(۱۲) ”گو بہار ناز“ جس کے خن میں تازہ تازہ یا پہلے پہل بہار آئی ہو۔
 ”چہرہ فروغِ مے سے گلستاں کئے ہوئے“ یعنی سرورِ نشاط
 مے سے چہرہ شاداب و تاباں کئے ہوئے۔

(۱۵) یعنی دل چاہتا ہے کہ کسی معشوق کے دروازہ پر دربان کے
 قدموں پر سر رکھ کر خوشامد کرتے رہیں اور پٹے رہیں۔

(۱۶) یعنی دل ایسی فرصت کا طالب ہے کہ دن رات تصویر جاتاں
کے سوا کوئی دوسرا شغل زندگی ہی نہ ہو۔
(۱۷) یعنی جوشِ اشک سے ایک دریائے متلاطم بہا دینے کا
ارادہ کئے ہوئے ہے۔

- نویں امن ہے پیدا دوست و بہاں کے لئے
(۱) رہی نہ طرزِ ستم کوئی آسماں کے لئے
بلا ہے گر مشرۂ یارِ تشنہِ خوں ہے
(۲) رکھو کچھ اپنی بھی پیشِ گاہِ خوں کشاں کیلئے
وہ زندہ ہم ہیں، کہ ہیں روشناسِ خلق اسے خضر
(۳) نہ تم، کہ چوسنے عسجدِ جاوداں کے لئے
رہا بلا میں بھی، میں مبتلائے آفتِ رشک
(۴) بلائے جاں ہے ادا تیری اک جہاں کیلئے
فلک نہ دور رکھ اُس سے مجھے کہ میں ہی نہیں
(۵) دراز دستیِ قاتل کے امتحاں کے لئے
مثال یہ مری کوشش کی ہے، کہ مرغِ اسیر
(۶) کرے قفس میں فراہمِ خسِ آشتیاں کیلئے
گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئے
(۷) اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لئے
یہ قدر شوق نہیں طرفِ تنگنائے غزل
(۸) کچھ اور چاہئے وسوت مرے بیاں کیلئے
دیا ہے شعل کو بھی تا اُسے نظر نہ لگے
(۹)

بنا ہے عیشِ تجمّل حسینِ خاں کے لئے
زباں پہ بارِ خدا یا، یہ کس کا نام آیا
(۱۰) کہ میرے لطف نے بوسے مری زباں کیلئے

نصیرِ دولت و دیں، اور معینِ ملت و ملک
(۱۱) بنا ہے چرخِ بریں جس کے آستان کے لئے

زمانہ عہد میں اُس کے ہے جو آرایش
(۱۲) بنیں گے اور ستارے آبِ آسماں کے لئے

ورقِ تمام ہوا اور مدح باقی ہے
(۱۳) سفینہ چاہئے اس بحرِ بیکراں کے لئے

ادائے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا
(۱۴) صلائے عام ہے یا رانِ نکتہ واں کیلئے

(۱) "نویدا من" مژدہ امن یعنی تمام ستمِ معشوق ہی ختم کئے دیتا ہے۔
اور فاک کو ظلم کرنے کا کوئی پہلو باقی نہیں رہتا اس لئے دوست کا
ظلم پیغام امن ہے۔ کہ جو چرخ سے مامون ہو گئے۔

(۲) یعنی اگرچہ معشوق کی مڑگاں بھی خونِ دل کی پیاسی ہے۔ مگر
مجھے گریہ خونیں کے لئے خون بچا لینا ضروری ہے۔

(۳) یعنی چوری چھپے کا جینا ہی کیا۔ چاہے عمرِ جادواں ہی کیوں
نہ ہو۔ پس اے محضرِ زندہ تو ہم ہیں کہ ساری دنیا ہمیں پہچانتی
ہے اگرچہ عمر کم ہے۔

(۴) یعنی یہ دیکھنے کے لئے کہ تاتل کس قدر بڑھ بڑھ کر
قتل کرتا ہے مجھ کو قاتل سے دور نہ رکھ دراز دستی کا امتحان

دوسروں پر کر لے۔

(۵) یعنی رشاک ہے کہ تیرے ستم سارے زمانہ پر کیوں ہوں۔
مجھ ہی پر کیوں نہ ہوں۔

(۶) یعنی اس دنیا میں ہمارا دولت یا اسباب معیشت جمع کرنا
وہی حیثیت رکھتا ہے۔ کہ ایک طائر گرفتار قفس میں آشیائے
کے لئے تنگ جمع کرے۔

(۷) یعنی پہلے تو وہ مجھے فقیر جان کر خاموش تھا۔ قسمت میں جو
دھکے کھانے تھے میں پاسبان کے قدموں پر گر پڑا۔ وہ سمجھ گیا کہ
ان کا عاشق ہے۔ اور گھر میں جانے کی اجازت چاہتا ہے
بس پھر کیا تھا۔

(۸) ”تنگ نائے“ پانی کا وہ محدود حصہ جو ساحل میں سے دور دور تک
گزرتا ہو۔ مطلب ہے کہ شوق کے مقابلہ میں غزل میں مضامین
نہیں سما سکتے۔ آپ قصیدہ کی روش اختیار کرتا ہوں۔

(۹) یعنی عیش بنا تو تجمل حسین خاں ہی کے لئے ہے۔ لیکن دوسرے
لوگوں کو بھی کچھ کچھ اس لئے مل گیا ہے کہ ان کے عیش کو نظر نہ لگے۔

(۱۰) شعر سابق میں تجمل حسین خاں کا نام آچکا ہے۔ پھر جناب شمس الدین
اظہار کے لئے استفہام استعمال کیا ہے کہ یہ کس کا نام ہے۔ جو میری
قوت گویائی میری زبان کے بوسے لیتی ہے۔

(۱۱) نصیر و معین کے معنی مددگار کے ہیں اور یہ عمدہ نام سے سلطنت کے
مصطلح نام ہیں۔

(۱۲) اس کے زمانہ میں سارے جہان پر رونق چھا گئی ہے اور تمام

دنیا آرائشوں میں مصروف ہے۔ کچھ تعجب نہیں کہ چرخ پیر کو
نئے ستارہ میسر آجائیں۔

(۱۳) ”وزق“ تختہ کا غذا اور کشتی بھی تختوں کی ہوتی ہے۔
”بحر بیکراں“ وہ دریا جس کا کنارہ نامعلوم ہو۔ مطلب ہے کہ بحر
بیکراں مدح کے لئے تختہ کا غذا تو ختم ہو گیا سفینہ چاہئے۔
(۱۴) یعنی احباب کو اذن و صلا ہے کہ وہ بھی اس طرح مدح لکھا کریں
جس اواسٹے خاص سے غالب نے نکتہ سرایاں اور مضمون
آفرینیاں کی ہیں۔

غزلیات تمام

۱۱۱

قصائد قطعات

اور

متفرقات غالب

۱۱۱

قصیدہ اول

در منقبت

- (۱) سار یک ذرہ نہیں فیضِ چین سے بیکار
سایہ لالہ بے داغ سویدائے بہار
- (۲) مستی یادِ صبا سے ہے بعضی بہزہ
ریزہ شیشہ سے جو ہر تیغ کسار
- (۳) بہزہ جامِ زمر کی طرح داغِ پلنگ
تازہ ہے ریشہ نایب صفتِ رشکِ شرار
- (۴) مستی ایر سے گلچیں طرب ہے حسرت
کہ اس آغوش میں ممکن ہے دو عالم کا قسار
- (۵) کوہ و صحرا ہمہ مہموری شوقِ بلبلسل
راہِ خوابید ہوئی خندہ گل سے بیدار
- (۶) سوئے ہے فیض ہوا صورتِ مرغانِ قیوم
سرِ نوشت دو جہاں ابر بیک سطرِ غبار
- (۷) کاٹ کر پھینکے ناخن تو باندازِ ہلال
قوتِ ناسیب اس کو بھی نہ چھوڑے بیکار
- (۸) کف ہر خاک پر گردوں شدہ قمری پرواز
دام ہر کاغذِ آتش زدہ طاؤسِ شکار
- میکرے ہیں ہو اگر آرزو سے گل چینی

بھول جایک قدح بادہ بہ طاق گلزار
موج گل ڈھونڈو بخت کدہ غنچہ بارغ
(۱۰) گم کرے گوشہ میخانہ میں گر تو دستار

کھینچے گرمائی اندیشہ چمن کی تصویر
(۱۱) سبزہ مثل خطِ نوخیز ہو خطِ پرکار

لعل سے کی ہے پتے زمزمہ مدحت شاہ
(۱۲) ظوٹی سبزہ کہسار نے پیدا منتقار

وہ شہنشاہ کہ جس کی پے تعمیر سرا
(۱۳) چشم جہول ہوئی قالبِ شست دیوار

فلکِ العرش ہجومِ خم دوشِ مزدور
(۱۴) رشتہ فیض ازل سازِ طناب معمار

سبزہ نہ چمن و یک خطِ پشت لب نام
(۱۵) رفعت ہمت صد عارف و یک اوج حصار

واں کی خاشاک سے جا مل ہو جسے یک پرکاش
(۱۶) وہ رہے مرہ حہ بال پری سے بیزار

خاک صحرائے نجف ہو ہر سیر
(۱۷) چشم نقش قدم آئینہ بخت بیدار

ذرہ اس گرد کا خورشید کو آئینہ تاز
(۱۸) گرد اس دشت کی امید کو احرام ہمار

آفریش کو ہے واں سے طلبِ بستی تاز
(۱۹) عرضِ تھیازہ ایجا وہے ہر موج غبار

مطلع ثانی

- (۲۰) فیض سے تیرے ہے اے شمع شبستان بہار
دل پروانہ چراغان پر میل گلزار
- (۲۱) شکل طاؤس کرے آئینہ حسانہ پرواز
ذوق میں جلوے کے تیرے ہوا شے دیدار
- (۲۲) تیری اولاد کے غم سے ہے برفٹے گردوں
سلک اختر میں مہ نو مشرۃ گوہریاں
- (۲۳) ہم عبادت کو ترا نقش قدم ہر نماز
ہم ریاضت کو ترے حوصلے سے استظهار
- (۲۴) ندرج میں تیری تھاں زمزمہ نعت نبیؐ
جام سے تیرے عیاں بادۂ جوش اسرار
- (۲۵) جو ہر دست دعا آئینہ یعنی تاثیر
یک طرف نازش مرثاں و دگر سو غم خار
- (۲۶) مرد مک سے ہو عزا خانہ اقبال نگاہ
خاک در کی تری جو چشم نہ ہو آئینہ دار
- (۲۷) دشمن آل نبی کو بطرب حسانہ دہر
عرض خمیازہ سیلاب ہو طاق دیوا
- (۲۸) دیدہ تادل آئینہ یک پر تو شوق
فیض معنی سے خط سا غرراقم سرشار

(۱) یعنی فیض چمن بہار نے کسی شے کو بے مصرف نہیں کھا۔ لالہ کا
سایہ بے داغ، دل بہار کا "سویدا" معلوم ہوتا ہے۔

(۲) سبزہ زار چمن کو تشبیہاً جوہر تیغ کہ سارے سمجھنا چاہئے، باد صبا کی
جولانی سے لہلہانے میں ریزہ ہائے شیشہ سے معلوم ہوتا ہے۔

(۳) چیتہ کا داغ مثل جام زمرہ ہے۔ اور شرر مثل ریشہ تاج۔

(۴) ہجوم ابر سے حسرتِ دل گل چینی سرور کرتی ہے اور چھائے
ہوئے یاد دل پر خیال ہوتا ہے کہ اس آغوش میں دونوں جہان کا
فشار ممکن!

(۵) جنگل اور پہاڑ ترانہ ہائے عشقِ عنبر لیکے معور ہو گئے ہیں اور
سنان رستے پھولوں کے قہقروں سے آباد ہو گئے ہیں۔

(۶) یعنی زمین کو ایک سطر بخطِ خیال سمجھنا چاہئے، اور فیض ہوا،
جو ابر تیار کرتا ہے، وہ دو جہان کی خوش نصیبوں کی تحریر کے
پراپر ہے، جس طرح شیم کی مڑگانِ خاک آلود کی خاک کے
یا مقابل اس کے اشک ہائے بکسی کا سلسلہ!

(۷) یعنی اگر ناخن بھی کاٹ کر پھینک جائے، تو قوتِ نامیہ اس کو
بھی بیکار نہ چھوڑے گی، بلکہ ہلال بنا دے گی!

(۸) کاغذِ آتشزدہ جلا ہوا کاغذ جس میں کچھ سوراخ اور کچھ سکڑن
پیدا ہو جاتے ہیں۔ دام سے تشبیہ ہے یہ مطلب ہے کہ ہر مشیت
خاکِ قمری بنکر آسمان کی طرف پرواز کتا ہے، اور کاغذِ
آتشزدہ کا جمال بھی طاؤس رقصاں کو شکار کرتا ہے! اگر طاؤس
شعلہ رقصاں سے مستعار ہو گیا جائے تو دام کاغذِ آتشزدہ طاؤس

مشغلہ کا شکار کرنے والا کہنا چاہئے !

(۹) یعنی شراب خانہ میں بیٹھے بیٹھے، اگر بھول توڑنے مقصود ہوں تو میخانہ کے نقش و نگار والے طاق پر ساغر شراب رکھ کر بھول جا تھوڑے ہی عرصہ میں طاق کے نقوش سبزہ و شاخ گل ہو جائینگے اور ساغر گل بن جائے گا۔

(۱۰) یعنی اگر گوشہ میخانہ میں تیری دستار گم ہو گئی، تو آب تلامش دستار عبت ہے۔ کیونکہ فیض موسم نے گوشہ میخانہ کو توغیوں کے باغ کا خلوت کردہ بنادیا، اور دستار کو موج نکہت گل !
(۱۱) یعنی مصوّر خیال، اگر چمن کی تصویر کھینچے، تو پرکار تصورات کسی حسین کا سبزہ خط بن جائے !

(۱۲) سبزہ زار کوہ کو طوطی، اور لعل (پتھر) کو منقار طوطی کہا ہے، گویا یہ طوطی کہسار حضرت مولیٰ علی کی مدح کرتی ہے !
(۱۳) وہ شہنشاہ وہ عالیجناب ہے جس کی مجلس کی تعمیر کے لئے چشم جبریل کے سانچہ کی ڈھلی ہوئی اینٹیں تیار ہوتی ہیں۔

(۱۴) اس کی مجلس کی تعمیر کے جو مزدور ہیں وہ اس قادرِ عالی مرتبہ ہیں کہ فلک العرش، ان کے ہجوم خم دوش کے برابر ہے، اور رشتہ فیض ازل اس کے معمار کی طناب، یا ڈوری ہے !

(۱۵) یعنی سبزہ نہ افلاک، اس کے پشت لب بام کا ایک خط ہے اور چار دیواری کی بلندی سینکڑوں عارفوں کی ہمتی کی برابر ہے۔
(۱۶) وہاں کے خس و خاشاک ہیں سے اگر ایک تنکے کا ریشہ کسی کو ملے آجائے تو وہ بال پر ہی کے پنکھے سے بیزار ہو جائے۔

(۱۷) یعنی صحرائے نجف کی خاک، رہروانِ معرفت کے لئے
اکسیر سلوک ہے، اور خود راہرو کا نقش قدم، اس کے بخت
رسا کا آئینہ ہے۔

(۱۸) سرزمینِ نجف کا ایک ایک ذرہ آفتاب کے لئے آئینہ ہے
جس میں خود بینی کرتا ہے اور اس جنگل کی خاک، امیر کے لئے
احرام ہے، کہ کعبہ مقصود بہار کا طواف کرے!

(۱۹) زمین کی گردی شکل کو موجِ غبار سے تعبیر کیا ہے اور تشبیہ
خمیانہ ایجاد کہا ہے "خمیانہ" خواہش و طلب سے آٹا رہا
سے ہے مطلب ہے، کہ "ایجاد" موجِ غبار سے انگریز اٹیاں لیتی
ہے اور حمارِ ظاہر کرتی ہے، یعنی عالمِ خلقت کو اس سرزمین سے،
آفرینش پر ناز کرنے کی مستی مطلوب ہے!

(۲۰) یعنی اسے آرام گاہ ہمارے شمع! تیرے فیض سے پروانہ کا دل
چراغوں بنا ہوا ہے اور پیرِ یسویٰ کی گوار، یعنی اس کے دل میں
چراغ ہمارے عشق شمع روشن ہیں، اور اس کا پہلو و مسل
گل سے معمور!

(۲۱) "پروانہ" محاورہ کے طور پر استعمال ہوا ہے جس کے معنی اترائے
اور ناز کرنے کے ہیں، اور لفظی رعایت سے، طاؤس سے تشبیہ ہے۔
مطلب ہے کہ تیرے جلوہ کے ذوق میں آئینہ خانہ آڑنے لگے۔

اور دیدار کی خواہش اس کو طاؤس پر پاں بنا دے!
(۲۲) یعنی غمِ ابا میں سے، ستاروں کی لڑی، چشمِ ہلال کی مژدہ شکوہ
معلوم ہوتی ہے!

(۲۳) بے شک! عبادت کے لئے، تیرا نقش قدم سجدہ گاہ ہے
یا فرمانِ قبولیت کی مہر، اور ریاضت کے لئے تیرا حوصلہ،
پشت پناہ!

(۲۴) تیری تعریف میں سرورِ کائنات کی توصیف کی صدا ہے، اور
تیرے جام سے ہادہ اسرارِ معرفت الہی پر جوش ہے!

(۲۵) تیرا دستِ دعا آئینہ ہے، اور تاثیرِ اجابت اُس کا جوہر، پھر یہ
جوہر ایک طرف توحینوں کی مڑگاں کے لئے سترِ مایہ ناز ہے،
دوسری طرف خار کے لئے باغِ غم ہے، کہ مڑگاں کی معشوقانہ
ناوکِ سنگینی اور چھین اس سے زیادہ پُر تاثیر ہے!

(۲۶) جو آنکھ تیرے خاکِ درپر فرش نہ ہو، اُس کی سیاہ پوش پتلی،
نحت نگاہ و بصر کے لئے ماتم خانہ بن جائے۔

(۲۷) آلِ بئی کے دشمنوں کے لئے عشرت خانہ، دہر کا ہر طاق
غیاظہ طوفانِ حوادث ہو جائے!

(۲۸) آنکھوں سے دل تک پر تو شوق نے، ایک آئینہ لگایا ہے
اور معنی کے فیض نے، خطِ جسامِ شعر کو سرشار و مست
کر دیا ہے۔

قصید دوم

۱	دہر جز جلوه یکتائی معشوق نہیں	۱	ہم کہاں ہوتے اگر حسن ہو تا خود ہیں
۲	بید لہیا تے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ فوق	۲	بیکسی ہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں
۳	ہرزہ ہے لہجہ زیر و بزم ہستی و عدم	۳	لغو ہے آئینہ فسق جنون و تمکین
۴	نقش معنی ہمہ خمیازہ عرض صورت	۴	سخن حق ہمہ پیسا نہ ذوق تمکین
۵	لاف دالش غلط و نفع عبادت معلوم	۵	در دیک ساغر غفلت ہے چہ دنیا و چہیں
۶	مثل مضمون وفا با دبست تسلیم	۶	صورت نقش قدم خاک بفرق تمکین
۷	عشق ہے ربطی شیرازہ اجڑائے حواس	۷	وصل رنگار رخ آئینہ محسن یقین
۸	کوہ کن گرسنہ مزو و رطب گناہ رقیب	۸	بے ستوں آئینہ خواب گراں شیریں
۹	کس نے دیکھا نفس اہل وفا آتش خیمز	۹	کس نے پایا اثر نالہ دلہائے حزین
۱۰	سامع زمزمہ اہل جہاں ہوں لیکن	۱۰	نہ سرو برگ ستایش نہ دماغ لہریں
۱۱	کس قدر ہرزہ سرا ہوں کہ عیاذاً باللہ	۱۱	یک قلم خارج آداب وقار و تمکین
۱۲	نقش لاجل لکھ لے خامہ ہدیاں تحریر	۱۲	یا علی عرض کر اے فطرت و سواس قرین
۱۳	منظر فیض خدا جان و دل ختم رسل	۱۳	قبیلہ آل نبی کعبہ ایجاب یقین
۱۴	ہو وہ سرمایہ ایجاد جہاں گرم خرام	۱۴	ہر کف خاک ہو واں گرد و تصویریں
۱۵	جلوہ پرواز ہو نقش قدم اس کا جس جا	۱۵	وہ کف خاک ہے ناموس و عالم کی امیں
۱۶	نسبت نام سے اس کی ہے یہ رتبہ کہ ہے	۱۶	ابداً پشت فلک خم شدہ نازدین
۱۷	فیض خلق اس کا ہی شامل ہے کہ ہوتا ہے ردا	۱۷	بوئے گل سے نفس با و صبا عطر آگین
۱۸	پریش تیغ کا اس کی ہے جہاں میں چرچا	۱۸	قطع ہو جائے نہ سر رشته ایجاد کین

۱۹	کفر سوز اس کا وہ جلوہ ہے کہ جس سے لوٹے	رنگ عاشق کی طرح رونق بخاندہ چیں
۲۰	جاں پناہ دل و جاں فیض رسانا شاہ	وصی ختم رسل تو ہے بقولے یقیں
۲۱	جسم اطہر کو ترے دوش پیہر منبر	نام نامی کو ترے ناصیہ عرش نگیں
۲۲	کس کے ممکن ہے تری طرح بغیر از واجب	شعلہ شمع مگر شمع پہ باندھے آئیں
۲۳	آستان پر ہے ترے جو ہر آئینہ سنگ	رقم ہند کی حضرت جبریل امیں
۲۴	تیرے در کے لئے اسباب نثار آمادہ	خاکیوں کو جو خدا نے دیئے جان لادیں
۲۵	تیری مدحت کیلئے ہیں لہجہ کا مژباں	تیری تسلیم کو ہیں لوح و قلم دست چیں
۲۶	کس سے ہو سکتی ہے مداحی محمد صرح خدا	کس سے ہو سکتی ہے آرایش فردوس میں
۲۷	جلس بازار معاصی اسد اللہ اسد	کہ سوا تیرے کوئی اس کا خریدار نہیں
۲۸	شوخی عرض مرطالبتیں گستاخ طلب	ہے ترے حوصلہ فضل پاز بسکہ یقیں
۲۹	فے دعا کو مری وہ مرتبہ حسن قبول	کہ اجابت کے ہر حرف پہ ہوا راہیں
۳۰	غم شبیر سے ہو سینہ یہاں تک لبریز	کہ رہیں خون جگر سے مری آنکھیں رنگیں
۳۱	طبع کو الفت دل میں یہ سرگرمی شوق	کہ بہا تک چلے اس قدم اور مجھ سے چیں
۳۲	دل الفت نسب و سبب تو حید فضا	نگہ جلوہ پرست و نفس صدق گزین

صرف اعداد اثر شعلہ دو و دوزخ

۳۳

وقف اجاب گل و سنبھل فردوس میں

۱۱۱ سو فیاض کرام کا عقیدہ ہے کہ تخلیق کائنات سے پہلے خدا نے اپنے جمال کو دیکھنا چاہا تو اس منشا سے دیدہ سے یہ عالم ظہور پذیر ہوا شعر میں یہی تلخیص ہے کہ اگر حسن کو اپنی خود بینی متصور نہ ہوتی تو ہمارا وجود

کہاں ہوتا..... جو کہ
بمنزلہ آئینہ..... تجلیات
کے ہے۔

(۲) یعنی، تماشا، و نظارہ سے دل ایسا اچاٹ ہو گیا ہے، کہ نہ عبرت
کی غرض سے نظر اٹھتی ہے نہ دلچسپی مناظر کا شوق دیدار پیدا
ہوتا ہے۔ اور تمنا کی بیکسی اور یہ لسی کا یہ عالم ہے کہ نہ کوئی
دین کی تمنا ہے، نہ دنیا کا ارمان!

(۳) وجود اور عدم کے مباحثہ بیکار ہیں۔ اور عقل و جنون کے
امتیازات عبث ہیں۔

(۴) یعنی جن نقوش پر معنی چسپاں کئے جاتے ہیں یا جن اعتبارات پر
حقیقت آشنائی کا دعویٰ ہوتا ہے وہ سب لفظی اور ظاہری
بھول بھلیاں اور آلٹ پھیر ہیں اور دنیا میں حق کوئی کے لئے
نہیں بلکہ داد طلبی کے لئے ہے۔

(۵) یعنی عقل پر گھمنڈ یا عقلمنداری کی شیخیاں غلط عبادات سے
نفع کی توقع ہی کیوں۔ دنیا و دین ساغر عشق کی تلچھٹ ہیں۔ یا دنیا و
دین کو غرقِ مئے عشق الہی کر دینا بہتر ہے۔ عبادت معاوضہ اور
آجرت کے لئے نہ کرنی چاہئے اور معاملات و علاقہ کی آلودگی میں
عقل پر گھمنڈ نہ ہونا چاہئے۔

(۶) یعنی طاعت و بندگی بھی وفا کی طرح برباد ہیں اور غرور و تمکنت
نقشِ قلم کی طرح خاک بسر ہیں۔ یعنی نہ عجز کا رآمد ہے نہ غرور کا
انجام بخیر۔

(۷) یعنی عشق خلل حواس ہے۔ اور وصل آئینہ اُلفت کو مکر کر دینے والا ہے۔

(۸) یعنی فرما دے عشرت گاہ خسرو کا محض مزدور ہے۔ چونکہ تو غافل شیریں کو بے سنون کی طرح ناقابل جنبش ہے۔ اگر کوہ کن مزدور محض نہ ہوتا بلکہ جذبہ کامل و صادق بھی رکھتا ہوتا تو تغافل شیریں قائم نہ رہتا۔

(۹) یعنی اہل وفا و عشق کی آہوں میں تاثیر گداز باقی نہ رہی، اور دل غمگین کے نالے بے اثر ہو گئے!

(۱۰) یعنی ہم تو اہل زمانہ کے چمچے مسن لیتے ہیں، اور نہ، نہ اُن سے توقع تحسین رکھتے ہیں، نہ اُن کی نفیریں پر دماغ دارانہ شکایت! (۱۱) خدا کی پناہ! کس قدر بیہودہ گوئی کر گیا، آدابِ توقیر و تعظیم سے گذر گیا!

(۱۲) یعنی اسے قلم ہدیان تحریر یا۔ اسے قلم پریشان رقم لاجول لکھ، اور اسے خیال و سوسہ قریں، یا علی! پکار دے تاکہ لاجول لکھنے سے، و ساوس، ماسوسے سے نجات ہو، اور جو لکھنا چاہتا ہوں وہ لکھ سکوں، اور آداب و قار و تمکیں سے بعید نہ ہو جاؤں)

(۱۳) یعنی حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ فیض الہی کے منظر و پیکر حضور رسالت پناہ کے جان و دل، آلِ رسول کے قبلہ اور عالمِ ایجاد و امکان کے کعبہ ہیں!!

(۱۴) یعنی وہ حاصلِ عالمِ ایجاد، جہاں قدم رکھے، گویا اُس کے نقوش قدم سے، تمام عالمِ امکان کا مرتفع پیش ہو جاتے۔

(۱۵) اور جس خاک پر اُس کا نقش قدم منقش ہو جائے، وہ خاک
 و دونوں جہانوں کے لئے، باعثِ حرمت و شرف ہے!
 (۱۶) حضرت ممدوح کرم اللہ وجہہ کی کنیت ابو تراب ہے، اس
 نسبت کی وجہ سے زمین کے فخر و ناز کا، آسمان ہمیشہ خم شدہ
 رہے گا۔

(۱۷) یعنی یہ آپ ہی کے فیض و لطافت کا اثر ہے، کہ صبا پھولوں
 سے معطر ہے۔

(۱۸) یعنی آپ کے تلوار کا کاٹ زمانہ بھر میں مشہور ہے، اور بڑا
 ہوتا ہے، کہ کہیں رشتہ ایجاد و امکاں نہ منقطع ہو جائے!

(۱۹) یعنی، اُس کا جلوہ کفر سوز ہے، اس لئے یقین ہے، کہ بتخانہ
 چین کی رزق اس طرح اڑ جائے جیسے عشاق کا رنگ!

(۲۰) یعنی اے جان پناہ، اے دل و دیں کو مستفیض فرمانے
 والے، اور اے بادشاہ! تو یقیناً وصی رسول کریم ہے!

(۲۱) "نامیہ عرش نگیں" یعنی پیشانی عرش پر آپ کا نام نامی
 کندہ ہے۔

(۲۲) یعنی، جس طرح شمع کا فروغ، شعلہ ہی پر منحصر ہے، اسی
 طرح آپ کی توصیف صرف خداوند تعالیٰ فرما سکتا ہے، کیونکہ
 آپ ذات واجب الوجود میں فنا ہیں، اس لئے ہم، اور ممکنات
 سے آپ کی مدح ناممکن ہے!

(۲۳) یعنی تیرے استاد کے آئینہ سنگ کے جوہر، وہ نشانات
 ہیں جو جبریل امین کے سجدوں سے بنے ہیں!

(۱۲۶) یعنی، بہشت کو سوائے خدا کے کوئی دوسرا آماستہ نہیں کر سکتا ہے! اسی طرح ممدوحین خدا کی مدحت کوئی غیر نہیں کر سکتا!

(۱۳۲) یعنی دل میں محبت ہو، اور سینہ فضائے توحید بن جائے، اور اس فضا میں جو ہوا چلتی ہو، وہ نفس صداقت معمور کی ہو، اور نگاہ ایسی جلوہ آشنا ہو، کہ جب نظر اٹھے، دیدار میسر آجائے!

قصیدہ سوم

۱	ہاں مہ نو شیں ہم اس کا نام	جس کو تو جھک کے کر رہا ہو سلام
۲	دو دن آیا ہے تو نظر دم مسج	یہی انداز اور یہی اندام
۳	پائے دو دن کہاں ہا غائب	بندہ عاجز ہے گردش آیام
۴	اڑ کے جاتا کہاں کہ تاروں کا	آسمان نے بچھا رکھا شہزادام
۵	مرجبا اے سرور خاص خواص	خیزا اے نشاط عام عوام
۶	عذر میں تین دن نہ آنے کے	لے کے آیا ہے عید کا پیغام
۷	اس کو بھولانہ چاہئے کہنا	صبح جو جائے اور آئے شام
۸	ایک میں کیا کہ سب نے جان لیا	تیسرا آغاز اور ترا انجام
۹	راز دل مجھ سے کیوں چھپاتا ہے	مجھ کو سمجھا ہے کیا کہیں تمام
۱۰	جانتا ہوں کہ آج دنیا میں	ایک ہی ہے امید بگاہ انام
۱۱	میں نے مانا کہ تو ہے حلقہ بگوش	غائب اسکا مگر نہیں ہے غلام؟
۱۲	جانتا ہوں کہ جانتا ہے تو	تب کہا ہے بطرہ استغلام

۱۳	قرب ہر روزہ یک سبیل دوم	۱۳	ہر تاباں کو ہو تو ہوا سے ماد
۱۴	جز بہ تقریب عید ماہ صیام	۱۴	بچھ کو کیا پایہ روشناسی کا
۱۵	پھر بنا چاہتا ہے ماہ تمام	۱۵	جانتا ہوں کہ اسکے فیض سے تو
۱۶	مجھ کو کیا بانٹ دے گا تو انعام	۱۶	ماہ بن ماہتاب بن میں کون
۱۷	اور کے لین دین سے کیا کام	۱۷	میرا اپنا جسام معاملہ ہے
۱۸	گر تجھے ہے امید رحمت عام	۱۸	بے مجھے آرزوئے بخشش خاص
۱۹	کیا نہ دے گا مجھے مئے گنگام	۱۹	جو کہ بخشے گا تجھ کو فر فرغ
۲۰	کر چکے قطع تیری تیزی گام	۲۰	جبکہ چودہ من ازل فلکی
۲۱	کوٹے مشکوے دھن و منظر و بام	۲۱	تیرے پر تو سے ہوں مرغ پذیر
۲۲	اپنی صورت کا ایک بلوریں جام	۲۲	دیکھنا میرے ہاتھ میں لبریز
۲۳	تو سن طبع چاہتا تھا لگام	۲۳	پھر غزل کی روش پہ چل نکلا
۲۴	تجھ کو کس نے کہا کہ ہو بام	۲۴	زہر غم کر چکا تھا میرا کام
۲۵	غم سے جب ہو گئی ہو زلیت حرام	۲۵	مئے ہی پھر کیوں میں پتو جائے
۲۶	کہ نہ سمجھیں وہ لذت و شنام	۲۶	بیسہ کیسا یہی غنیمت ہے
۲۷	اب تو باندھا ہے دیر میں احرام	۲۷	کعبے میں جا بجائیں گے ناقوس
۲۸	چرخ نے لی ہے جس سرگر ہش دم	۲۸	اس قرح کا ہے دور مجھ کو نقد
۲۹	دل کے لینے میں جنکو تھا ابرام	۲۹	بیسہ دینے میں اُنکو ہے انکاد
۳۰	کیوں رکھوں ورنہ غالب اپنا نام	۳۰	چھیڑتا ہوں کہ اُنکو غصہ آئے
۳۱	اے پری چہرہ پیک تیز خرام	۳۱	کہہ چکا میں تو سب کچھ اب تو کہہ
۳۲	ہیں مہ و مہر و نہ ہرہ و بہرام	۳۲	کون ہے جسکے ورپہ ناصیہ سا
۳۳	نام شاہنشاہ بلسن مقام	۳۳	تو نہیں جانتا تو مجھ سے شن

قبلہ چشم و دل بہادر شاہ ۳۴ منظر ذوالجلالی والاکرام
 شہ سوار طریقتہ انصاف ۳۵ نو بہار حدیقہ اسلام
 جس کا ہر فعل صورت اعجاز ۳۶ جس کا ہر قول معنی الہام
 بزم میں میزبان قیصر و جسم ۳۷ رزم میں استاد رستم و سام
 اے ترا لطف زندگی افزا ۳۸ اے ترا غم فرخی فجام
 چشم بدور خسروانہ شکوہ ۳۹ لوحش اللہ جار فانیہ کلام
 جاں نثاروں میں تیرے قیصر و دم ۴۰ جرعه خواروں میں تیرے مرشد جام
 وارث ملک جانتے ہیں تجھے ۴۱ ایرج و تور و خسرو و بہرام
 زور بازو میں مانتے ہیں تجھے ۴۲ گیدو گوڈو و بیسن و رہام
 مرجسا و شگافی ناوک ۴۳ آنسریں آبداری مصمام
 تیرے تیرے غیر ہدف ۴۴ تیغ کو تیرے تیغ خیم نیام
 رعد کا کر رہی ہے کیا دم بند ۴۵ برق کو دے رہا ہے کیا الزام
 تیرے فیل گراں جسد کی صدا ۴۶ تیرے رخسار سبک عنان کا خزام
 فن صورت گری میں تیرا گرز ۴۷ گرنہ رکھتا ہو دستگاہ تمام
 اس کے مضر و ب کے مضر تر ہے ۴۸ کیوں نمایاں ہو صورت او غام
 جب ازل میں رقم پذیر ہوئے ۴۹ صفحہ ہائے لیسالی و ایام
 ادرآن اوراق میں بہ کلک قضا ۵۰ جملاً منہ برج ہوئے احکام
 لکھ دیا شاہدیں کو عاشق کش ۵۱ لکھ دیا عاشقوں کو دشمن کام
 آسمان کو کسا گیا کہ کہیں ۵۲ گیند تیرے گز و نیلی نام
 حکم ناطق لکھا گیا کہ لکھیں ۵۳ خال کو دانہ اور زلف کو دام
 آتش و آب و باد و خاک نے لی ۵۴ وضع سوز و غم و دم و آرام

مہر رخشاں کا نام خسرو روز	۵۵	ماہ تاباں کا نام شمسہ شام
تیری توقع سلطنت کو بھی	۵۶	دی بدستور صورت ارقام
کاتب تحکم نے بوجہ حکم	۵۷	اس رقم کو دیا طراز دوام
ہے ازل سے روانی آغاز	۵۸	ہوا بیتک رسائی انجم

(۱) جھک کر سلام کرنے، اور ہلائی شکل میں مشابہت ہے۔

(۹) "نام" چغل خور۔

(۱۱) "نام" خلق۔

(۱۲) (مصرعہ ثانی) یعنی ہمیشہ کے لئے، روزانہ حضوری۔ س

(۱۴) یعنی سوائے حمید کے، تیرا یہ مرتبہ نہیں، کہ بادشاہ کا روٹنا ہو سکے۔

(۱۷) "مشکوئے" مجلسرا۔

(۲۲) یعنی غم عشق تو مجھ کو ہلاک کر ہی چکا تھا، تو نے ناحق قتل کر کے

النام اپنے سر لیا۔ یا مجھ کو تو غم عشق ہلاک کر ہی چکا تھا، تو نے دم

واپس آ کر جبکہ میں لاعلاج ہو چکا تھا، کیوں اپنی مسکائی کو رسوا کیا!

(۲۵) یعنی اسے بھی حرام ہے اور غم نے زندگی بھی حرام کر دی ہے،

پھر شراب ہی کو کیوں اختیار نہ کر دوں، تاکہ افکار کی ہر مصلحت تلخی

سے نجات پائیں!

(۲۸) "دام" قرض۔

(۲۹) "ابرام" اصرار۔

(۳۱) "پری چہرہ" اور "پیک تیز خرام" چاند سے مخاطب ہے۔

(۳۲) "ناصیہ سا" جبیں سا، "بہرام" مریخ۔

(۳۵) "حقیقہ" چمن۔

(۳۶) "لوحش اللہ" "ماشا اللہ" چشم بد دور۔

(۳۷) "مرشد جام" کا اشارہ جمشید کی جانب ہے۔

(۳۸) یعنی ہاتھی کی چنگھاڑ، رعد کی گرج سے زیادہ پرہیت ہو

اور گھوڑے کی رفتار، برق پر مفلحہ کرتی ہے!

(۳۹) "لیالی" ییل کی "ایام" یوم کی جمع ہے۔

(۴۰) "توقع" سند۔

(۴۱) "ظراز دوام" انداز ہمیشگی۔

قصیدہ چہارم

صبح دم دروازہ خاور کھلا	۱	مہر عالم تاب کا منظر کھلا
خسرو انجم کے آیا صرف میں	۲	شب کو تھا غنچینہ گوہر کھلا
وہ بھی اتنی ایک سیمیا کی سی نمود	۳	صبح کو رازِ مہ و خستہ کھلا
ہیں کو اکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ	۴	دیتے ہیں دھوکا یہ باز گر کھلا
سطح گردیں پر پڑا تھا مات کو	۵	موتیوں کا ہر طرف زیور کھلا
صبح آیا جانب مشرق نظر	۶	اُن نگار آتشیں رخسار کھلا
تھی نظر بندی کیا جب روئے	۷	بادِ گل رنگ کا ساغر کھلا
لا کے ساتی نے عبوحی کیلئے	۸	رکھ دیا ہے ایک جام زر کھلا
بزم سلطانی ہوئی آراستہ	۹	کعبۂ امن داماں کا در کھلا
تلخ زریں مہربانیاں سے سزا	۱۰	خسرو آفاق کے منہ پر کھلا

شاہ روشن دل بہادر شہ کہ ہے	۱۱	راز ہستی اس پہ سرتاسر کھلا
وہ کہ جسکی صورت تکوین میں	۱۲	مقصد نہ چرخ و ہفت اختر کھلا
وہ کہ جس کے ناخن تاویل سے	۱۳	عقدہ احکام پیغمبر کھلا
پہلے دارا کا نکل آیا ہے نام	۱۴	اُسکے سر ہنگون کا جب فتر کھلا
روشنا سوئچی جہاں فرست	۱۵	واں لکھ ہے چہرہ قیصر کھلا
تو سن شہ میں ہر وہ خوبی کہ جب	۱۶	تھان سے وہ غیرت صرصر کھلا
نقش پاکی صورتیں وہ ولفریب	۱۷	تو کے بت خانہ آزر کھلا
مجھ پہ فیض تربیت سے شاہ کے	۱۸	منصب مہر دمہ و محور کھلا
تھا دل وابستہ قفل بے کلید	۱۹	کس نے کھولا کب کھلا کیونکر کھلا
لاکھ عقد و دلیں تھے لیکن ہر ایک	۲۰	میری حد و سع سے باہر کھلا
باغ معنی کی دکھاؤں گا ہمارے	۲۱	مجھ سے گر شاہ سخن گستر کھلا
سو جہاں گرم غزلخواہی نفس	۲۲	لوگ جانیں طبلہ معنبر کھلا
کنج میں بیٹھا رہیں یوں پر کھلا	۲۳	کاش کے ہوتا نفس کا در کھلا
ہم پکاریں اور کھلی یوں کین جائے	۲۴	یار کا دروازہ پا دیں گر کھلا
ہم کو ہے اس راز داری پر گھنٹہ	۲۵	دوست کا ہے راز دشمن پر کھلا
واقعہ دل پر بھلا لگتا تھا داغ	۲۶	زخم لیکن داغ سے بہتر کھلا
ہاتھ سر رکھ دی کب ابرو نے کہاں	۲۷	کب کر سے غمزے کی خنجر کھلا
مفت کا کس کو بڑا ہے بدرقہ	۲۸	رہ روی میں پردہ رہبر کھلا
سوز دل کا کیا کرے باران اشک	۲۹	آگ بھڑکی مینہ اگر دم بھر کھلا
نامے کیساتھ آگیا پیغام مرگ	۳۰	رہ گیا خط میری چھاتی پر کھلا
دیکھو غالب سو گرا لچھا کوئی	۳۱	ہے ولی پوشیدہ اور کافر کھلا

۳۲	پھر ہوا۔ حست طرازی کا خیال	۳۲	پھر مہ و خورشید کا دفتر کھلا
۳۳	خامی نے پائی طبیعت سے مدد	۳۳	بادیاں کے اٹھتے ہی لنگر کھلا
۳۴	مہ سے مدد کے دیکھے شکوہ	۳۴	یاں عرض ہے ترسہ جو ہر کھلا
۳۵	مہر کا نیا چرخ چکر کھا گیا	۳۵	بادشہ کا رایت لشکر کھلا
۳۶	بادشہ کا نام لیتا ہے خطیب	۳۶	اب علویے پایہ منبر کھلا
۳۷	سکہ شاہ کا ہوا ہے روشناس	۳۷	اب عیار آبروئے زر کھلا
۳۸	شاہ کے آگے ہر ہے آئینہ	۳۸	اب مال سعی اسکندر کھلا
۳۹	ملک کے وارث کو دیکھا غلٹ نے	۳۹	اب فریب طفل و سخر کھلا
۴۰	ہو سکے کیا مہج۔ ہاراک نام ہے	۴۰	دفتر مدح جہاں داور کھلا
۴۱	فکر اچھی پرستائش نا تمام	۴۱	عجز اعجاز ستائش گر کھلا
۴۲	جانتا ہوں ہے خط لوح ازل	۴۲	تم پہ اسے خاقاں نام آور کھلا

۴۳	تم کرو صاحب قرآنی جب تلک ہے طلسم روز و شب کا در کھلا
----	---

(۱) ڈور واژہ خاور مطلع آفتاب۔ دوسرا مصرعہ اسی کی توضیح ہے۔
 (۲) موتیوں کے خزانہ سے ستارے، مشبہ ہیں، آفتاب کو ستاروں
 کا بادشاہ لکھتے ہیں، مطلب ہے کہ وہ موتیوں کا خزانہ جو رات
 کھلا تھا بادشاہ انجم کے خرچ میں آگیا، یعنی آفتاب نکلا اور
 ستارے چھپ گئے۔

(۳) "سیمیا" شعبہ، یاد بھی اشکال و صورت یعنی دن نیکنے پر معلوم
 ہوا کہ ستاروں اور چاند کا وجود ثابت نہ تھا!
 (۴) یعنی ستارے اصل میں ہماری زمین کی طرح گرات ہیں

- لیکن ہم کو آسمان کا زیور نظر آتے ہیں!
- (۶) نگار آتشیں رخ "معشوق شعلہ رو" آفتاب سے مستعار ہے
- (۷) "ساغر بادہ گلزنگ" آفتاب سے استعارہ ہے۔
- (۸) "صبوحی" وہ شراب جو صبح کے وقت پی جاتی ہے "جام زندہ" سنہری ساغر آفتاب کی تشبیہ ہے۔
- (۱۰) مہرتاباں سے تاج زرین کو شبہ کیا ہے۔
- (۱۲) "صورت نگوین" صرف خلقت مراد ہے۔
- (۱۳) "تادیل" تفسیر۔
- (۱۴) "سربنگ" سپاہی۔
- (۱۶ و ۱۷) گھوڑے کے نقوش پاکی دلکشی کو بتخانہ آزر کے دلفریب بتوں سے تشبیہ کی ہے۔
- (۱۸) "محور" وہ خط جس کے گرد کوئی کرہ گردش کرتا ہے۔
- (۲۰) سبحان اللہ کیسی پیساختہ بندش ہے، اور ممدوح کی طرف کیسا ٹاکیہ بی و تصریحی اشارہ ہے۔
- (۲۲) گویا اشعار سے مشام جاں معطر ہو جائے!
- (۲۳) سبحان اللہ نفس و پر و غیرہ استعارات میں کیسے زبردست جذبہ کا اظہار ہوا ہے، کہ "باوجود اختیار مجبور ہوں"
- (۲۴) یعنی، یوں کون جائے کہ دروازہ درست کھلا ہی ہوا ہو، اور خاص و عام کا امتیاز نہ ہو، لطف تو یہ ہے کہ دروازہ بند ہو، ہم پکاریں، اور صرف ہمارے لئے کھولا جائے۔
- (۲۵) یعنی، ہم کو اس رازداری پر گھمنڈ ہے، اور اس کو یہ ظلم ہے، کہ

ہم ہی کامیاب ہیں،

(۲۸) یعنی، موجودہ دور کی رہبری بس اس حیثیت کی ہے کہ اگر کسی کی رہبری کے لئے تیار ہوتے ہیں، تو اس لئے نہیں کرتے، کہ منزل تک پہنچا سکیں، بلکہ اس لئے رہبر بنتے ہیں کہ چند مہسفرانہ ساتھی مل جائیں جن سے اپنی راہ آسان ہو جائے!

(۳۲) گویا، اعلیٰ اعلیٰ تشبیہات کا دفتر کھلا۔

(۳۴) یعنی، امداد کی شان و عظمت جو منزلہ جوہر کے ہے میرے بیان سے، جو بصداقی عرض ہے، ظاہر ہوتی ہے!

(۳۵) "رایت" جھنڈا۔

(۳۶) یعنی اس منبر کی بلندی و عظمت مرتبت اس سے ظاہر ہوتی ہے، کہ اس پر خطیب بادشاہ کا نام لیتا ہے۔

(۳۷) یعنی، بادشاہ کے نام سے مسکوک و منقوش ہونے سے معلوم ہوا، کہ سونا، واقعی قیمت رکھتا ہے۔

(۳۸) یعنی، سکندر کی کوشش کی غایت، معلوم ہو گئی، کہ آئینہ بادشاہ کے سامنے ہے!

(۳۹) یعنی، خلق نے اب حقیقی وارث ملک کو پہچان لیا، اور معلوم ہو گیا، کہ طغزل و سنجر وغیرہ، غاصب و خدائے تھے اور مستحق سلطنت نہ تھے۔

(۴۰) "صاحبقرانی" نفع و خرمیج۔

شہنوی آموں کی تعریف میں

۱	ہاں دل درد مند زمرہ ساد	۱	کیوں نہ کھولے درخزینہ راز
۲	خامے کا صفحہ پر رواں ہونا	۲	شاخ گل کا ہے گل فشاں ہونا
۳	مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا لکھتے	۳	نکتہ ہائے خسرو فزا لکھتے
۴	بارے آموں کا کچھ بیاں ہو جائے	۴	خامہ نخل رطب فشاں ہو جائے
۵	آم کا کون مرد میسداں ہے	۵	نمر و شاخ گوے و چوگاں ہے
۶	تاک کے جی میں کیوں ہوا ریاں	۶	آٹے یہ گوہے اور یہ میداں
۷	آم کے لگے پیش جائے خاک	۷	پھوڑتا ہے جلے پھولے تاک
۸	نہ چلا جب کسی طرح مقدور	۸	بادۂ ناب بن گیا انگور
۹	یہ بھی ناچار جی کا کھونا ہے	۹	شرم سے پانی پانی ہونا ہے
۱۰	مجھ سے پوچھو تمہیں خبر کیا ہو	۱۰	آم کے آگے نیشکر کیا ہے
۱۱	نہ گل اسمیں نہ شاخ و برگ نہ بار	۱۱	جب خزاں آئے تب ہوا اسکی بہار
۱۲	اور دوڑائیے قیاس کہاں	۱۲	جان شیریں میں یہ ٹھاس کہاں
۱۳	جان میں ہوتی گر یہ شیرینی	۱۳	کوہ کن باوجود غمگینی
۱۴	جان دینے میں اسکو کیا جان	۱۴	پر وہ یوں سہل دے نہ سکتا جان
۱۵	نظر آتا ہے یوں مجھے یہ سر	۱۵	کہ دوا خا نہ ازل میں مگر
۱۶	آتش گل پہ قند کا ہے قوام	۱۶	شیرے کے تار کا ہے ریشہ نام
۱۷	یا یہ ہو گا کہ فرطِ رافت سے	۱۷	باغبانوں نے باغِ جنت سے
۱۸	انگیں کے حکم رب الناس	۱۸	بھر کے بھیجے ہیں سبز مہر گلاس

یا لگا کر خضر نے شاخ نبات	۱۹	مدتوں تک ویسا ہے آب حیات
تب ہوا ہے ثمر فشاں یہ نخل	۲۰	ہم کہاں ورنہ اور کہاں یہ نخل
تھا ترنج زر ایک خسرو پاس	۲۱	رنگ کا زرد پر کہاں بوباس
آم کو دیکھتے اگر اک بار	۲۲	پھینک دیتا ملائے دست افشا
رونق کا رگاہ برگ و لو	۲۳	نازش دو دمان آب دہوا
رہ رو راہ خلد کا ترشہ	۲۴	طوبی و سدرہ کا جگر گوشہ
صاحب شلخ و برگ بار ہے آم	۲۵	ناز پروردہ بہار ہے آم
خاص وہ آم جو دارزاں ہو	۲۶	نوبر نخل باغ سلطان ہو
وہ کہ ہے والی ولایت عہد	۲۷	عدل سے اسکو ہے حمایت عہد
نفر دیں عرشاں و جاہ جلال	۲۸	زینت طینت و جمال کمال
کار فرمائے دین دولت و نعت	۲۹	چہرہ آراستے تلج و مسند و تخت
سایہ اس کا ہما کا سایہ ہے	۳۰	خلق پر وہ خدا کا سایہ ہے
اے مفیض وجود و سایہ نور	۳۱	جب ملک ہے نو و سایہ نور
اس خداوند بندہ پرور کو	۳۲	وارث گنج و تخت و افسر کو

اشاد و دل شاد و شاد ماں رکھو
اور غالب پہ مہرباں رکھو

۳۳

(۱) "مزمع ساز" نغمہ ساز۔

(۲) "شاخ گل" قلم سے استعارہ ہے۔

(۳) نکتہ ہائے خرد و فرا عقل زیادہ کرنے والے رموز۔

(۴) "نخل" کجور کا درخت۔ "رطب" کجور۔

(۵) پھل اور شاخ کو گیند اور بٹے سے تشبیہ دی ہے۔

(۷) "تاک" انگور۔ چھالے، اور انگور میں مشابہت ہے۔

(۸) "بادہ ناب" شراب۔ گویا انگور شرم سے عرق عرق ہو گیا۔

(۱۷) "فرطِ رافت" جوشِ کرم بہ انگلیں "شہار"۔

(۱۸) "شاخ نبات" مصری کی شاخ۔

(۲۱) "ترنج زر" سونے کا ترنج۔ طلّائے دست افشار، ایسا

نرم سونا جو ہاتھ سے مسل جائے۔

(۲۲) "کارگاہِ برگ و لوا" وہ مقام جہاں، درخت اور طائران

نغمہ میخ ہوں "دودماں" گھرانہ۔ خاندان "آب و ہوا" موسم

بہار مراد ہے۔

(۲۵) بادشاہ کے باغ کا تازہ ثمر۔

(۲۶) "عرشِ شان" شان کے لئے باعثِ عزت "جاہِ جلال" جلال

کی شان و مرتبت "طلیبت" سے اخلاقِ احسنہ اور پاک باطنی

مراد ہے "جمالِ کمال" کمال کی نمود

(۲۸) "کار فرما" اہتمام کرنے والا "چہرہ آرا" باعثِ زیب و

زینت۔

(۳۰) "مفیض" فیض پہنچانے والا۔

قصیدہ

مرحباً سال فرخی آئیں
شب و روز افتخار لیل و نهار
گرچہ ہے بعد عید کے نور و نور
سواں اکیس دن میں ہوئی کی
شہر میں کو بکو عبیر و گلال
شہر گویا نمونہ گلزار
تین تیر ہمارا اور ایسے خوب

پھر ہوئی ہے اسی مینہ میں
محفل غسل صحت نواب
بزم گہ میں امیر شاہ نشان
پیشگاہ حضور شوکت و جاہ
جن کی مسند کا آسمان گوشہ
جن کی دیوار قصر کے نیچے
دہر میں اس طرح کی بزم سرور
انجسم چرخ گوہر آگین فرش

ہے وہ بالائے سطح چرخ بریں
یہ ضیا بخش چشم اہل یقیں
راجہ انار کا جوا کھاڑا ہے
وہ نظر گاہ اہل دہم و خیال

عید شوال ماہ و فروردیں
مہ و سال اشرف شہور و شین
لیک پہنچ از سہ ہفتہ بعد نہیں
مجلسیں جا بجا ہوئیں رنگیں
باغ میں سو بسو گل و نسرتیں
باغ گویا نگار خانہ چہیں
جمع ہرگز ہوئے نہ ہونگے کہیں

منعہ محفل نشاط فریں
رونق افزائے مسند تمکین
بزم گہ میں حریف شیر تمکین
خیر خواہ جناب دولت و دیں
جن کی خاتمہ کا آفتاب نگین
آسمان ہے گدائے سایہ نشین
نہ ہوئی ہو کبھی بروئے زمین
نور سے ماہ سا غریب میں

داں کہاں یہ عطا و بذل و کرم یاں زمیں پر نظر جہاں تک جائے نغمہ مطہر بان زہرہ نوا اُس اکھاڑے میں جو کہ ہر مظنون	کہ جہاں گد یہ گر کا نام نہیں زالہ آسا بچھے ہیں در تہیں جلوہ لولیاں ماہ جبیں یاں وہ دیکھا بچشم صوت ہیں
--	--

سرور مہر فرہوا جو سوار سب نے جانا کہ ہر پیری تو سن نقش سم سمند سے یکسر فوج کی گر در راہ مشک نشان بسکہ بخشی ہے فوج کو عزت مرکب خاص یوں زمیں پر تھا چھوڑ دیتا تھا گور کو بہرام اور داغ آپ کی غلامی کا	بکمال تجمل و تنزین اور بال پری ہے امن زمیں بن گیا دشت دامن گلچیں رہروں کی مشام عطر آگین فوج کا ہر پیادہ ہے فرزیں جس طرح ہے پہر پر پردیں ران پر داغ تازہ دیکھے وہیں خاص بہرام کے ہر زیب مژدیں
--	---

بندہ پرور شنا طرازی سے آپ کی مدح اور میرا منہ اور پھر اب کہ ضعف پیری سے پیری نیستی خدا کی پناہ صرف اظہار ہے ارادت کا مدح گستر نہیں دعا گو ہے ہے دعا بھی یہی کہ دنیا میں	مدعا عرض فن شعر نہیں گر کہوں بھی تو کس کو آئے یقین ہو گیا ہوں نزار زار و حزیں دست خالی و خاطر غمگین ہے قلم کے جو سجدہ زیر جبین غالب عاجز و غیا ز آگین تم رہو زندہ جاوداں آمین
---	---

سلام

سلام اُسے کہ اگر بادشاہ کہیں اس کو
 نہ بادشاہ نہ سلطان، یہ کیا ستائش ہے
 خدا کی راہ میں شاہی و خسروی کیسی
 خدا کا بندہ، خداوندگار بندوں کا
 فروغ جو ہر ایمان، حسینؑ ابن علیؑ
 کفیل بخشش امت ہو، بن نہیں پڑتی
 مسیح جس سے کرے اخذ فیض جاں بخشی
 وہ جسکے ماتمیوں پر ہے سلسبیل سبیل
 عہد کی سمع رضا میں جگہ نہ پائے وہ بات
 بہت ہے پایہ گردِ وحسینؑ بلند
 نظارہ سوزِ ہریان تک ہر ایک خاک
 ہمارے درد کی یارب کہیں دوانہ ملے
 ہمارا منہ ہے کہ دیں اُسکے حسن صبر کی داد
 زمامِ ناقہ کف اُسکے میں ہے کہ اہل یقیں
 وہ ریگِ تفتہ وادی پہ گام فرسا ہے
 امامِ وقت کی یہ قدر ہے کہ اہل عناد
 یہ اجتہادِ عجب ہے کہ ایک دشمن دیں
 یزید کو تو نہ تھا اجتہاد کا پایہ
 علیؑ کے بعد حسنؑ اور حسنؑ کے بعد حسینؑ

تو پھر کہیں کہ کچھ اُسکے سوا کہیں اس کو
 کہہ کہ خامس آلِ عباس کہیں اس کو
 کہہ کہ رہبرِ راہِ خدائے کہیں اس کو
 اگر کہیں نہ خداوند کہیں اس کو
 کہ شمعِ انجمن کبریا کہیں اس کو
 اگر نہ شافعِ روزِ جزا کہیں اس کو
 ستم ہے کشتہ تیغِ جفا کہیں اس کو
 شہیدِ آتش نہ لب کر بلا کہیں اس کو
 کہ جنِ دانشِ ملک، سب بجا کہیں اس کو
 بقدرِ فہم ہے گر کہیں اس کو
 کہ لوگ جو ہر تیغِ قضا کہیں اس کو
 اگر نہ درد کی اپنے دوا کہیں اس کو
 مگر نبیؐ و علیؑ مر حبا کہیں اس کو
 پس از حسینؑ علیؑ پیشوا کہیں اس کو
 کہ طالبانِ خدا رہنما کہیں اس کو
 پیادہ لے چلیں اور ناسزا کہیں اس کو
 علیؑ سے آگے لڑے اور خطا کہیں اس کو
 بُرا نہ مانئے، اگر ہم بُرا کہیں اس کو
 کرے جو ان سے بُرائی بھلا کہیں اس کو

نبی کا ہونہ جسے اعتقاد کا فر ہے | رکھے امام سے جو نبض کیا کہیں اس کو

بھرا ہے غالب دل خستہ کو کلام میں درد
غلط نہیں ہے کہ خوفی نوا کہیں اس کو

قطع

کرتا ہے چرخ روز بصد گونہ استرام
فرمانروائے کشور پنجاب کو سلام

حقگو و حق پرست و حق اندیش و حق شناس
نواب مستطاب ایسرشہ متشام!

جسم ترسہ منکلوڈ بہادر کہ وقت رزم
ترک فلک کے ہاتھ سے وہ چھین لیں حسام

جس بزم میں کہ ہوا نہیں آئین میکشی
واں آسمان شیشہ بنے آفتاب جام

چاہا تھا میں نے تم کو مرچا روہ کموں
دل نے کہا کہ یہ بھی ہے تیرا خیال خام

دورات میں تمام ہے ہنگامہ ماہ کا
حضرت کا عروج جاہ رہے گا علی الہوام

سچ ہے تم آفتاب ہو جس کے فروغ سے
دریائے نور ہے فلک آگینہ فام

میری سنو کہ آج تم اس سرزمین پر

حق کے تفضلات سے ہو مرجع انام

اخبار لودھیانہ میں میری نظر پڑی
تحریر ایک جس سے ہوا بندہ تلخ کام

ٹکڑے ہوا ہے دیکھ کے تحریر کو جگر
کاتب کی آستیں ہے مگر تیغ بے نیام

وہ فرد جس میں نام ہے میرا غلط لکھا
جب یاد آگئی ہے اکیبہ لیا ہے تھام!

سب صورتیں بدل گئیں ناگاہ یک قلم
نمبر رہا، نہ نذر نہ خلعت کا انتظام!

ستر برس کی عمر میں یہ داغ جا نگداز
جس نے جلا کے راکھ مجھے کر دیا ختام

تھی جنوری مہینے کی تاریخ تیرہویں
استادہ ہو گئے لب دریا پہ جب خیام

اُس بزم پر فردغ میں اس تیرہ بخت کو
نمبر ملا نشست میں از روئے اہتمام

سمجھا اُسے گراب ہوا پاش پاش دل
دربار میں جو مجھ پہ چلی چٹک عوام

عزت پہ اہل نام کے ہستی کی ہے بنا
عزت جہاں گئی تو نہ بستی رہی نہ نام

تھا ایک گو نہ ناز جو اپنے کمال پر
اُس ناز کا فلک نے لیا مجھ سے انتقام

آیا تھا وقت ریل کے کھلنے کا بھی قریب
تھا بارگاہ خاص میں خلقت کا ازدحام

اس کشمکش میں آپ کا مداح دردمند
آقا مئے نامور سے نہ کچھ کر سکا کلام

جو ماں نہ کر سکا وہ لکھا ہے حضور کو

دیں آپ میری داد کہ ہیں فائز المرام

ملک و سپہ نہ ہو تو نہ ہو کچھ ضرر نہیں
سلطان برو بکر کے در کا ہوں میں غلام

ویکتوریا کا دہر میں جو مدح خوان ہو

شاہان عصر چاہئے ایس عزت اس سودا

خود ہے تدارک اس کا اگر نرسٹ کو ضرور
بے وجہ کیوں ذلیل ہو، غالب ہو جس کا نام

امر جدید کا تو نہیں ہے مجھے سوال

بارے قدیم قاعدے کا چاہئے قیام

ہے بندہ کو عادت عزت کی آرزو
چاہیں اگر حضور تو مشکل نہیں یہ کام

دستور فن شعریہ ہی ہے قدیم سے

یعنی دعسا پہ مدح کا کرتے ہیں اختتام

ہے یہ دعا کہ زیر نگین آپ کے رہے
اسلم ہندو مندھ سے تا ملک روم و شام

قطرہ عرض حضور شاہ

۱	اے شہنشاہ فلک پایہ و ہمیش و نظیر	۱	اے جہاندار کرم شیوہ بے شبہ و عدیل
۲	پانوں سو تیرے ملے فرق ارادت اور نگ	۲	فرق سے تیرے کرے کس سعادت اکمیل
۳	تیرا انداز سخن شانہ زلف السام	۳	تیری رفتا ر قلم جنبش بال جبریل
۴	تجھ سے عالم پہ کھلارابطہ قرب کلیم	۴	تجھ سے دنیا میں بچھا مائدہ بذل خلیل
۵	ہ سخن اوج دو مرتبہ معنی و لفظ	۵	بکرم داغ نہ ناصیبہ قسزم و نیل
۶	تا ترے وقت میں ہو عیش و طرب کی تو فیروز	۶	تا ترے عہد میں ہو رنج و الم کی تعلیل
۷	ماہ نے چھوڑ دیا ثور سے جانا باہر	۷	زہرہ نے ترک کیا حوت سم کرنا تحویل
۸	تیری دانش مری صلاح مفاسد کی رہن	۸	تیری بخشش مری اخلاص مقاصد کی کنیل
۹	تیرا قبیل ترجمہ مرے جینے کی نوید	۹	تیرا انداز تغافل مرے مرنے کی دلیل
۱۰	نجات ناسا نے چاہا کہ نہ دے مجھ کو اماں	۱۰	پر خج کج باز نے چاہا کہ کرے مجھ کو ذلیل
۱۱	پچھے ڈالی ہے سر رشتہ اوقات میں گانٹھ	۱۱	پہلے ٹھڈی تھی ہے بن ناخن تدبیر میں کیل
۱۲	پیش دل نہیں بے رابطہ خوف عظیم	۱۲	نشش دم نہیں بے خدا بطہ جبرائیل
۱۳	دور معنی سے مرا صفحہ نقا کی داڑھی	۱۳	غم گیتی سے مرا سینہ عمر کی زنجیل
۱۴	نکر میری گہرا اندوز اشارات کثیر	۱۴	کلک میری رقم آموز عبارات قلیل
۱۵	میرے ایہام پہ ہوتی ہے تصدیق توضیح	۱۵	میرے اجمال سے کرتی ہے تراوش تفصیل
۱۶	نیک ہوتی مری حالت تو نہ دیتا تکلیف	۱۶	جمع ہوتی مری خاطر تو نہ کرتا تعجیل

قبلہ کون مکاں خستہ نوازی میں یہ دیر
کعبہ امن و اماں عقدہ کشائی میں ڈھیل

(۱۲) اور نگ "تخت" : فرق ارادت "سیر عقیقت و اطاعت کسب سعادت" سعادت حاصل کرنا "اکلیل" تاج۔

(۱۳) شانہ زلف الہام یعنی اشارات غیب کی توضیح و تفصیل کرنیوالا یا کلام کی الجھنیں دور کرنے والا طریقہ۔

(۱۴) یعنی موسیٰ جن کو مرتبہ قرب و ہمکلامی حاصل تھا، اس کی نظیر تو نے پیش کر دی "مائدہ" خوان نعمت۔ اور تو نے اپنے کرم عام سے خاص و عام کے لئے، گویا "بذل خلیل" کا مائدہ بچھا دیا ہے۔

(۱۵) یعنی تیری باتوں سے، لفظ و معنی کا مرتبہ بلند ہوتا ہے۔ اور تیرے فیضان جاری سے قلم زم زم کی پیشانی پر داغ ہے۔

(۱۶) "توفیر" زیادتی "تقلیل" کمی۔

زمزم "ثور" نجومیات میں، ایک برج کا نام ہے، اور "حوت" بھی برج کی ایک شکل ہے، چاند جب "ثور" میں، اور زہرہ "حوت" میں ہو تو عیش و طرب کے آثار زمانہ میں پیدا ہوتے ہیں۔ "تحویل" خارج ہونا "نکلنا" مراد ہے۔

(۱۸) "اصلاح مقاصد" سے یہاں رفع مشکلات مراد ہے "انحراح" حل و کشود۔

(۱۹) "اقبال ترحم" میلان رحم۔

(۱۲۱) رابطہ "شرکت" : ضابطہ جڑِ ثقیل بے حد مشکل سے سانس لینے کو تمثیل کیا ہے۔

(۱۲۲) یعنی میری فکر بہت سے اشارات کے موتی چنتی ہے، اور میرا قلم مختصر عبارات تحریر کرتا ہے، یعنی طبیعت کنا یہ پسند ہے۔

قطر

۱	اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے	کھلتے کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں
۲	وہ ناز نہیں بتاں خود آرا کہ ہائے ہائے	وہ سبز زار ہائے مطرا کہ ہے غضب
۳	طاقت ربا وہ انکا اشارا کہ ہائے ہائے	صبر آزمادہ ان کی نگاہیں کہ حنف نظر
۴	وہ بادہ ہائے ناب گورا کہ ہائے ہائے	وہ میوہ ہائے تازہ و شیریں کہ دادا

(۳) حنف نظر چشم بد دور۔

قطر

۱	زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کیئے	ہے جو صاحب کف دست پر یہ چکنی ڈلی
۲	ماطقہ سر بہ گریباں کہ اسے کیا کیئے	خامہ نگشت بدناں کہ اسے کیا کیئے
۳	حرز بازوئے شگرفاں خود آرا کیئے	مہر مکتوب عزیزان گرامی کیئے
۴	داغ طرف جگر عاشق شید کیئے	مسی آلود سر انگشت حیدناں کیئے
۵	سر پستان پر پی زاد سے مانا کیئے	خاتم دست سلیمان کے مشابہ کیئے
۶	خال مشکیں رخ دل کش لیدا کیئے	اختار ریختہ قیس سے نسبت دیجیئے
۷	نافہ آہوئے سیا باں خن کا کیئے	حجرا لاسود و یار حرم کیئے فرض
۸	رنگ میں سبزہ زرخیز مسیحا کیئے	وضع میں اس کو اگر سمجھیئے قاف تریاق
۹	میکرے میں اسے خشت خم صہبا کیئے	صومعے میں اسے ٹھہرائیئے گر مہر نماز
۱۰	کیوں اسے نقطہ پر کا رمتا کیئے	کیوں اسے قفل در گنج محبت کیئے
۱۱	کیوں اسے مرد مکیدہ غنقا کیئے	کیوں اسے گوہر نایاب تصور کیئے
۱۲	کیوں اسے نقش پے نافہ سلما کیئے	کیوں اسے تلمسہ پیراہن لیدا کیئے

بندہ پرور کے کف دست کو دل کیجئے فرض ۱۳ اور اس چکنی سپاری کو سویدا کیجئے

(۲) "انگشت بندہ ان ہونا" متحیر ہونا "سر بگر میاں ہونا" متفکر ہونا "ناطقہ" گویائی

(۳) "مکتوب" خط "حرز" تعویذ "شکر خان" خود آرا "مشتوقان" خود پسند

(۵) "مانا" مشابہہ

قطع

منظور ہے گزارش احوال واقعی
اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے

سو پشت سے ہے پیشہ آب و پھگری
کچھ شاعری ذریعہ عزت نہیں مجھے

آزادہ رو ہوں اور مرا مسلک صلح کل
ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے

کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں
مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہیں مجھے

استادشہ سے ہو مجھے پر فاش کا خیال
یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے

جام جہاں نسل ہے شہنشاہ کا ضمیر
سو گند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے

میں کین اور ریختہ ماں اس سے مدعا

جس دن بساطِ خاطر حضرت نہیں مجھے

سہرا لکھا گیا زرو امتثال امر
دیکھا کہ چارہ غیسر طاعت نہیں مجھے

مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات
مقصود اس سے قطعِ محبت نہیں مجھے

دے تے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاء
سودا نہیں جنوں نہیں وحشت نہیں مجھے

تست بُری سہی پہ طبیعت بُری نہیں
ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے

صادق ہوں اپنے قول میں غالب خدا گواہ
کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

انہی اشارہ سہرے کے اس مقطع کی جانب ہے :-

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں دیکھیں اس سہرے کو کہ کوئی بڑھکر سہرا

”سہرا“

خوش ہواے بخت کہ ہے آج ترے سر سہرا

باندھ شہزادے جواں بخت کے سر پر سہرا

کیا ہی اس چاند سے کھڑے پہ بھلا لگتا ہے

ہے ترے حسنِ دل افروز کا زیور سہرا

سر پہ چڑھنا تجھے پہتا ہے پر اے طرفِ کلاہ

مجھ کو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا لبر سہرا

ناؤ بھر کر ہی پر دئے گئے ہونگے موتی
ورنہ کیوں لائے ہیں کشتی میں لگا کر سہرا

سات دریائے فراہم کئے ہوں گے موتی
تب بنا ہوگا اس انداز کا گز بھر سہرا

منج پہ دو لہا کے جو گرمی سے پُینا ٹپکا
ہے رگ ابر گسر بار سراسر سہرا

یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ قبل سے بڑھ جائے
رہ گیا آن کے دامن کے برابر سہرا

جی میں اترائیں نہ موتی کہ نہیں ہیں اک چیز
چاہئے پھولوں کا بھی ایک نکر سہرا

جبکہ اپنے میں سما دیں نہ خوشی کے مارے
گوندھے پھولوں کا بھلا پھر کوئی کیونکر سہرا

منج روشن کی دمک گوہر غلطاں کی چمک
کیوں نہ دکھلائے فروغ مہ و اختر سہرا

تار ریشم کا نہیں ہے یہ رگ ابر بہار
لائے گا تاب گراں باری گوہر سہرا

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں
دیکھیں اس سہرے سے کہدے کوئی بہتر سہرا

نصرت الملک بہادر مجھے بتلا کہ مجھے
 تجھ سے جو اتنی ارادت ہو تو کس بات سے ہے
 گرچہ تو وہ ہے کہ ہنگامہ اگر گرم کرے
 رونق بزم مہ و مہر تری ذات سے ہے
 اور میں وہ ہوں کہ گرجی میں کبھی غور کر دیں
 غیر کیا خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہے
 خستگی کا ہو بھلا جس کے سبب سے سرست
 نسبت اک گو نہ مرے دل کو ترے ہاتھ سے ہے
 ہاتھ میں تیرے ہے تو سن دولت کی عنایاں
 یہ دعا شام و سحر قاضی حاجات سے ہے
 تو سکندر ہے مرا فخر ہے ملنا تیرا
 گو شرف خضر کی بھی مجھ کو ملاقات سے ہے
 اس پہ گزرے نہ گماں ریو وریا کا زہنہار
 غالب خاک نشیں اہل خرابات سے ہے

متفرقات

ہے چار شنبہ آخر ماہ صفر چلو
 رکھ دیں چین میں بھر کرے مشک بو کی ناند
 جو آئے جام بھر کے پیئے اور ہو کے مست
 ہنرے کو رد نہ تا پھرے پھولوں کو جلے پھاند

غالب یہ کیا بیان ہے بجز مہرچ بادشاہ
بھاتی نہیں ہے اب مجھے کوئی نوشتہ خواند

بٹتے ہیں سونے روپے کے چھلے حضور میں
ہے جن کے آگے سیم و زبر و مہر و ماہ ماند

یوں سمجھئے کہ بیچ سے خالی کئے ہوئے
لاکھوں ہی آفتاب ہیں اور بیشمار چاند

در مدح شاہ

اے شاہ جہانگیر جہاں بخش جہاں دار
ہے غیب سے ہر دم تجھے صد گونہ بشارت

جو عقدہ دشوار کہ کوشش سے نہ وا ہو
تو داکرے اس عقدے کو سو بھی بشارت

ممکن ہے کرے خضر سکنہ سے ترا ذکر
گر لب کو نہ دے چشمہ حیواں سے طہارت

آصف کو سلیمان کی وزارت سے شرف تھا
ہے فخر سلیمان جو کرے تیری وزارت

ہے نقش مریدی تیرا فرمان الہی
ہے دارغ غلامی ترا تو فیج امارت

تو آب سے گریب کرے طاقتِ سیلان
تو آگ سے گردِ دفع کرے تابِ شرارت

(ق)

ڈھونڈھے نہ ملے موجہ دریا میں روانی

باقی نہ رہے آتش سوزاں میں حرارت

ہے گرچہ مجھے نکتہ سرائی میں توغل
ہے گرچہ مجھے حسد طرازی میں ہمارت

کیونکر نہ کروں مدح کو میں ختم دعا پر
قاصر ہے شکایت سے تری میری عبات

لو روز ہے آج اور وہ دن ہے کہ ہوئے ہیں
نظارگی صنعت حق اہل بصارت

بتجہ کو شرف مہر جہاں تاب مبارک
غالب کو ترے عقبہ عالی کی زیارت

قسط

افطار صوم کی کچھ اگر دستگاہ ہو اُس شخص کو ضرور ہے روزہ رکھا کرے
جس پاس روزہ کھو لکے کھانیو کچھ نہ ہو روزہ اگر نہ کھائے تو ناچار کیا کرے

گزارش مصنف بجنور شاہ

اے جہاندار آفتاب آثار
تھامیں اک درد مند سینہ فگار
ہوئی وہ میری گرمی بازار
روشناس ثوابت دستار
ہوں خود اپنی نظر میں اتنا خوار
جانتا ہوں کہ آئے خاک کو عار

اے شہنشاہ آسماں اوزنگ
تھامیں اک بے نوائی گوشہ نشین
تم نے مجھ کو جو آبرو بخشی
کہ ہوا مجھ سا ذرہ ناچسین
گرچہ از روئے ننگ بے ہیزی
کہ گراپنے کو میں سکوں خاکی

شاد ہوں کیوں اپنی جی میں کہ ہوں
 خانہ زاد اور مریدا و مداح
 بارے نوکر بھی ہو گیا حمد شکر
 نہ کہوں آپ سے تو کس سے کہوں
 پیرو مرثدا اگرچہ مجھ کو نہیں
 کچھ تو جاڑے میں چاہئے آخر
 کیوں نہ درکار ہو مجھے پوشش
 کچھ خریدا نہیں ہے ابھی سال
 رات کو آگ اور دن کو دھوپ
 آگ تاپے کہاں تلک انساں
 دھوپ کی تابش آگ کی گرمی
 میری تنخواہ جو مقرر ہے
 رسم ہے مرثے کی چھ ماہی ایک
 مجھ کو دیکھو تو ہوں بقید حیات
 بسکہ لیتا ہوں ہر مہینے قرض
 میری تنخواہ میں تھائی کا
 آج مجھے سا نہیں زمانے میں
 رزم کی داستاں اگر سینے
 بزم کا التماس گر کیجئے
 ظلم ہے گردنہ و سخن کی داد
 آپ کا بندہ اور پھروں ننگا

بادشہ کا غلام کیا رگزار
 تھا ہمیشہ سے یہ عریضہ نگار
 نسبتیں ہو گئیں مشخص چار
 مدعا ئے ضروری الاٹھار
 ذوق آرایش سر و دستار
 تانہ دے باز و سریر آزار
 جسم رکھتا ہوں ہے اگرچہ نزار
 کچھ بنایا نہیں ہے اب کی بار
 بھاڑ میں جائیں ایسے لیل و نہار
 دھوپ کھائے کہاں تلک جاندار
 و قنار بتا عذاب النار
 اس کے ملنے کا ہے عجب ہنجار
 خلق کا ہے اسی چلن پہ مدار
 اور چھ ماہی ہو سال میں دو بار
 اور رہتی ہے سود کی تکرار
 ہو گیا ہے شریک سا ہو کار
 شاعر نغز گوئے خوش گفتار
 ہے زباں میری تیغ جو ہر دار
 ہے قلم میری ابر گوہر بار
 قمر ہے گردنہ مجھ کو پیار
 آپ کا نوکر اور کھاؤں ادھار

میری تنخواہ کیجے ماہ بہ ماہ ختم کرتا ہوں اب دعا یہ کلام	تانا ہو مجھ کو زندگی دشوار شاعری سے نہیں مجھے سروکار
تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن بچاس ہزار	
قطعات	
بہت سیہ کلیم ہوں لازم ہے میرا نام نہ لے جہاں میں جو کوئی فستح و ظفر کا طالب ہے ہوا نہ غلبہ میسر کبھی کسی پہ مجھے کہ جو شریک ہو میرا شریک غالب ہے	
سہل تھا سہل دے یہ سخت مشکل آپڑی مجھ پہ کیا گزرے گی اتنے روز حاضر بن ہوئے تین دن سہل سے پہلے تین دن سہل کے بعد تین سہل تین تبریدیں یہ سب کئے دن ہوئے	
جستہ انجمن طوبیٰ میرزا جعفر کہ جسکے دیکھے سے سب کا ہوا ہرجی محفوظ ہوئی ہے ایسی ہی فرخندہ سال میں غالب نہ کیوں ہو مادہ سال عیسوی محفوظ	
ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی کہا غالب سے تاریخ اسکی کیا ہے	ہوا بزم طرب میں رقص ناہید تو بولا انشراح جشن جمشید
گو ایک بادشاہ کے سبغہ ناز ہیں	دربار دار لوگ ہم آشنا نہیں

کانوں پر ہاتھ چرتے ہیں گرجے سوام اس سے ہے یہ مراد کہ ہم شائیں

رباعی

بعد از اتمام بزم عید اطفال آپہنچے ہیں تا سواد اقلیم عدم	ایام جوانی ہے ساغوش حال اے عمر گزشتہ یکدم استقبال
شب لطف و رخ عرق نشان غم تھا رویائیں ہزار آنکھ سے صبح تناک	کیا شرح کروں کہ طرفہ تر عالم تھا ہر قطرہ اشک دیدہ پر غم تھا
آتش بازی ہے جیسے شغل اطفال تیا موجود عشق بھی قیامت کوئی	بے سوز جگر کا بھی اسی طور کا حال لڑکوں کیلئے گیا ہو کیا کمیل نکال
دل تھا کہ جو جان در و تمہید سہی ہم اور فسرون اے تجلی افسوس	بتیابی رشک و حسرت دیدہ سہی تکرار روا نہیں تو تجھ دیدہ سہی
ہے خلق حس قماش لڑنے کیلئے یعنی ہر بار صورت کا غنہ باد	دشمنک وہ تلاش لڑنے کے لئے ملتے ہیں یہ بد معاش لڑنے کیلئے
دل سخت نرنند ہو گیا ہے گویا پر یار کے آگے بل سکتے ہی نہیں	اس سے گلہ مند ہو گیا ہے گویا غالب منہ بند ہو گیا ہے گویا
دکھ جی کے پنہ ہو گیا ہے غالب واللہ کہ شب کو نیند آتی ہی نہیں	دل رُک رُک کر بند ہو گیا ہے غالب سونا سوگن ہو گیا ہے غالب
مشکل ہے زبیں کلام میرا لے دل آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمایش	سُن سُن کے اُسے سخنوران کامل گویم مشکل و گرنہ گویم مشکل
بہی بھی ہو جو محکوشہ جم جاہ نے دال یہ شاہ پسند دال بے بحث جدال	ہے لطف عنایات شہنشاہ پر دال ہے دلت دیر و دانش واد کی دال

ہیں شہ میں صفات ذوالجلالی باہم
آثار جلالی و جلالی باہم

ہوں شاد نہ کیوں سافل دعا لی باہم
بے اب کی شب قدر و دوا لی باہم

حق شہ کی بقا سے خالق کو شاد کرے
تا شاہ شیوع دانش و داد کرے

یہ دی جو گئی ہے رشتہ عمریں گانٹھ
ہے صفر کہ افشاں ایش اعدا کرے

اس رشتے میں لاکھ تار ہوں بلکہ سوا
اتنے ہی برس شمار ہوں بلکہ سوا

ہر سیکڑے کیا ایک گرہ فرض کریں
ایسی گرہیں، سزار ہوں بلکہ سوا

کہتے ہیں کہ اب وہ مردم آزار نہیں
عشاق کی پرکشش سے اُسے عار نہیں

جو ہاتھ کہ ظلم سے اٹھایا ہوگا
کیونکر مانوں کہ اس میں تلوار نہیں

ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے
کرتے ہیں درنگ کام کرنے والے

کہتے ہیں کہیں خدا سے اشد اشد
وہ آپ ہیں صبح و شام کرنے والے

سامان خور و خواب کہاں سے لاؤں

آرام کے اسباب کہاں سے لائیں

روزہ مرا ایساں ہے غالب لیکن
خس خانہ و برف آب کہاں سے لائیں

ان سیم کے بیجوں کو کوئی کیا جانے
بھیجے ہیں جوار منہاں شہ بالا لے

گن کر دیویں گے ہم دعائیں سو بار
فیروزے کی تسبیح کے ہیں یہ دانے

ضمیمہ

غزل

لطفِ نظارہ قاتل و مہم بسل آئے

جان جائے تو بلا سے یہ کہیں دل آئے

اُن کو کیا علم کہ کشتی پہ مری کیا گذری
دوست جو ساتھ مرے طالبِ ساحل آئے

وہ نہیں ہم کہ چلے جائیں حرم کو لے شیخ

ساتھ حجاج کے اکشر کئی منزل آئے

آئیں جس بزم ہیں وہ لوگ پکار اُٹھتے ہیں
لو وہ برہم زن ہنگامہ محفل آئے

دیدہ خونبار ہے مدت سے لئے آج ندیم

دل کے ٹکڑے بھی کئی، خون کے شامل آئے

سامنا خود دہری نے نہ کیا ہے نہ کریں
عکس تیرا ہی مگر تیرے مقابل آئے

اب ہے ولی کی طرف کوچ ہمارا غالب
آج ہم حضرت نواب سے بھی مل آئے

غزل دیگر

میں ہوں مشتاق جفا مجھ پہ جفا اور سہی
تم ہو بیداد سے خوش اس سہی سوا اور سہی
تم ہو بخت پھر تمہیں پندار خدائی کیوں ہے
تم خداوند ہی کہلاؤ خدا اور سہی

غلہ میں کیئے تو دوزخ بھی ملا لیں یارب
سیر کے واسطے تھوڑی سی نصنہ اور سہی

ہم سے غالب یہ علاقے غزل لکھوائے
ایک بیداد گر بنج فزا اور سہی

جاتا برہن ہر گھٹتی ہر سب کی ادھر انگشت	ایک دست جہاں مجھ سے پھر ہے مگر انگشت
کس قدر خاک ہوا ہے دل مجنوں یارب	نقش ہر ذرہ سویدا ئے بیاباں نکلا

برہن شرم ہے باوصف شوخی اہتمام اُس کا
نگلیں میں جوں شرار سنگ ناپیدا ہے نام اُس کا
مسی آلودہ ہے مہر فوازش نامہ ظاہر ہے
کہ داغ آرزوئے بوسہ دیتا ہے پیام اُس کا

بامید نگاہ خاص ہوں عمل کش حسرت
مبادا ہو عنان گیر تغافل لطف عام اُس کا

گئے وہ دن کہ نادانستہ غیروں کی وفاداری
کیا کرتے تھے تم تقریر ہم خاموش رہتے تھے

بس اب بگڑے یہ کیا شرمندگی جلنے دو لجاؤ
قسم لو ہم سے گریہ بھی کہیں کیوں ہم نہ کہتے تھے

شب کہ ذوق گفتگو سے تیرے دل بیتاب تھا
شبخی وحشت سے افسانہ فسون خواب تھا

واں ہجومِ نغمہائے سازِ عشرت تھا اسد
ناخنِ غم یاں سدا تارِ نفسِ مضرب تھا

دو دو کو آج اُس کے ماتم میں سیہ پوشی ہوئی
وہ دل سوزاں ککل تک شمعِ ماتم خانہ تھا

ٹسکوہِ یاسانِ غبارِ دل میں نہپساں کر دیا
غالب ایسے غمخ کو شایاں یہی دیرانہ تھا

پھر وہ سوئے چمنِ آتاب سے خدا خیر کیسے

معزولی پیش ہوئی افسانہ انتظار

میر کے شعر کا احوال کہیں کیا غالب

مے کشی کو نہ سمجھ بے حاصل

ہے نزاکت بسکہ فصلِ گل میں معمارِ چمن

ظاہر ہیں میری شکل سے افسوس کے نشان

خارِ الم سے پشتِ بدنِ گزیدہ ہوں

ہوں گرمیِ نشاطِ تصور سے نغمہ سنج

میں عندلیبِ گلشنِ نا آفریدہ ہوں

جے کہ بزم طرب آمادہ کرد | برقی تنہتی ہے کہ فرصت کوئی دم ہے ہکو

ان سائے گل پائے تخت تھا
ال عہد و مال بتاں نہ پوچھ

ہر داغ تازہ یک دل داغ انتظار ہے
عرض فضا تے سینہ درد امتحاں نہ پوچھ

ماکل وہ محرم راز اپنے سے کہ آہ
بائی است اللہ خاں نہ پوچھ

خنائے پنجہ صیاد مرغ رشتہ برپا ہے	بیش خوں کے سبب لگ الو نہیں سکتا
آنسو کی بونہار گھر ہر نایاب ہو گئی	زلبہ سوکھ گئے چشم میں سرشک
کہ چشم تر میں ہر ایک پارہ دل پائے در گل ہے	بے یان نکال شکریں میں غبار کلفت خاطر
تکلف بر طرف تجھ سے تری تصویر اسی ہے	اگر موقوف انداز تغافل ہو
یاں ہے کہ صحبت خس و آتش برابر ہے	ہوں شوخی رگ یا قوت دیکھ کر
مجھے جو بھیجی ہے بسین کی روغنی روٹی	جھ کی حقیقت حضور والا نے
جو کھاتے حضرت آدم یہ بسینی روٹی	تے گیہوں نکلتے نہ خلہ سے باہر

(تمام شد)

Qandari Mustafa Dacir

